وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

# اَمثالُ القرآن

## قرآنی تمثیلات وتشبیہات کا مجموعہ

تالیف: فضیلۃ الشیخ قاری محمد دلاور سلفی حفظہ اللہ

تفہیم وتخریج: فضیلۃ الشیخ محمد عظیم حاصل پوری حفظہ اللہ








نظر ثانی: فضیلۃ الشیخ ابوضیا محمود احمد غضنفر حفظہ اللہ


امثال القرآن

نام کتاب

# امثال القرآن

## قرآنی تمثیلات وتشبیہات کا مجموعہ


تالیف

فضیلۃ الشیخ قاری محمد دلاور سلفی حفظہ اللہ

تفہیم و تخریج

فضیلۃ الشیخ محمد عظیم حاصل پوری حفظہ اللہ

نظر ثانی

فضیلۃ الشیخ ابو نعیم محمود احمد غضنفر حفظہ اللہ



| | |
|---|---|
| صفحات | 304 |
| اشاعت | نومبر 2009ء |
| تعداد | گیارہ سو |
| قیمت | 250روپے |


www.KitaboSunnat.com




پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز لاہور پاکستان

0321-4275767, 0300-4516709

www.subheroshan.com




وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا

# امثال القرآن

## قرآنی تمثیلات وتشبیہات کا مجموعہ

تالیف: فضیلۃ الشیخ قاری محمد دلاور سلفی حفظہ اللہ

تحقیق تخریج: فضیلۃ الشیخ محمد عظیم حاصل پوری حفظہ اللہ

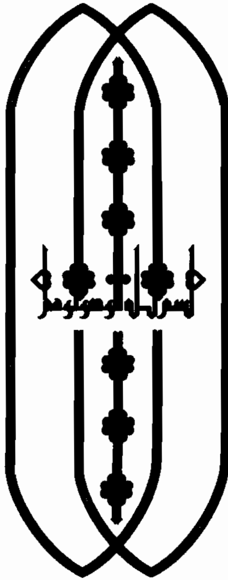
نظر ثانی: فضیلۃ الشیخ ابو محمد راشد غضنفر حفظہ اللہ

صبح روشن

پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

0321-4275767 0300-4516709

www.subheroshan.com



# فہرست



# حرفِ اول

امثال‘ مثل کی جمع ہے‘ مخاطب کو سمجھانے کے لیے مثال دے کر بات کرنا خالق کائنات سے لے کر ہر عام وخاص کا وطیرہ ہے۔ اللہ احکم الحاکمین نے بھی ہمیں اپنے کلام پاک کو سمجھانے کے لیے کئی ایک مثالیں دی ہیں تا کہ ہم اسے صحیح معنوں میں سمجھ کر روزمرہ زندگی کے معمولات کی درستگی کر سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝﴾ [سورة الحشر: ٢١]

”یہ مثالیں ہم لوگوں کے غور وفکر اور تدبر کے لیے پیش کرتے ہیں۔“

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر مختلف باتیں سمجھانے کے لیے کئی ایک مثالیں بیان فرمائی ہیں‘ مثلاً یہ بات سمجھانے کے لیے کہ اللہ کے علاوہ غیر اللہ کا سہارا پکڑنے والے دھوکے میں ہیں اور وہ ان کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتے‘ ارشاد فرمایا:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝﴾

[سورة العنكبوت: ٤١]

”جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کارساز (دوست) مقرر کر رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک گھر بنا لیتی ہے حالانکہ تمام گھروں سے زیادہ بودا گھر مکڑی کا گھر ہی تو ہے‘ کاش! وہ جان لیتے۔“

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کی پرستش اور پوجا پاٹھ کرتے ہیں اور ان سے مدد‘ روزی اور سختی میں کام آنے کے امیدوار رہتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مکڑی کے جالے میں بارش دھوپ اور سردی سے پناہ چاہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی کئی مقامات پر مثال دے کر بات سمجھائی جیسا کہ آپ

فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحًا طَيِّبَةً وَنَافِخُ الْكِيْرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحًا خَبِيْثَةً.''[1]

''نیک اور اچھے دوست اور برے دوست کی مثال کستوری اٹھانے والے اور لکڑیاں جلانے والے کی طرح ہے' کستوری اٹھانے والا یا تو تجھے خوشبو ہبہ کر دے گا' یا تو اس سے خریدے گا اور اگر خریدے گا بھی نہیں تو تجھے اس سے خوشبو تو آتی رہے گی۔ اور بھٹی دہکانے والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا یا تو اس سے برا دھواں یا بری خوشبو پائے گا۔''

نیز سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ بِالْمَلَاءِ الْأَعْلٰى''.

''معراج کی رات میرا گزر ملأ اعلیٰ (فرشتوں کا بلند مقام گروہ) سے ہوا۔''

تو میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ نے جبریل علیہ السلام کو بھی دیکھا تو ان کی حالت کیسی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وَجِبْرِيْلُ كَالْحِلْسِ الْبَالِيْ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ تَعَالٰى''.[2]

''اور جبریل علیہ السلام کو خشیت الٰہی سے اس طرح پایا جیسے میلی چادر ہوتی ہے۔''

محترم قارئین کرام!...... ایک بات پر میں اللہ کا لاکھوں کروڑوں شکرگزار ہوں کہ اس نے مجھے حفظ قرآن کی نعمت سے مالا مال فرمایا' میری دلی تمنا تھی کہ کسی نہ کسی طریقے سے خدمت قرآن کرنے والوں میں میں اپنا نام درج کرواؤں' سو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واردشدہ تمثیلات وتشبیہات جمع کرنے کی توفیق بخشی۔ جس پر میرے استاذ محترم فضیلۃ الشیخ محمد عظیم حاصلپوری حفظہ اللہ نے تفہیم وتخریج کر کے اس کی اہمیت کو دو چند کر دیا۔

میں خصوصی شکریہ ادا کرتا ہوں' اپنے ان احباب اور ساتھیوں کا جنھوں نے میرے ساتھ اس کام میں ابتداء سے انتہاء تک معاونت فرمائی اور اپنے تمام اساتذہ کے لیے دعا

---

[1] صحيح البخاري، الذبائح، والصيد، باب المسك (٥٥٣٤)

[2] الجامع الصغير (٢٠٦/٥)

گو ہوں جنہوں نے میری کتاب وسنت اور سلف صالحین کے منہج پر تربیت فرمائی' اور اللہ تعالیٰ اس خدمت قرآنی کو میرے والدین اور اساتذہ اور ناشرین کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔آمین!

اہل علم وفضل احباب سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اگر اس میں کوئی لفظی یا غیر لفظی غلطی نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔ان شاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر لی جائے گی۔

آخر میں میں اپنی مادر علمی (جامعہ اسلامیہ سلفیہ۔ جامع مسجد مکرم اہل حدیث ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ) کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ اسے ہمیشہ تر وتازہ اور شاد وآباد رکھے جس نے کئی متبحر اور ممتاز دین کے شہسوار پیدا کیے اور جامعہ ہذا کے نگران اعلیٰ' سلفی خاندان کے چشم وچراغ (شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے) حضرت مولانا حافظ اسعد محمود سلفی حفظہ اللہ' اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے جو کہ کئی سالوں سے جامعہ ہذا کے انتظام وانصرام کی خدمات باحسن طریق سے ادا کر رہے ہیں۔علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ میری مادر علمی کے تمام معاونین اور انتظامیہ کے مال وجان میں برکت عطا فرمائے۔آمین!

خادم القرآن
**قاری محمد دلاور سلفی**
حویلیاں۔ہری پور
امام جامع مسجد مکرم اہل حدیث
ماڈل ٹاؤن۔گوجرانوالہ

# حرفِ چند

از فضیلته الشیخ ابو ضیاء محمود احمد غضنفر حفظه الله

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصلوة والسلام علی سید المرسلین و علیٰ آلهٖ و اصحابه اجمعین.

قرآن مجید امتِ مسلمہ کے پاس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ایک عظیم تحفہ ہے۔اس سچی اور برحق کتاب مقدس، میں گزشتہ اقوام کے واقعات ہیں اور مستقبل کی پشین گوئیاں بھی بیان کی گئی ہیں۔قوموں کے درمیان وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی تفصیل بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ کتاب مقدس حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی ہے۔اس میں باطل کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا جو متکبر اور بدمزاج شخص قرآن ومجید پر عمل نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اسے تباہ وبرباد کردیتا ہے اور جو شخص قرآن مجید کے علاوہ کسی دوسری کتاب سے ہدایت طلب کرنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کردیتا ہے۔قرآن مجید سراپا نصیحت، حکمت و دانائی کی باتوں سے لبریز اور سیدھے راستے کی رہنمائی کرنے والی کتاب ہے۔اس کی تلاوت سے لذت محسوس ہوتی ہے۔اس کے بار بار پڑھنے سے اکتاہٹ نہیں ہوتی جو شخص قرآن مجید کے حوالے سے بات کرتا ہے وہ سچ بولتا ہے اور جو شخص قرآنی احکامات پر عمل پیرا ہے وہ جنت کے راستے پر گامزن ہے۔نزول قرآن سے لے کر لمحہ موجود تک مختلف زاویوں سے اس کی توضیحات وتفسیرات سامنے آرہی ہیں لیکن اس کے مصارف ہیں کہ ختم نہیں ہوتے۔ جو کوئی اس سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے وہ ہیرے، جواہرات اور موتیوں سے اپنی جھولی بھر کر سطح آب پر نمودار ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین کو سمجھانے کے لئے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مثالیں بیان کی ہیں تاکہ ان مثالوں کی روشنی میں بات کو اچھی طرح ذہن نشین

کرلیا جائے۔مثال کی صورت میں بیان کی گئی بات دلچسپی کا باعث ہوتی ہے اور مخاطب کو جلد سمجھ جاتی ہے۔محترم جناب قاری محمد دلاور سلفی صاحب نے قرآنی مثالوں کو ایک جگہ جمع کر کے ایک گلدستہ تیار کیا ہے۔محترم جناب محمد عظیم حاصل پوری صاحب نے تفہیم و تخریج سے اس گلدستے کی شان بڑھا دی ہے۔امید ہے اس کی خوشبو سے ماحول معطر ہوگا اور قارئین کو روحانی آسودگی میسر آئے گی۔

اس قرآنی خدمت کو منظر عام پر لانے کی سعادت ادارہ ''صبح روشن'' حاصل کر رہا ہے۔جس کی طرف سے پہلے بھی بہت سی عمدہ، مفید اور دلچسپ کتابیں دیدہ زیب انداز میں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔یہ کتابیں اس لائق ہیں کہ انہیں اپنی لائبریری کی زینت بنایا جائے۔

وصلی اللہ علی النبی محمد و علی آلہ و اصحابہ وسلم

ابوضیاء محمود احمد غضنفر

7 نومبر 2009ء

# امثال القرآن

## قرآن کا منفرد اسلوب

قرآن کریم دنیا بھر کے انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جو لوگ اس کتاب پر ایمان لائیں گے اور اللہ کے سامنے سرِ تسلیم کریں گے ان کو یہ کتاب زندگی کے ہر ہر معاملے میں اور اس کے ایک ایک شعبے میں رہنمائی کا کام دے گی۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رحمت کے بھی مستحق ہوں گے اور روزِ قیامت اللہ کے انعام واکرام کی بشارت سے نوازے جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل اور آپ کی رسالت کو پہچاننے کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن مجید ہی ہے۔ قرآن کریم کا اعجاز لفظ ومعنوی دونوں اعتبار سے ایسی ناقابل تردید حقیقت ہے۔ جس کے آگے زمانہ نزول وحی سے ہی عرب کے علماء وادباء اور شعروادب کے شہسوار اور فصاحت وبلاغت کے نابغہ روزگار سپر ڈالتے چلے آئے ہیں۔

"اگر تم کو اس کلام میں جس کو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے شبہ ہے (کہ یہ میرا کلام نہیں ہے) تو تم ان جیسی ایک چھوٹی سی سورت ہی بنا کر دکھلا دو اور اس کام میں اپنے مددگاروں کو بھی بلالو، اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم ایسا نہ کر سکے تو (اسے سچا مان کر) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔"

قرآن کریم کا یہ کھلا چیلنج رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ جس نے بھی اسے قبول کیا آخر اس نے منہ کی کھائی۔ ضماد ازدی، لبید بن ربیعہ اور عبداللہ بن المقفع کے واقعات اس سلسلے میں معروف ہیں۔

قرآن کریم کا چیلنج جس طرح قرآن کے مخاطبین اولین کو دیا گیا تھا اسی طرح بعد میں آنے والے انسانوں کو بھی دیا گیا، اور آج بھی باقی ہے، اور ہر دور میں ایسے دشمنان اسلام

بکثرت رہے ہیں، جو اچھی طرح عربی زبان جانتے ہیں عربی میں اعلیٰ درجے کی تحریریں لکھتے ہیں، شاعری کرتے ہیں قرآن کی بخشی ہوئی نحوی تراکیب کو استعمال کرتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ ایسے عیسائی اور یہودی انشاء پرداز بھی ہیں جو اپنی عبارت کو خوبصورت بنانے کے لئے قرآنی آیات اور اس کی خاص نحوی تراکیبوں کو بلاتکلف اپنی عبارت سے سجاتے ہیں جو دیکھنے میں لگتا ہے کہ کانٹوں اور جنگل کے خودرو گھاس کے درمیان ایک حسین اور خوشنما گلاب کھلا ہوا ہے، مگر وہ خود ایک گلاب کے پودے کی تخلیق کر لیں، ناممکن ہے اور قیامت تک ناممکن رہے گا۔''

''قرآن کا یہ کہنا کہ وہ ایک ایسا کلام ہے جیسا کلام انسانی ذہن تخلیق نہیں کر سکتا اور چودہ سو سال تک کسی انسان کا اس پر قادر نہ ہونا قطعی طور پر ثابت کر دیتا ہے کہ یہ غیر بشری کلام ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کو جس کسی نے بھی توجہ سے پڑھا وہ اس کی ایک خصوصیت سے ضرور حیرت زدہ ہو گا اور یہی خصوصیت اُسے دنیا بھر کی لاکھوں کروڑوں کتابوں سے الگ ایک مقام امتیازی عطا کرتی ہے۔ ہمارے سامنے یہ واحد کتاب ایسی ہے جس میں کہیں کسی مقام پر کوئی بات شبہ کے انداز میں نہیں کی گئی۔ کوئی اصول، کوئی حکم، کوئی تجربہ اور کوئی تبصرہ اس میں ایسا دکھائی نہ دے گا جس کے پیچھے تذبذب کارفرما ہو۔ ہر بات یقین وتحدی کے ساتھ کہی گئی ہے۔ اس بات کا قطعاً کوئی اندیشہ لاحق نہیں ہے کہ اس کی کسی بات کو جھٹلایا بھی جا سکتا ہے۔ اندازِ گفتگو میں کسی مقام پر ذرا سا شائبہ بھی کسی احساسِ کمتری کا نہیں ہے۔ کہیں کسی سطر میں کوئی ایسی کمزوری نہیں جھلکتی، جیسی بالعموم انسانی تصانیف میں پائی جاتی ہے۔ کوئی ایسا موقع نہیں آتا، جس میں یہ محسوس ہو کہ مصنف نے خوبصورت لفظوں اور نگارش کا پردہ ڈال کر اپنی کسی کوتاہی کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ یہ کتاب، کتابِ حق اور کتاب یقین ہے۔ ''انه لحق اليقين'' اور آغاز ہی میں کتاب کا تعارف کراتے ہوئے کہہ دیا گیا ہے کہ لَا رَيْبَ فِيْهِ اس میں کہیں کوئی تضاد نہیں ملتا۔ ہر بات جو اس میں درج ہے وہ دوسری باتوں کی مؤید ہیں۔ حالانکہ بہترین مفکرین ومحققین اور ادبا وشعرا کے مرتب کردہ جو دفتر ہمارے سامنے ہیں ان میں سے کوئی اعلیٰ ترین نگارش بھی اس عیب سے پوری طرح کہیں منزہ ومبرا نہیں ہے کہیں نہ کوئی مقامِ تضاد ضرور آئے گا۔ جب کہ قرآن مجید میں کہیں ایسی ذہنی اُلجھنیں منعکس نہیں ہوتیں۔ کہیں کوئی ابہام نہیں ملتا۔

قرآن مجید ایک ایسا کلام ہے جس نے نازل ہوتے ہی اپنے اسلوب سے پوری دنیا کو چیلنج کر دیا اور پھر تاریخ نے دیکھا کہ کسی نے طبع آزمائی کی جرأت نہیں کی۔ قرآن کریم کا روایتی تصنیفی اسلوب نہیں ہے، اس میں مختلف نوع کے مضامین بکھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، کہیں اخلاقی ہدایات دی جارہی ہیں تو کہیں اعتقادی مسائل زیر بحث ہیں، کہیں تاریخی قصے ہیں تو کہیں کائنات کی گتھیاں سلجھائی جارہی ہیں اور یہ تمام باتیں مختلف اسالیب میں بیان کی گئی ہیں تاکہ ان کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ قرآن مجید کی اسلوب کی انفرادیت کا ذکر کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں جب اعلیٰ درجے کے ادیب اور انشاء پرداز اپنے معاصرین پر اپنی فضیلت قائم کرنا چاہتے ہیں تو ایک نیا اسلوب ایجاد کرتے ہیں اور پھر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس انداز کی غزل یا اس انداز کی عبارت اور کوئی لکھ نہیں سکتا۔ چنانچہ لوگ اس کی انفرادیت کو محسوس کرتے ہیں اور اس کے سامنے جھک جاتے ہیں، اس کے برخلاف اگر وہ طرز قدیم میں اپنی فوقیت کا اظہار کرتے ہیں تو وہ ایک محققین کے علاوہ نہ تو کوئی اسے سمجھ سکتا اور نہ کوئی اس کا اعتراف کرتا، یہی نکتہ قرآن مجید کے پیش نظر بھی تھا۔ لہٰذا اس میں نئی راہ نکالی گئی اور اس طرح ہر شخص کو اس کی برتری کے سامنے خم ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت عرب قصائد، خطبات، مکتوبات اور محاورات کے میدان میں ماہر تھے۔ ان چاروں اسالیب کے علاوہ اور اسلوب سے وہ واقف ہی نہ تھے اور نہ ہی کوئی نیا اسلوب پیدا کر سکتے تھے۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے ایک امی پیغمبر کے ذریعے قرآن مجید کا ایک نیا اسلوب متعارف کروایا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ (الانعام: ٦٥)

”دیکھو ہم کس طرح اسلوب بدل بدل کر بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ سمجھ جائیں۔“

حقیقت یہ ہے کہ قرآن انشا پردازی اور علم و ہدیت کا ایسا سمندر ہے جس میں جو بھی غوطہ زن ہوتا ہے اس کا ہی دامن مالا مال ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اس کتاب میں رہتی دنیا تک کے انسانوں کو ہدایت کی راہ کی دعوت آسان ترین اور دلچسپ پیرا میں پیش کی ہے۔ آپ قرآن میں کسی بھی آیت کو بغور دیکھیں قرآن کا اپنے مخاطبین کو اپنی بات سمجھانے کا انداز دل موہ لینے اور دل کے نہاں خانوں میں اتر جانے والا محسوس ہوگا۔ اللہ تعالیٰ گزری ہوئی قوموں کے حالات و واقعات ان کے عروج و زوال کی مثالیں دے کر صراطِ مستقیم واضح کرتے ہیں۔ بلاشبہ تمثیل ادب کی ایک دلنواز قسم ہے۔ جس سے کوئی بھی مشکل سے مشکل بات

ہی آسانی سے عام فہم انداز میں پیش کی جاسکتی ہے اور قرآن میں اس کے پیش نظر تمثیلات جا بجا بکھری پڑی ہیں۔

قرآن کریم کا یہی وہ سودمند اسلوب دعوت ہے جو ہر خطیب اپنے خطاب اور ہر ادیب اپنی تحریر میں اپناتا ہے کیونکہ اس سے جو بات عقل و منطقی استدلال سے بڑی دیر پا مشکل میں سمجھ آتی ہے وہ تمثیل کے ذریعے جلد اور آسانی سے سمجھ آجاتی ہے یہ قرآن کا دلچسپ اسلوب بھی ہے اور اس کا اعجاز بھی۔

قرآن کریم میں جہاں جہاں امثال کا ذکر ہے اسے محترم قاری محمد دلاور سلفی خطیب جامع مسجد مکرم گوجرانوالہ نے بڑی جانفشانی سے امثال القرآن کے نام سے جمع کیا ہے۔ ہماری دوست محترم الشیخ عظیم حاصل پور حفظہ اللہ نے ان امثال کی تفہیم اور اس کے پیش نظر احادیث کی تخریج کر کے اس سے کتاب کی افادیت اور بڑھا دی ہے۔ ادارہ ''صبح روشن'' اس علمی خزانے کو آپ تک پہنچانے کی سعادت حاصل کر رہا ہے، ہم اس کتاب کو آپ تک پہنچانے میں معاونت کرنے والے احباب کے مشکور ہیں جنہوں نے اپنے تئیں ہر ممکن کوشش سے اس کتاب کو زینت بخشی۔ اپنے مربی الشیخ ابوضیاء محمود احمد غضنفر حفظہ اللہ کے بھی احسان مند ہیں جنہوں نے بیماری اور نقاہت کے باوجود محبت وشفقت سے نظر ثانی فرمائی۔ یہاں محترم ضیاء الرحمٰن بھائی، راشد امین صاحب اور حافظ محمد آصف صاحب کا شکریہ ادا نہ کرنا ناسپاسی ہوگی جن کا تعاون ہر قدم پر ہمارے ساتھ رہا۔ اللہ رب العزت ان تمام افراد کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

کتاب میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی غلطی یا کوتاہی سرزد نہ ہو انسانی تقاضے کے تحت اگر کوئی کمی کہیں بھی نظر آئے تو آگاہی سے اس کار خیر میں معاونت کیجئے گا۔

والسلام

**عبدالوارث ساجد**

دارالمجید

شیخوپورہ

7 نومبر 2009ء

# لوگوں کی طرح تم بھی ایمان لاؤ

﴿ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ [سورۃ البقرۃ: ۱۳]

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اور لوگوں (یعنی صحابہ) کی طرح تم بھی ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ ہم ایسا ایمان لائیں جیسا بے وقوف لائے ہیں، خبردار ہو جاؤ یقیناً یہی بیوقوف ہیں، لیکن جانتے نہیں۔''

**تفہیم**

① ان منافقین نے ان صحابہ کو بے وقوف کہا جنھوں نے اللہ کی راہ میں جان و مال کی کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور آج کے منافقین یہ باور کراتے ہیں کہ نعوذ باللہ صحابہ کرام دولتِ ایمان سے محروم تھے اللہ تعالیٰ نے جدید و قدیم دونوں منافقین کی تردید فرمائی۔ فرمایا کسی اعلیٰ تر مقصد کے لیے دنیوی مفادات کو قربان کر دینا بے وقوفی نہیں، عین عقلمندی اور سعادت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی سعادت مندی کا ثبوت مہیا کیا۔ اس لیے وہ پکے مومن ہی نہیں بلکہ ایمان کے لیے ایک معیار اور کسوٹی ہیں، اب ایمان انہی کا معتبر ہوگا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ایمان لائیں گے ﴿ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۝ ﴾ [سورۃ البقرۃ: ۱۳۷]

② ظاہر بات ہے کہ (فوری فائدے) کے لیے (دیر سے ملنے والے فائدے) کو نظر انداز کر دینا اور آخرت کی پائیدار اور دائمی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی فانی زندگی کو ترجیح دینا اور اللہ کی بجائے لوگوں سے ڈرنا پرلے درجے کی سفاہت ہے جس کا ارتکاب ان منافقین نے کیا۔ یوں ایک مسلمہ حقیقت سے بے علم رہے۔



# منافق کی مثال

﴿ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ○ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ○ ﴾

''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی' پس آس پاس کی چیزیں روشنی میں آئی ہی تھیں کہ اللہ ان کے نور کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا' جو نہیں دیکھتے۔ بہرے' گونگے' اندھے ہیں۔ پس وہ نہیں جانتے''۔

**تفہیم**

① اس آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ جو منافق گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور اندھے پن کو بینائی کے بدلے مول لیتے ہیں ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے اندھیرے میں آگ جلائی اس کے دائیں بائیں کی چیزیں اسے نظر آنے لگیں' اس کی پریشانی دور ہوگئی اور فائدے کی امید بندھی کہ دفعۃً آگ بجھ گئی اور سخت اندھیرا چھا گیا نہ تو نگاہ کام کر سکے' نہ راستہ معلوم ہو سکے اور باوجود اس کے وہ شخص خود بہرا ہو۔ کسی کی بات کو نہ سن سکتا ہو۔ گونگا ہو کسی سے دریافت نہ کر سکتا ہو' اندھا ہو جو روشنی سے کام نہ چلا سکتا ہو۔ اب بھلا یہ راہ کیسے پا سکے گا؟ ٹھیک اسی طرح یہ منافق بھی ہیں کہ ہدایت چھوڑ کر راہ گم کر بیٹھے اور بھلائی چھوڑ کر برائی کو چاہنے لگے۔ اس مثال سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں نے ایمان قبول کر کے کفر کیا تھا۔ جیسے قرآن کریم میں کئی جگہ یہ صراحت موجود ہے۔ [1]

② حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو کچھ لوگ مسلمان ہو گئے' لیکن پھر جلدی منافق ہو گئے۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیرے میں تھا اس نے روشنی جلائی جس

[1] تفسیر ابن کثیر (١٠٨/١)

سے اس کا ماحول روشن ہو گیا اور مفید اور نقصان دہ چیزیں اس پر واضح ہو گئیں، دفعتاً وہ روشنی بجھ گئی، اور حسب سابق تاریکیوں میں گر گئے۔ یہ حال منافقین کا تھا، پہلے وہ شرک کی تاریکی میں تھے، مسلمان ہوئے تو روشنی میں آ گئے۔ حلال و حرام کو پہچان گئے، پھر وہ دوبارہ کفر و نفاق کی طرف لوٹ گئے تو ساری روشنی جاتی رہی۔ ①

③ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں منافقوں کی یہی حالت ہے کہ ایمان لاتے ہیں اور اس کی پاکیزہ روشنی سے ان کے دل جگمگا اٹھتے ہیں جیسے آگ کے جلانے سے آس پاس کی چیزیں روشن ہو جاتی ہیں لیکن پھر کفر اس روشنی کو کھو دیتا ہے جس طرح آگ کا بجھ جانا پھر اندھیرا کر دیتا ہے۔

④ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں موت کے وقت منافقین کی بداعمالیاں اندھیروں کی طرح ان پر چھا جاتی ہیں اور کسی بھلائی کی روشنی ان کے لیے باقی نہیں رہتی جس سے ان کی توحید کی تصدیق ہو۔ وہ بہرے ہیں، حق کے سننے اور راہ راست کو دیکھنے اور سمجھنے سے اندھے ہیں۔ ہدایت کی طرف لوٹ نہیں سکتے۔ نہ انہیں توبہ نصیب ہوتی ہے نہ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔ ②



## منافق کی بارش کی سی مثال

﴿ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَ اللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۝ ﴾ [سورة البقرة: ١٩-٢٠]

''یا آسمانی برسات کی طرح جس میں اندھیرے اور گرج اور بجلی ہو، موت

① فتح القدیر (١/٤٥-٤٦)

② تفسیر ابن کثیر (١/١١٠)

سے ڈر کر کڑاکے کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جائے' جب ان کے لیے روشنی کرتی ہے تو اس میں چلتے پھرتے ہیں' اور جب ان پر اندھیرا کرتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے کان اور آنکھوں کو بیکار کر دے' یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

## تفہیم

① یہ دوسری مثال ہے جو دوسری قسم کے منافقوں کے لیے بیان کی گئی ہے۔ یہ وہ قوم ہے جن پر کبھی حق ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی پھر شک میں پڑ جاتے ہیں تو شک کے وقت ان کی مثال برسات کی سی ہے۔ ''صَيِّبٌ'' کے معنی مینہ اور بارش کے ہیں۔ بعض نے بادل کے معنی بھی بیان کیے ہیں لیکن زیادہ مشہور معنی بارش کے ہی ہیں جو اندھیرے میں برسے۔ ظلمات سے مراد شک' کفر و نفاق ہے اور رعد سے مراد یعنی گرج ہے جو اپنی خوفناک آواز سے دل دہلا دیتی ہے۔ یہی حال منافق کا ہے کہ اسے ہر وقت ڈر خوف گھبراہٹ اور پریشانی ہی رہتی ہے۔ جیسا کہ سورۂ منافقون میں فرمایا: ﴿يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ﴾ [سورة المنافقون: ٤] یعنی ''ہر آواز کو اپنے اوپر ہی سمجھتے ہیں۔'' ایک اور جگہ سورۂ التوبۃ (۹/۵۶۔۵۷) میں ارشاد ہے کہ ''یہ منافقین اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں دراصل وہ ڈرپوک لوگ ہیں اگر وہ کوئی جائے پناہ یا راستہ پالیں تو یقیناً اس میں سمٹ کر گھس جائیں۔'' بجلی کی مثال سے مراد وہ نور ایمان ہے جو ان کے دلوں میں کسی وقت چمک اٹھتا ہے' اس وقت وہ اپنی انگلیاں موت کے ڈر سے کانوں میں ڈال لیتے ہیں لیکن ایسا کرنا انہیں کوئی نفع نہ دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی ارادے کے ماتحت ہیں' یہ بچ نہیں سکتے۔ جیسا کہ سورۂ بروج میں فرمایا: ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ○ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ○ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ○ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ○﴾ [سورة البروج: ١٧-٢٠] یعنی کیا تمہیں لشکروں کی۔ فرعون اور ثمود کی

روایتیں نہیں پہنچیں بے شک پہنچی تو ہیں لیکن یہ کافر پھر بھی تکذیب ہی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں ان کے پیچھے سے گھیر رہا ہے۔ بجلی کا آنکھوں کو اچک لینا' اس کی قوت اور سختی کا اظہار ہے اور منافقین کی بینائی کی کمزوری اور ضعف ایمان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ قرآن کی مضبوط آیتیں ان منافقوں کی قلعی کھول دیں گی اور ان کے چھپے ہوئے عیب ظاہر کر دیں گی اور اپنی نورانیت سے انہیں مبہوت کر دیں گی جب ان پر اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی جب ایمان ان پر ظاہر ہو جاتا ہے تو ذرا روشن دل ہو کر پیروی بھی کرنے لگتے ہیں لیکن پھر جہاں شک وشبہ آیا' دل میں کدورت اور ظلمت بھر گئی اور بھونچکے ہو کر کھڑے رہ گئے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اسلام کو ذرا عروج ملا تو ان کے دل میں قدرے اطمینان پیدا ہوا لیکن جہاں اس کے خلاف نظر آیا یہ الٹے پیروں کفر کی طرف لوٹنے لگے۔ [1]

جیسے سورۂ حج میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ﴾ [سورة الحج: ١١]

''بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کنارے پر ٹھہر کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اگر بھلائی ملے تو مطمئن ہو جائیں اور اگر برائی پہنچے تو اسی وقت پھر گئے۔''

② روز قیامت لوگوں کو ان کے ایمان کے اندازے کے مطابق نور ملے گا بعض کو کئی کئی میلوں تک کا' بعض کو اس سے بھی زیادہ' کسی کو اس سے کم' یہاں تک کہ کسی کو اتنا نور ملے گا کہ کبھی روشن ہو اور کبھی اندھیرا کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو ذرا سی دور چل سکیں گے پھر ٹھہر جائیں گے پھر ذرا سی دور کا نور ملے گا پھر بجھ جائے گا اور بعض وہ بے نصیب بھی ہوں گے کہ ان کا نور بالکل بجھ جائے گا یہ پورے منافق ہوں گے جن کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ

---

[1] تفسیر الطبری (۳۴۹/۱)

نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا○ ﴾ [سورة الحديد: ١٣]

''جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں کو پکاریں گے اور کہیں گے ذرا رکو! ہمیں بھی آ لینے دو تا کہ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں تو کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور ڈھونڈ لاؤ۔''

مومنوں کے بارے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ○ ﴾ [سورة الحديد: ١٢]

''اس دن تو دیکھے گا کہ مومن مرد اور عورتوں کے آگے آگے اور دائیں جانب نور ہو گا اور کہا جائے گا تمہیں آج باغات کی خوشخبری دی جاتی ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔''

نیز سورۂ تحریم میں فرمایا:

﴿ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ○ ﴾ [سورة التحريم: ٨]

''اس دن نہ رسوا کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے' ان کا نور ان کے آگے اور دائیں ہو گا۔ وہ کہہ رہے ہوں گے اے ہمارے رب! ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر اور ہمیں بخش یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

③ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایمان والوں کو ان کے اعمال کے مطابق نور ملے گا بعض کو کھجور کے درخت جتنا' کسی کو قد آدم جتنا' کسی کو صرف اتنا ہی کہ اس کا انگوٹھا ہی روشن ہو' کبھی بجھ جاتا ہو' کبھی روشن ہو جاتا ہو۔[1]

④ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ تمام اہل توحید کو قیامت کے دن نور ملے گا۔

[1] تفسیر الطبری (۱۷۹/۲۳)

جب منافقوں کا نور بجھ جائے گا تو موحد ڈر کر کہیں گے آیت ﴿ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا﴾ یارب ہمارے نور کو پورا کر۔[1]

⑤ پس ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ مومنوں کی دو جماعتیں ہیں مقرب اور ابرار۔ اور کافروں کی بھی دو قسمیں ہیں کفر کی طرف لانے والے اور ان کی تقلید کرنے والے۔ منافقوں کی بھی دو قسمیں ہیں خالص اور پکے منافق اور وہ منافق جن میں نفاق کی ایک آدھ شاخ ہے۔ صحیحین میں حدیث ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''تین خصلتیں ایسی ہیں جس میں یہ تینوں ہوں وہ پختہ منافق ہے اور جس میں ایک ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک اسے نہ چھوڑے۔ بات کرنے میں جھوٹ بولنا' وعدہ خلافی کرنا' امانت میں خیانت کرنا۔''[2]

اس سے ثابت ہوا کہ انسان میں کبھی نفاق کا کچھ حصہ ہوتا ہے خواہ وہ نفاق عملی ہو خواہ اعتقادی جیسے کہ آیت وحدیث سے معلوم ہوتا ہے۔



# قرآن کی مثل لا کر دکھاؤ

﴿ وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۝ ﴾

[سورة البقرة: ۲۳-۲٤]

''ہم نے بندے پر جو کچھ اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ' تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مدد

[1] المستدرك للحاكم (۲/٤۹۰)

[2] صحيح البخاری، الإيمان، باب علامة المنافق، (۳٤) (۲٤٥۹) وصحيح مسلم (٥٨) وسنن أبي داود (٤٦٨٨)

گاروں کو بھی بلالو پس اگر تم نے نہ کیا۔ تم ہرگز نہیں کر سکتے' (اسے سچا مان کر) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں' جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے''۔

## تفہیم

① توحید کے بعد اب رسالت کا اثبات فرمایا جا رہا ہے ہم نے بندے پر کتاب نازل فرمائی ہے' اس کے منزل من اللہ ہونے میں اگر تمہیں شک ہے تو اپنے تمام حمایتیوں کو ساتھ ملا کر اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر دکھا دو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو سمجھ لینا چاہیے کہ واقع یہ کلام کسی انسان کی کاوش نہیں ہے' کلام الٰہی ہی ہے اور ہم پر اور رسالت مآب ﷺ پر ایمان لا کر جہنم کی آگ سے بچنے کی سعی کرنی چاہیے جو کافروں کے لیے ہی تیار کی گئی ہے' حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم اپنے حاکموں اور اپنے زباں دان فصیح و بلیغ لوگوں سے بھی مدد لے لو۔[1]

② قرآن پاک کے اس معجزے کا اظہار اور ایسا انداز خطاب کئی جگہ ہے سورہ قصص میں ہے:

﴿ قُلْ فَأْتُوا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ ﴾ [القصص: ٤٩]

''اگر تم سچے ہو تو ان دونوں سے (یعنی توریت و قرآن سے) زیادہ ہدایت والی کوئی اور اللہ کی کتاب لاؤ تو میں بھی اس کی تابعداری کروں گا۔''

سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝ ﴾ [سورة بني اسرائيل: ٨٨]

''اگر تمام جنات اور انسان جمع ہو کر اور ہر ایک دوسرے کی مدد کے ساتھ یہ چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنائیں تو بھی ان کے امکان میں نہیں۔''

سورۂ ہود میں فرمایا:

---

① ابن ابی حاتم (۱/ ۸۵)

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ ﴾ [سورة هود: ١٣]

''کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ قرآن کو خود اس پیغمبر نے گھڑ لیا ہے تم کہو کہ اگر تم سچے ہو تو تم سب مل کر اور اللہ کے سوا جنہیں تم بلا سکتے ہو بلا کر اس جیسی دس سورتیں ہی بنا لاؤ۔''

سورۂ یونس میں ہے:

﴿ وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ ﴾ [سورة يونس: ٣٧-٣٨]

''یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی طرف سے گھڑا ہوا نہیں بلکہ یہ اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا اور کتاب تفصیل ہے جس کے اللہ کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں جو رب العالمین کی طرف سے ہے کیا یہ لوگ اسے خود ساختہ کہتے ہیں ان سے کہو کہ اللہ کے سوا ہر شخص کو بلا کر اس قرآن کی سینکڑوں سورتوں میں سے ایک چھوٹی سی سورت جیسی سورت تو بنا لاؤ تا کہ تمہارا سچ ظاہر ہو۔''

یہ تمام آیتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور اہل مکہ کو اس کے مقابلہ میں عاجز ثابت کر کے پھر مدینہ شریف میں بھی اس مضمون کو دہرایا گیا۔[1]

③ صحیح بخاری مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کو ایسے معجزے دیئے گئے کہ جنہیں دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے اور میرا معجزہ اللہ کی وحی یعنی قرآن پاک ہے اس لیے مجھے امید ہے کہ میرے تابعدار بہ نسبت اور نبیوں کے بہت زیادہ ہوں گے۔[2] (اس لیے کہ اور انبیاء کے معجزے ان

---

① تفسیر ابن کثیر (١٢٢/١)

② صحيح بخاری، فضائل القرآن، باب كيف نزل الوحی وأول ما نزل، (٤٩٨١) وصحيح مسلم، (١٥٢)

کے ساتھ چلے گئے لیکن حضور ﷺ کا یہ معجزہ قیامت تک باقی رہے گا۔ لوگ اسے دیکھتے جائیں گے اور اسلام میں داخل ہوتے جائیں گے)

④ پتھر سے مراد بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ گندھک کے پتھروں اور بعض حضرات کے نزدیک پتھر کے وہ اصنام (بت) بھی جہنم کا ایندھن ہوں گے جن کی لوگ دنیا میں پرستش کرتے رہے ہوں گے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے۔ ﴿ اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۝ ﴾ ''تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو' جہنم کا ایندھن ہوں گے۔''



## اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَ مَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

''اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا خواہ مچھر کی ہو' یا اس سے بھی ہلکی چیز' ایمان والے تو اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ کی کیا مراد ہے؟ اس کے ذریعے بیشتر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے' اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو ہی کرتا ہے۔''

### تفہیم

① جب اللہ تعالیٰ نے دلائل سے قرآن کا معجزہ ہونا ثابت کر دیا تو کفار نے ایک دوسرے طریقے سے معارضہ کر دیا اور وہ یہ کہ اگر یہ کلام الٰہی ہوتا تو اتنی عظیم ذات کے نازل کردہ کلام میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثالیں نہ ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بات کی توضیح اور جسے حکمت بالغہ کے پیش نظر تمثیلات کے

بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے اس میں حیا وحجاب بھی نہیں۔

﴿ فَمَا فَوْقَهَا ﴾ کے دو معنی بیان کیے ہیں ایک تو یہ کہ اس سے بھی ہلکی اور ردی چیز۔ جیسے کسی شخص کی بخیلی کا ایک شخص ذکر کرے تو دوسرا کہتا ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ گرا ہوا ہے۔ کسائی رحمہ اللہ اور ابوعبیدہ رحمہ اللہ یہی کہتے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔[1]

دوسرے یہ معنی ہیں کہ اس سے زیادہ بڑی اس لیے کہ بھلا مچھر سے ہلکی اور چھوٹی چیز اور کیا ہوگی؟[2]

۲ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب قرآن پاک میں مکڑی اور مکھی کی مثال بیان ہوئی تو مشرک کہنے لگے بھلا ایسی حقیر چیزوں کے بیان کی قرآن جیسی اللہ کی کتاب میں کیا ضرورت تو جواباً یہ آیتیں اتریں۔[3]

۳ ربیع بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ خود ایک مستقل مثال ہے جو دنیا کے بارے میں بیان کی گئی۔ مچھر جب تک بھوکا ہوتا ہے زندہ رہتا ہے جہاں موٹا تازہ ہوا مرا۔ اسی طرح یہ لوگ ہیں کہ جب دنیاوی نعمتیں دل کھول کر حاصل کر لیتے ہیں وہیں اللہ کی پکڑ آجاتی ہے جیسے ایک اور جگہ فرمایا:

﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً ﴾ [سورة الأنعام: ٤٤]

''جب یہ ہماری نصیحت بھول جاتے ہیں تو ہم ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیتے ہیں یہاں تک کہ اترانے لگتے ہیں اب دفعۃً ہم انہیں پکڑ لیتے ہیں۔''[4]

---

[1] جامع الترمذی، الزهد، (٢٣٢٠) وسلسلة الأحاديث الصحيحة (٦٨٦)
[2] تفسیر ابن کثیر (١٢٨/١)
[3] تفسیر الطبری (٣٩٩/١)
[4] تفسیر الطبری (٣٩٨/١)

④ اللہ کی بیان کردہ مثالوں سے اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ اور اہل کفر کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ سب اللہ کے قانون قدرت ومشیت کے تحت ہی ہوتا ہے۔ جسے قرآن نے ﴿ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی ﴾ [النسآء: ١١٥] ''جس طرف کوئی پھرتا ہے' ہم اس طرف اس کو پھیر دیتے ہیں۔''

**فسق** اطاعت الٰہی سے خروج کو کہتے ہیں' جس کا ارتکاب عارضی اور وقتی طور پر ایک مومن سے بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن اس آیت سے فسق سے مراد اطاعت سے کلی خروج یعنی کفر ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے کہ اس میں مومن بننے کے مقابلے میں کافروں والی صفات کا تذکرہ ہے۔

⑤ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مثالیں خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی ایماندار ان پر ایمان لاتے ہیں اور انہیں حق جانتے ہیں اور ان سے ہدایت پاتے ہیں (اور فاسق کہتے ہیں کہ اللہ کا اس سے کیا مقصد ہے یعنی وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔)[1]

⑥ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اس سے گمراہ منافق ہوتے ہیں اور مومن راہ پاتے ہیں۔ گمراہ اپنی گمراہی میں بڑھ جاتے ہیں کیونکہ اس مثال کے درست اور صحیح ہونے کا علم ہونے کے باوجود اسے جھٹلاتے ہیں اور مومن اقرار کر کے ہدایت ایمان کو بڑھا لیتے ہیں۔ فاسقین سے مراد منافق ہیں۔ بعض نے کہا ہے کافر مراد ہیں جو پہچانتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔[2]



# پتھر دل لوگوں کی مثال

﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

① ابن أبي حاتم (١/٩٣)

② تفسير [illegible] (١/٤٠٨)

[سورة البقرة: ٧٤]

''پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر جیسے بلکہ اس بھی زیادہ سخت ہو گئے' بعض پتھروں سے نہریں بہہ نکلتی ہیں' اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے' اور بعض اللہ کے ڈر سے گر گر پڑتے ہیں' اور تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال سے غافل نہ جانو۔''

**تفہیم**

① اس آیت میں بنی اسرائیل کو زجر و توبیخ کی گئی ہے کہ اس قدر زبردست معجزے اور قدرت کی نشانیاں دیکھ کر پھر بھی بہت جلد تمہارے دل سخت پتھر بن گئے۔ اسی لیے ایمان والوں کو اس طرح کی سختی سے روکا گیا اور کہا گیا:

﴿ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝ ﴾ [سورة الحديد: ١٦]

''کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اللہ کے نازل کردہ حق سے کانپ اٹھیں؟ اور اگلے اہل کتاب کی طرح نہ ہو جائیں جن کے دل لمبا زمانہ گزرنے کے بعد سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس مقتول کے بھتیجے نے اپنے چچا کے دوبارہ زندہ ہونے اور بیان دینے کے بعد جب مر گیا تو کہا کہ اس نے جھوٹ کہا۔''[1]

اور پھر کچھ وقت گزر جانے کے بعد بنی اسرائیل کے دل پھر پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کیونکہ پتھروں سے تو نہریں نکلتی اور بہنے لگتی ہیں بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں ان سے چاہے وہ بہنے کے قابل نہ ہوں بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں لیکن ان کے دل کسی وعظ و نصیحت سے کسی پند و موعظت سے نرم ہی نہیں ہوتے۔[2]

① تفسير الطبري (٢/٢٣٤)
② تفسير ابن كثير (١/١٨٥)

② یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پتھروں میں ادراک اور سمجھ ہے' اور جگہ ہے:

﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا۝ ﴾

[سورة بنی اسرائیل: ٤٤]

''ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان کی تمام مخلوق اور ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ حلم و بردباری والا اور بخشش و عفو والا ہے۔''

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ ①

حجر اسود کے بارے میں ہے کہ جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہوگا یہ اس کے ایمان کی گواہی قیامت والے دن دے گا۔ ②

اور اس طرح کی بہت سی آیات اور حدیثیں ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں ادراک و حس ہے اور یہ تمام باتیں حقیقت پر محمول ہیں نہ کہ مجاز پر۔ (واللہ اعلم)



## منسوخ آیت کے بعد اللہ اس سے بہتر یا اس کی مثل لاتا ہے

﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝ ﴾ [سورة البقرة: ١٠٦]

''جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں' یا بھلا دیں اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں' کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

---

① صحیح مسلم، الفضائل، باب فضل نسب النبی ﷺ وتسلیم ....، (٢٢٧٧) ومسند الإمام أحمد (٥/٨٩)

② سنن ابن ماجة، المناسك، باب استلام الحجر، (٢٩٤٤) وتحفة الأشراف (٥٤٦٣٦) الحديث صحيح

## تفہیم

① حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نسخ کے معنی بدل کے ہیں مجاہد فرماتے ہیں مٹانے کے معنی ہیں جو (کبھی) لکھنے میں باقی رہتا ہے اور حکم بدل جاتا ہے ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں بھلا دینے کے معنی ہیں عطا فرماتے ہیں چھوڑ دینے کے معنی ہیں سدی کہتے ہیں اٹھا لینے کے معنی ہیں۔[1]

② حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: علماء اصول کی عبارتیں اس مسئلہ میں گو مختلف ہیں مگر معنی کے لحاظ سے سب قریب قریب ایک ہی ہیں۔ نسخ کے معنی کسی حکم شرعی کا پچھلی دلیل کی رو سے ہٹ جانا ہے کبھی ہلکی چیز کے بدلے بھاری اور کبھی بھاری کے بدلے ہلکی اور کبھی کوئی بدل ہی نہیں ہوتا ہے نسخ کے احکام اس کی قسمیں اس کی شرطیں وغیرہ ہیں اس کے لیے اس فن کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔[2]

③ اس مقام پر بھی یہودیوں کا زبردست رد ہے اور ان کے کفر کا بیان ہے کہ وہ نسخ کے قائل نہ تھے بعض تو کہتے تھے اس میں عقلی محال لازم آتا ہے اور بعض نقلی محال بھی مانتے تھے اس آیت میں گو خطاب فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر دراصل یہ کلام یہودیوں کو سنانا ہے جو انجیل کو اور قرآن کو اس وجہ سے نہیں مانتے تھے کہ ان میں بعض احکام توراۃ کے منسوخ ہو گئے تھے اور اسی وجہ سے وہ ان نبیوں کی نبوت کے بھی منکر ہو گئے تھے اور صرف عناد و تکبر کی بنا تھی ورنہ عقلاً نسخ محال نہیں اس لیے کہ جس طرح وہ اپنے کاموں میں با اختیار رہے اسی طرح اپنے حکموں میں بھی با اختیار رہے جو چاہے اور جب چاہے پیدا کرے جسے چاہے اور جس طرح چاہے اور جس وقت چاہے رکھے۔ اسی طرح جو چاہے اور جس وقت چاہے حکم دے اس حاکموں کے حاکم کا حاکم کون؟ اسی طرح نقلاً بھی یہ ثابت شدہ امر ہے اگلی کتابوں اور پہلی شریعتوں میں موجود ہے حضرت آدم کی بیٹیاں بیٹے آپس میں بھائی بہن ہوتے تھے لیکن نکاح جائز تھا پھر اسے حرام کر دیا نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترتے ہیں تب تمام حیوانات کا کھانا حلال تھا

---

① ابن ابی حاتم (۱/۳۲۱-۳۲۲) وتفسیر الطبری (۲/٤٧٣)

② تفسیر ابن کثیر (۱/۲۲٦)

لیکن پھر بعض کی حلت منسوخ ہوگئی دو بہنوں کا نکاح اسرائیل اوران کی اولاد پر حلال تھا لیکن پھر توراۃ میں اوراس کے بعد حرام ہوگیا ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا پھر قربان کرنے سے پہلے ہی منسوخ کر دیا بنواسرائیل کو حکم دیا جاتا ہے کہ بچھڑا پوجنے میں جو شامل تھے سب اپنی جانوں کو قتل کر ڈالیں لیکن پھر بہت سے باقی تھے کہ یہ حکم منسوخ ہو جاتا ہے اسی طرح کے اور بہت سے واقعات موجود ہیں اور خود یہودیوں کو ان کا اقرار ہے لیکن پھر بھی قرآن اور نبی آخرالزمان ﷺ کو یہ کہہ کر نہیں مانتے کہ اس سے اللہ کے کلام میں نسخ لازم آتا ہے اور وہ محال ہے۔ [1]



## کثرت سوال حجت بازی کے مثل ہے

﴿ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ وَ مَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ۝ ﴾ [سورۃ البقرۃ: ۱۰۸]

''کیا تم اپنے رسول سے یہی پوچھنا چاہتے ہو جو اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا تھا (سنو) ایمان کو کفر سے بدلنے والا سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔''

**تفہیم**

① مسلمانوں (صحابہ رضی اللہ عنہم) کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم یہودیوں کی طرح اپنے پیغمبر ﷺ سے ازراہ سرکشی غیر ضروری سوالات مت کیا کرو۔ اس میں اندیشہ کفر ہے۔

② اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو روکتے ہوئے فرماتا ہے کہ کسی واقعہ کے ہونے سے پہلے میرے نبی سے فضول سوال نہ کیا کرو۔ یہ کثرت سوال کی عادت بہت بری ہے جیسے اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَ اِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا۝ ﴾ [سورۃ المائدۃ: ۱۰۱]

[1] تفسیر ابن کثیر (۱/ ۲۲۷)

''ایمان والو! ان چیزوں کا سوال نہ کیا کرو جو اگر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں برا لگے گا اور اگر تم قرآن کے نازل ہونے کے زمانہ میں ایسے سوالوں کا سلسلہ جاری رکھو گے تو یہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی۔''

کسی بات کے واقع ہونے سے پہلے اس کی نسبت سوال کرنے میں خوف یہ ہے کہ کہیں اس سوال کی وجہ سے وہ حرام نہ ہو جائیں صحیح حدیث میں ہے کہ مسلمانوں میں سے بڑا مجرم وہ ہے جو اس چیز کے بارے میں سوال کرے جو حرام نہ تھی پھر اس کے سوال سے حرام ہو گئی۔ ①

ایک مرتبہ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا۔ کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو پائے تو کیا کرے؟ اگر لوگوں کو خبر کرے تو یہ بھی بڑی بے شرمی کی بات ہے اور اگر چپ ہو جائے تو بڑی بے غیرتی کی بات ہے؟ حضور ﷺ کو یہ سوال بہت برا معلوم ہوا آخر اسی شخص کو ایسا واقعہ پیش آیا اور لعان کا حکم نازل ہوا۔ ②

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے۔

قِيْلَ وَقَالَ — بہت زیادہ باتیں کرنا

وَإِضَاعَةَ الْمَالِ — اور مال کو ضائع کرنا

وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ — اور کثرت سے سوال کرنا۔'' ③

صحیح مسلم میں ہے میں جب تک کچھ نہ کہوں، تم بھی نہ پوچھو تم سے پہلے لوگوں کو اسی بدخصلت نے ہلاک کر دیا کہ وہ بکثرت سوال کرتے تھے اور اپنے نبیوں کے سامنے اختلاف کرتے تھے۔ جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق بجالاؤ اور اگر

---

① صحیح بخاری، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما يكره من كثرة السؤال، (٧٢٨٩) وصحيح مسلم، (٢٣٥٨) ومسند الإمام أحمد (١٧٦/١)

② صحيح بخاری، الطلاق، باب من جوز الطلاق الثلاث....، (٥٢٥٩) ومسند الإمام أحمد (٣٣٦/٥)

① صحيح البخاری، الأداب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، (٥٩٧٥) وصحيح مسلم (٥٩٣)

منع کروں تو رک جایا کرو۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب لوگوں کو خبر دی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے تو کسی نے کہا حضور ﷺ ہر سال؟ آپ ﷺ خاموش ہو گئے اس نے پھر پوچھا آپ نے کوئی جواب نہ دیا اس نے تیسری دفعہ پھر یہی سوال کیا آپ نے فرمایا ہر سال نہیں لیکن اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم کبھی بھی اس حکم کو بجا نہ لا سکتے۔ ①

پھر آپ ﷺ نے مندرجہ بالا فرمان ارشاد فرمایا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہمیں آپ سے سوال کرنے سے روک دیا گیا تو حضور ﷺ سے پوچھتے ہوئے ہیبت کھاتے تھے، چاہتے تھے کہ کوئی بادیہ نشین ناواقف شخص آ جائے وہ پوچھے تو ہم بھی سن لیں۔ ②



# بے علم لوگ یہود کی مثل باتیں کرتے ہیں

﴿ وَ قَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴾

[سورة البقرة: ١١٣]

"یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہودی حق پر نہیں، حالانکہ یہ سب لوگ تورات پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ان ہی جیسی بات بے علم بھی کہتے ہیں قیامت کے دن اللہ ان کے اس اختلاف کا فیصلہ ان کے درمیان کر دے گا۔"

**تفہیم**

① یہودی تورات پڑھتے ہیں جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

① صحيح البخاری، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، (۷۲۸۸) وصحیح مسلم (۱۳۳۷)

② صحيح مسلم، الايمان، باب السؤال عن أركان الإسلام، (۱۲) ومسند الإمام أحمد (۱٤۳/۳)

کی تصدیق موجود ہے' لیکن اس کے باوجود یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکفیر کرتے تھے۔ عیسائیوں کے پاس انجیل موجود ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے مِنْ عِنْدِ اللّٰہ ہونے کی تصدیق ہے اس کے باوجود یہ یہودیوں کی تکفیر کرتے ہیں' یہ گویا اہل کتاب کے دونوں فرقوں کے کفر وعناد اور اپنے بارے میں خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے کو ظاہر کیا جارہا ہے۔

② اہل کتاب کے مقابلے میں عرب کے مشرکین ان پڑھ تھے' اس لیے انہیں بے علم کہا گیا' لیکن وہ بھی مشرک ہونے کے باوجود یہود اور نصاریٰ کی طرح' اس باطل میں مبتلا تھے کہ وہ یہ حق پر ہیں۔ اسی لیے وہ نبی ﷺ کو صابی یعنی بے دین کہا کرتے تھے۔



## اہل کتاب کی مثل جاہل لوگوں کی گفتگو

﴿ وَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا یُکَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَاۤ اٰیَةٌ ؕ کَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۝﴾ [سورة البقرة: ١١٨]

''اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا کہ خود اللہ تعالیٰ ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا' یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی' اسی طرح ایسی ہی بات ان کے اگلوں نے بھی کہی تھی' اِن کے اور اُن کے دل یکساں ہو گئے۔ ہم نے تو یقین والوں کے لیے نشانیاں بیان کر دیں۔''

**تفہیم**

① رافع بن حریملہ نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ خود ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ ہم بھی تو خود اس سے اس کا کلام سنیں' اس پر یہ آیت اتری۔

② بعض اور مفسر کہتے ہیں یہ قول کفار عرب کا تھا اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا تھا ان سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں' نیز قرآن کریم میں ہے:

﴿ وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ﴾ [سورة الأنعام: ١٢٤]

''ان کے پاس جب کبھی کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو نہیں مانیں گے جب تک ہم کو بھی وہ نہ دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿ وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴾ [سورة بنی اسرائیل: ٩٠]

''انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لیے ان زمینوں میں چشمے جاری نہیں کر دیں۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ﴾ [سورة الفرقان: ٢١]

''ہماری ملاقات کے منکر کہتے ہیں ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے کیوں نہیں آتا۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴾[سورة المدثر: ٥٢]

''ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ خود کوئی کتاب دیا جائے۔'' وغیرہ۔ [1]



# صحابہ کی مثل ایمان لاؤ

﴿ وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ [سورة البقرة: ١٢٧]

''اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں' اور اگر منہ موڑیں تو وہ صریح

[1] تفسیر ابن کثیر (٢٤٢/١)

اختلاف میں ہیں' اللہ تعالیٰ ان سے عنقریب آپ کی کفایت کرے گا اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔"

**تفہیم**

① یعنی اے ایمان دار صحابیو! اگر یہ کفار بھی تم جیسا ایمان لائیں یعنی تمام کتابوں اور رسولوں کو مان لیں تو حق و رشد ہدایت و نجات پائیں گے اور اگر باوجود قیام حجت کے باز رہیں تو یقیناً حق کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ تجھے ان پر غالب کر کے تمہارے لیے کافی ہوگا' وہ سننے جاننے والا ہے۔

② نافع بن نعیم کہتے ہیں کہ کسی خلیفہ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قرآن بھیجا گیا زیاد نے یہ سن کر کہا کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے شہید کیا اس وقت یہ کلام اللہ ان کی گود میں تھا اور آپ کا خون ٹھیک ان الفاظ پڑھا تھا: ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ کیا یہ صحیح ہے؟ حضرت نافع نے کہا بالکل ٹھیک ہے میں نے خود اس آیت پر ذوالنورین (رضی اللہ عنہ) کا خون دیکھا تھا۔[1]



## وہ تو اپنے بیٹوں کی مثل پہچانتے ہیں

﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ [سورة البقرة: ١٤٦]

"جنہیں ہم نے کتاب دی وہ تو اسے ایسے پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے' ان کی ایک جماعت حق کو پہچان کر پھر چھپاتی ہے۔"

**تفہیم**

① "علماء اہل کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی باتوں کی حقانیت کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح باپ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔" یہ ایک مثال تھی جو مکمل یقین کے وقت "عرب" دیا کرتے تھے۔

---

① تفسیر ابن کثیر (۲۷۳/۱)

۲ ایک حدیث میں ہے ایک شخص کے ساتھ چھوٹا بچہ تھا آپ نے اس سے پوچھا یہ تیرا لڑکا ہے؟ اس نے کہا حضور ﷺ آپ بھی گواہ رہیے آپ نے فرمایا نہ یہ تجھ پر پوشیدہ رہے نہ تو اس پر۔ ①

۳ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام سے جو یہودیوں کے زبردست علامہ تھے پوچھا کیا تو حضرت محمد ﷺ کو ایسا ہی جانتا ہے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتا ہے؟ جواب دیا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ اس لیے کہ آسمانوں کا امین فرشتہ زمین کے امین شخص پر نازل ہوا اور اس نے آپ کی صحیح تعریف بتا دی یعنی حضرت جبریل علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور پھر پروردگار عالم نے ان کی صفتیں بیان کیں جو سب کی سب آپ میں موجود ہیں پھر ہمیں آپ کے نبی برحق ہونے میں کیا شک رہا؟ ہم آپ کو بیک نگاہ کیوں نہ پہچان لیں؟ بلکہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں شک ہے اور آپ کی نبوت میں کچھ شک نہیں۔ ②

۴ غرض یہ ہے کہ جس طرح لوگوں کے ایک بڑے مجمع میں ایک شخص اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے اسی طرح حضور ﷺ کے اوصاف جو اہل کتاب کی آسمانی کتابوں میں ہیں وہ تمام صفات آپ ﷺ میں اس طرح نمایاں ہیں کہ بیک نگاہ ہر شخص آپ کو جان جاتا ہے۔ ③



# جس طرح ہم نے تم میں تمہیں سے رسول بھیجا

﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۝ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۝﴾ [سورة البقرة: ١٥١-١٥٢]

① مسند الإمام أحمد (٨١/٥، ٢٢٦/٢، ٧٠٦٧) وأبو داود (٤٢٠٨) (الحديث صحيح)
② تفسير القرطبي (١٦٣/٢)
③ تفسير ابن كثير (٢٨٣/١)

''جس طرح ہم نے تم میں تمہیں سے رسول بھیجا اور ہماری آیات تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت اور وہ چیزیں سکھاتا ہے جس سے تم بے علم تھے' اس لیے تم میرا ذکر کرو میں بھی تمہیں یاد کرونگا' میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو۔''

**تفہیم**

① اس مقام پر اللہ تعالیٰ اپنی بہت بڑی نعمت کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے ہم میں ہماری جنس کا ایک نبی مبعوث فرمایا' جو اللہ تعالیٰ کی روشن اور نورانی کتب کی آیتیں ہمارے سامنے تلاوت فرماتا ہے اور رذیل عادتوں اور نفس کی شرارتوں اور جاہلیت کے کاموں سے ہمیں روکتا ہے اور ظلمت کفر سے نکال کر نور ایمان کی طرف رہبری کرتا ہے اور کتاب وحکمت یعنی قرآن وحدیث ہمیں سکھاتا ہے اور وہ راز ہم پر کھولتا ہے جو آج تک ہم پر نہیں کھلے تھے پس آپ کی وجہ سے وہ لوگ جن پر صدیوں سے جہل چھایا ہوا تھا جنہیں صدیوں سے تاریکی نے گھیر رکھا تھا جن پر مدتوں سے بھلائی کا پرتو بھی نہیں پڑا تھا دنیا کی زبردست علامہ ہستیوں کے استاد بن گئے' وہ علم میں گہرے تکلف میں تھوڑے' دلوں کے پاک اور زبان کے سچے بن گئے' دنیا کی حالت کا یہ انقلاب بجائے خود حضور ﷺ کی رسالت کی تصدیق کا ایک شاہد وعدل ہے نیز ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا﴾ ایسے اولوالعزم پیغمبر کی بعثت مومنوں پر اللہ کا ایک زبردست احسان ہے۔

② یہاں اللہ کی نعمت سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اسی لیے اس آیت میں بھی اپنی نعمت کا ذکر فرما کر لوگوں کو اپنی یاد اور اپنے شکر کا حکم دیا کہ جس طرح میں نے احسان تم پر کیا تم بھی میرے ذکر اور میرے شکر سے غفلت نہ کرو۔ ①

③ پس ان نعمتوں پر تم میرا ذکر کیو اور شکر کرو۔ کفران نعمت مت کرو۔ ذکر کا مطلب ہر وقت اللہ کو یاد کرنا ہے' یعنی اُس کی تسبیح اور تکبیر بلند کرو اور شکر کا مطلب اللہ کی دی ہوئی قوتوں اور توانائیوں کو اس کی اطاعت میں صرف کرنا ہے۔ خداداد قوتوں کو اللہ

① تفسیر ابن کثیر (۱/۲۸۶)

کی نافرمانی میں صرف کرنا' یہ اللہ کی ناشکرگزاری (کفران نعمت) ہے شکر کرنے پر مزید احسانات کی نوید اور ناشکری پر عذاب شدید کی وعید ہے۔

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيْدٌ ﴾

[سورة إبراهيم: ۷]



## اللہ کی مثل غیر اللہ سے محبت

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَ لَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴾ [سورة البقرة: ۱۶۵]

''بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں' جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں کاش کہ مشرک لوگ جانتے جب کہ اللہ کے عذاب کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (تو ہرگز شرک نہ کرتے)۔''

**تفہیم**

① اس آیت میں مشرکین کا دنیوی اور اخروی حال بیان ہو رہا ہے' یہ اللہ کا شریک مقرر کرتے ہیں اس جیسا اوروں کو ٹھہراتے ہیں اور پھر ان کی محبت اپنے دل میں ایسی ہی جماتے ہیں جیسی اللہ کی ہونی چاہیے حالانکہ وہ معبود برحق صرف ایک ہی ہے' وہ شریک اور حصہ داری سے پاک ہے بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے پوچھا یارسول اللہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا حالانکہ پیدا اسی اکیلے نے کیا ہے۔ پھر فرمایا ایماندار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں ان کے دل عظمت الٰہی اور توحید ربانی سے معمور ہوتے ہیں' وہ اللہ کے سوا دوسرے سے ایسی محبت نہیں کرتے کسی اور

سے طرف التجا کرتے ہیں نہ دوسروں کی طرف جھکتے ہیں نہ اس کی پاک ذات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

② قرآن میں ہے کہ یہ لوگ جن جن کی عبادت کرتے تھے وہ سب کے سب قیامت کے دن آیت ﴿سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾ ان کی عبادت سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن بن جائیں گے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا فرمان ہے آیت ﴿اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ﴾ تم نے اللہ کے سوا بتوں کی محبت دل میں بٹھا کر ان کی پوجا شروع کر دی ہے قیامت کے دن وہ تمہاری عبادت کا انکار کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور تمہارا مددگار کوئی نہ ہوگا۔ اسی طرح ایک اور جگہ ہے: ﴿وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ یعنی یہ ظالم رب کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے اور اپنے پیشواؤں سے کہہ رہے ہوں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار بن جاتے۔ وہ جواب دیں گے کیا ہم نے تمہیں اللہ پرستی سے روکا؟ حقیقت یہ ہے کہ تم خود مجرم تھے، وہ کہیں گے تمہاری دن رات کی مکاریوں، تمہارے کفرانہ احکام، تمہاری شرک کی تعلیم نے ہمیں پھانس لیا، اب سب دل سے نادم ہوں گے اور ان کی گردنوں میں ان کے برے اعمال کے طوق ہوں گے۔ نیز ایک جگہ ہے کہ اس دن شیطان بھی کہے گا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ﴾ اللہ کا وعدہ تو سچا تھا اور میں تمہیں جو سبز باغ دکھایا کرتا تھا وہ محض دھوکہ تھا لیکن تم پر میرا کوئی زور تو نہیں تھا میں نے تمہیں صرف کہا اور تم نے منظور کر لیا اب مجھے ملامت کرنے سے کیا فائدہ؟ اب اپنی جانوں کو لعنت ملامت کرو۔ نہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں نہ تم میری، میرا تمہارے اگلے شرک سے کوئی واسطہ نہیں جان لو کہ ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ عذاب دیکھ لیں گے اور اور تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے نہ کوئی بھاگنے کی جگہ رہے گی نہ چھٹکارے کی کوئی صورت نظر آئے گی دوستیاں کٹ جائیں گی رشتے ٹوٹ جائیں گے۔[1]

① تفسیر ابن کثیر (۲۹۷/۱)

# ہم بھی تمہاری مثل بیزار ہو جائیں گے

﴿ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ○ ﴾

[سورة البقرة: ١٦٧]

''اور تابعدار لوگ کہنے لگیں گے' کاش ہم دنیا کی طرف دوبارہ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہیں' اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال دکھائے گا ان کو حسرت دلانے کو' یہ ہرگز جہنم سے نہیں نکلیں گے۔''



# پہلوں کی مثل تم پر بھی روزے فرض ہیں

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ ﴾ [سورة البقرة: ١٨٣]

''اے ایمان والو تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے' تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔''

**تفہیم**

① اللہ تعالیٰ اس امت کے ایمان داروں کو مخاطب کر کے انہیں حکم دے رہا ہے کہ روزے رکھو' روزے کے معنی اللہ تعالیٰ کے فرمان کی بجاآوری کی خالص نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے رک جانے کے ہیں اس سے فائدہ یہ ہے کہ نفس انسان پاک صاف اور طیب و طاہر ہو جاتا ہے ردی اخلاط اور بے ہودہ اخلاق سے انسان کا تنقیہ ہو جاتا ہے' اس حکم کے ساتھ ہی فرمایا گیا ہے کہ اس حکم کے ساتھ تم تنہا نہیں بلکہ تم سے اگلوں کو بھی روزے رکھنے کا حکم تھا' اس بیان سے یہ بھی مقصد ہے کہ

یہ امت اس فریضہ کی بجا آوری میں اگلی امتوں سے پیچھے نہ رہ جائے۔

② روزوں کی تبدیلیاں جو امت محمدیہ کے لیے خاص کی گئیں۔

**اول:** جب نبی ﷺ مدینہ میں آئے تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھتے تھے اور عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ﴾ نازل فرما کر رمضان کے روزے فرض کیے۔

**دوم:** ابتدائی یہ حکم تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے اور فدیہ دے دے پھر یہ آیت ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ تم میں سے جو شخص رمضان کے مہینے میں قیام کی حالت میں ہو وہ روزہ رکھا کرے پس جو شخص مقیم ہو مسافر نہ ہو تندرست ہو بیمار نہ ہو اس پر روزہ رکھنا ضروری ہو گیا ہاں بیمار اور مسافر کے لیے رخصت ملی اور ایسا انتہائی بوڑھا جو روزے کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو اسے بھی رخصت دی گئی۔

**سوم:** حالت یہ ہے کہ ابتداء میں کھانا پینا عورتوں کے پاس آنا سونے سے پہلے پہلے جائز تھا سو گیا تو پھر گو رات کو ہی جاگے لیکن کھانا پینا اور جماع اس کے لیے منع تھا پھر صرمہ نامی ایک انصاری صحابی دن بھر کام کاج کر کے رات کو تھکے ہارے گھر آئے عشاء کی نماز ادا کی اور نیند آ گئی دوسرے دن کچھ کھائے پیئے بغیر روزہ رکھا لیکن حالت بہت نازک ہوگئی حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیا بات؟ تو انہوں نے سارا واقعہ کہہ دیا' ادھر یہ واقعہ تو ان کے ساتھ ہوا ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سو جانے کے بعد اپنی بیوی صاحبہ سے مجامعت کر لی اور حضور کے پاس آ کر حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے اس قصور کا اقرار کیا جس پر آیت ﴿ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ﴾ سے ﴿ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ﴾ تک نازل ہوئی اور مغرب کے بعد سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور مجامعت کرنے کی رخصت دے دی گئی' بخاری مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سے مروی ہے کہ پہلے عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو اب ضروری نہ رہا جو چاہتا رکھ لیتا جو نہ چاہتا نہ رکھتا۔ ①



# سیاہ اور سفید دھاگے کی مثال

﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ ﴾

[سورة البقرة: ١٨٧]

"روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال کیا گیا وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو تمہاری پوشیدہ خیانتوں کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اس نے تمہاری توبہ قبول فرما کر تم سے درگزر فرمالیا اب تمہیں ان سے مباشرت کی اور اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی چیز کی تلاش کرنے کی اجازت ہے۔ تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے پھر رات تک روزے کو پورا کرو اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں تم ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ بچیں۔"

**تفہیم**

① ابتداءِ اسلام میں ایک حکم یہ تھا کہ روزہ افطار کرنے کے بعد عشاء کی نماز یا سونے

① تفسیر ابن کثیر (۳۱۸/۱)

تک کھانے پینے اور بیوی سے مباشرت کرنے کی اجازت تھی، سونے کے بعد ان میں سے کوئی کام نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ظاہر بات ہے یہ پابندی سخت تھی اور اس پر عمل مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ دونوں پابندیاں اُٹھا لیں اور افطار سے لے کر صبح صادق تک کھانے پینے اور بیوی سے مباشرت کرنے کی اجازت فرما دی۔

② سفید دھاگے سے مراد دن کی سفیدی (یعنی صبح صادق) ہے اور سیاہ دھاگے سے مراد رات کی تاریکی (صبح کاذب) ہے۔ [1]

③ اعتکاف کی حالت میں بیوی سے مباشرت اور بوس و کنار کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ ملاقات اور بات چیت جائز ہے۔ اعتکاف کے لیے مسجد ضروری ہے چاہے مرد ہو چاہے عورت۔ نبی ﷺ کی بیویوں نے بھی مسجد میں اعتکاف کیا اس لیے عورتوں کا اپنے گھر میں اعتکاف بیٹھنا صحیح نہیں۔ البتہ مسجد میں ان کے لیے ہر چیز کا مردوں سے الگ انتظام کرنا ضروری ہے۔



# بدلہ میں زیادتی مثل زیادتی

﴿ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۝ ﴾ [سورة البقرة: ١٩٤]

’’حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں برابر کی ہیں، جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔‘‘

**تفہیم**

٦ ہجری میں رسول اللہ ﷺ چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر عمرہ کے لیے گئے تھے،

[1] صحيح البخاري، الصوم، (١٩١٦) وصحيح مسلم، (١٠٩٠)

لیکن کفار مکہ نے انہیں مکہ میں نہیں جانے دیا اور یہ طے پایا کہ آئندہ سال مسلمان تین دن کے لیے عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ آسکیں گے۔ یہ مہینہ تھا جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ جب دوسرے سال حسب معاہدہ اسی مہینے میں عمرہ کرنے کے لیے جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس دفعہ بھی اگر کفار مکہ اس مہینے کی حرمت پامال کرکے (گزشتہ سال کی طرح) تمہیں مکہ جانے سے روکیں تو تم بھی اس کی حرمت کو نظر انداز کر کے ان سے بھرپور مقابلہ کرو۔ حرمتوں کو ملحوظ رکھنے میں بدلہ ہے، یعنی وہ حرمت کا خیال رکھیں تو تم بھی رکھو، بصورت دیگر تم بھی حرمت کو نظر انداز کر کے کفار کو عبرت ناک سبق سکھاؤ۔ (1)



## اپنوں کے ذکر کی مثل اللہ کو یاد کرو

﴿ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ ﴾ [سورة البقرة: ٢٠٠]

’’پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کیا کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی زیادہ بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے۔ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔‘‘

### تفهیم

عرب کے لوگ فراغت کے بعد منیٰ میں میلا لگاتے اور اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں کا ذکر کرتے، مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے جب تم ۱۰ ذوالحجہ کو کنکریاں مارنے قربانی کرنے، سر منڈانے، طواف کعبہ اور سعی صفا مروہ سے فارغ ہو جاؤ تو اس کے بعد جو تین دن منیٰ میں قیام کرنا ہے وہاں خوب اللہ کا ذکر کرو، جاہلیت میں تم اپنے آباؤ اجداد کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

(1) تفسیر ابن کثیر (۱/۳۴۳)



# ابھی تم پر پہلے لوگوں کی مثل آزمائش نہیں آئی

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ۝ ﴾ [سورة البقرة: ٢١٤]

''کیا تم یہ گمان کیے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے' انہیں بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجوڑے گئے کہ رسول اور ان کے ساتھ کے ایمان والے کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔''

**تفہیم**

① ہجرت مدینہ کے بعد جب مسلمانوں کو یہودیوں' منافقوں اور مشرکین عرب سے مختلف قسم کی ایذائیں اور تکلیفیں پہنچیں تو بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ سے شکایت کی' جس پر مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

② ایک مرتبہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہماری امداد کی دعا نہیں کرتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا بس ابھی سے گھبرا اٹھے سنو تم سے اگلے موحدوں کو پکڑ کر ان کے سروں پر آرے رکھ دیئے جاتے تھے اور چیر کر ٹھیک دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لیکن تاہم وہ توحید وسنت سے نہ ہٹتے تھے' لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت پوست نوچے جاتے تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو نہیں چھوڑتے تھے' قسم اللہ کی اس میرے دین کو تو میرا رب اس قدر پورا کرے گا کہ بلاخوف وخطر صنعاء سے حضر موت تک سوار تنہا سفر کرنے لگے گا اسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہ ہوگا' البتہ دل میں یہ خیال ہونا اور بات ہے کہ کہیں میری بکریوں پر

① صحيح البخاري، الإكراه، (٦٩٤٣، ٣٦١٢) وسنن أبي داود (٢٦٤٩)

بھیڑیا نہ پڑے لیکن افسوس تم جلدی کرتے ہو۔ ①

③ ہرقل نے جب ابوسفیان سے ان کے کفر کی حالت میں پوچھا تھا کہ تمہاری کوئی لڑائی بھی اس دعویدار نبوت سے ہوئی ہے ابوسفیان نے کہا ہاں پوچھا پھر کیا رنگ رہا کہا کبھی ہم غالب رہے کبھی وہ غالب رہے تو ہرقل نے کہا انبیاء کی آزمائش اسی طرح ہوتی رہتی ہے لیکن انجام کار کھلا غلبہ انہیں کا ہوتا ہے۔ ①



## عورتوں کے حقوق مثل مرد ہیں

﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ [سورة البقرة: ۲۲۸]

''طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں انہیں حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو پیدا کیا ہو چھپائیں اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو' ان کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹا لینے کے پورے حقدار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو اور عورتوں کو بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ ہاں مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔''

**تفہیم**

① اس سے وہ مطلقہ عورت مراد ہے جو حاملہ بھی نہ ہو (کیونکہ حمل والی عورت کی مدت واضع حمل تک ہے) جسے دخول سے قبل طلاق مل گئی ہو' وہ بھی نہ ہو (کیونکہ اس کی کوئی عدت ہی نہیں) جس کو حیض آنا بند ہو گیا ہو کیونکہ ان کی عدت تین مہینے ہے گویا مزکورہ عورتوں کے علاوہ صرف مدخولہ عورت کی عدت بیان کی جارہی ہے۔ یعنی تین

---

① صحيح البخاري، بدء الوحي، (۷) وصحيح مسلم، (۱۷۷۳)

طہر یا تین حیض عدت گزار کے وہ دوسری شادی کرنے کی مجاز ہے۔ سلف نے قروء کے دونوں ہی معنی صحیح قرار دیئے ہیں اس لیے دونوں کی گنجائش ہے۔ ①

نیز راقم کے نزدیک حیض والا قول قوی ہے۔ (واللہ اعلم)

② اس سے حیض اور حمل دونوں ہی مراد ہیں۔ حیض نہ چھپائیں' مثلاً کہے کہ طلاق کے بعد مجھے ایک دو حیض آئے ہیں۔ مقصد پہلے خاوند کی طرف رجوع کرنا ہو (اگر وہ رجوع کرنا چاہتا ہو)۔ اسی طرح حمل نہ چھپائیں کیونکہ نطفہ وہ پہلے خاوند کا ہوگا اور منسوب دوسرے خاوند کی طرف ہو جائے گا اور یہ سخت کبیرہ گناہ ہے۔

③ رجوع کرنے سے خاوند کا مقصد اگر تنگ کرنا نہ ہو تو عدت کے اندر خاوند کو رجوع کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ عورت کے ولی کو اس میں رکاوٹ ڈالنے کی اجازت نہیں ہے۔

④ دونوں کے حقوق ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں' جن کے پورے کرنے کے دونوں شرعاً پابند ہیں' تاہم مرد کو عورت پر فضیلت یا درجہ حاصل ہے' مثلاً فطری قوتوں میں' جہاد کی اجازت ہے۔



## وارثوں پر بھی والدین کی مثل ذمہ داری ہے

﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾

''مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی

① تفسیر ابن کثیر (۱/۴۰۳)

مدت بالکل پوری کرنے کا ہو اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق دستور کے ہو ہر شخص اتنی ہی تکلیف دیا جاتا ہے جتنی اس کی طاقت ہو ماں کو اس بچے کی وجہ سے یا باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے وارث پر بھی اسی جیسی ذمہ داری ہے' پھر اگر دونوں (یعنی ماں باپ) اپنی رضامندی سے باہمی مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں جب کہ تم ان کو مطابق دستور کے جو دینا ہو وہ ان کے حوالے کر دو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔"

**تفہیم**

① اس آیت میں مسئلہ رضاعت کا بیان ہے۔ اس میں پہلی بات یہ ہے جو مدت رضاعت پوری کرنی چاہے تو وہ دو سال پورے دودھ پلائے ان الفاظ سے کم مدت دودھ پلانے کی بھی گنجائش نکلتی ہے دوسری بات یہ معلوم ہوئی مدت رضاعت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے' جیسا کہ ترمذی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مرفوعا روایت ہے۔

② طلاق ہو جانے کی صورت میں شیر خوار بچے اور اس کی ماں کی کفالت کا مسئلہ ہمارے معاشرے میں بڑا پیچیدہ بن جاتا ہے اور اس کی وجہ سے شریعت سے انحراف ہے۔ اگر حکم الٰہی کے مطابق خاوند اپنی طاقت کے مطابق عورت کی روٹی کپڑے کا ذمہ دار ہو جس طرح کہ اس آیت میں کہا جا رہا ہے تو نہایت آسانی سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

③ ماں کو تکلیف پہنچانا یہ ہے کہ مثلاً ماں بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہے' مگر ماتا کے جذبے کو نظر انداز کر کے بچہ زبردستی اس سے چھین لیا جائے' یا یہ کہ بغیر خرچ کے ذمہ داری اٹھائے' اسے دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے۔ باپ کو تکلیف پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ ماں دودھ پلانے سے انکار کر دے' یا اس کی حیثیت سے زیادہ کا اس سے مالی مطالبہ کرے۔

④ باپ کے فوت ہو جانے کی صورت میں یہی ذمہ داری وارثوں کی ہے کہ وہ بچے کی ماں کے حقوق صحیح طریقے سے ادا کریں' تا کہ نہ عورت کو تکلیف ہو نہ بچے کی پرورش

اور نگہداشت متاثر ہو۔

⑤ یہ ماں کے علاوہ کسی اور عورت سے دودھ پلوانے کی اجازت ہے بشرطیکہ اس کا معاوضہ دستور کے مطابق ادا کر دیا جائے۔



## حالت امن میں جیسا اللہ نے سکھایا ویسے اس کا ذکر کرو

﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَآ أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾ [سورة البقرة: ۲۳۹]

''اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل ہی سہی یا سواری سہی' ہاں جب امن ہو جائے تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح کہ اس نے تمہیں اس بات کی تعلیم دی جسے تم نہیں جانتے تھے۔''

**تفہیم**

یعنی دشمن سے خوف کے وقت جس طرح بھی ممکن ہے' پیادہ چلتے ہوئے' سواری پر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ لو۔ تاہم جب خوف کی حالت ختم ہو جائے تو اسی طرح نماز پڑھو جس طرح سکھلایا گیا۔



## اسی طرح احکام بیان کرنا اللہ تعالیٰ کا طریقہ

﴿ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ [سورة البقرة: ۲۴۲]

''اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر ظاہر فرما رہا ہے تاکہ تم سمجھو۔''

**تفہیم**

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں حلال و حرام اور فرائض و حدود اور امر و نہی کے بارے میں واضح اور مفصل بیان کرتا ہے تاکہ کسی قسم کا ابہام اور اجمال باقی نہ رہے کہ ضرورت کے وقت اٹک بیٹھو بلکہ اس قدر صاف بیان ہوتا ہے کہ ہر شخص سمجھ سکے۔



# اللہ مردوں کو کیسے اٹھائے گا ایک مثال

﴿ اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّ هِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ [سورة البقرة: ٢٥٩]

''یا اس شخص کی مانند کہ جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اندھی پڑی ہوئی تھی وہ کہنے لگا اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا سو سال کے لیے' پھر اسے اُٹھایا' پوچھا کتنی مدت تم پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ فرمایا بلکہ تو سو سال تک رہا پھر اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ' ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں' پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں' جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

**تفہیم**

یہ گزرنے والے یا تو حضرت عزیر تھے جیسا کہ مشہور ہے یا ارمیا بن خلقیا تھے اور یہ نام حضرت خضر کا ہے' یا خرقیل بن بوار تھے' یا بنی اسرائیل میں کا ایک شخص تھا' یہ بستی بیت المقدس تھی اور یہی قول مشہور ہے' بخت نصر نے جب اسے اجاڑا یہاں کے باشندوں کو تہ تیغ کیا' مکانات گرا دیئے اور اس آباد بستی کو بالکل ویران کر دیا' اس کے بعد یہ بزرگ یہاں سے گزرے' انہوں نے دیکھا کہ ساری بستی تہ و بالا ہو گئی ہے' نہ مکان ہے نہ مکین' تو وہاں ٹھہر کر سوچنے لگے کہ بھلا ایسا بڑا پررونق شہر جو اس طرح اُجڑا ہے یہ پھر کیسے آباد ہوگا؟ اللہ

تعالیٰ نے خود ان پر موت نازل فرمائی' تو اسی حالت میں رہے اور وہاں ستر سال کے بعد بیت المقدس پھر آباد ہو گیا' بھاگے ہوئے بنی اسرائیلی بھی پھر آ پہنچے اور شہر کھچا کھچ بھر گیا' وہی اگلی سی رونق اور چہل پہل ہو گئی' اب سو سال کامل کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا اور سب سے پہلے روح آنکھوں میں آئی تا کہ اپنا جی اُٹھنا خود دیکھ سکیں' جب سارے بدن میں روح پھونک دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعے پچھوایا کہ کتنی مدت تک تم مردہ رہے؟ جس کے جواب میں کہا کہ ابھی تک ایک دن بھی پورا نہ ہوا' وجہ یہ ہوئی کہ صبح کے وقت ان کی روح نکلی تھی اور سو سال کے بعد جب جئے ہیں تو شام کا وقت تھا' خیال کیا کہ یہ وہی دن ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ایک سو سال کامل تک مردہ رہے' اب ہماری قدرت دیکھو کہ تمہارا توشہ بھتا جو تمہارے ساتھ تھا' باوجود سو سال گزر جانے کے بھی ویسا ہی ہے' نہ سڑا نہ خراب ہوا ہے۔ یہ توشہ انگور اور انجیر اور عصیر تھا نہ تو یہ شیرہ بگڑا تھا نہ انجیر کھٹے ہوئے تھے نہ انگور خراب ہوئے تھے بلکہ ٹھیک اپنی اصلی حالت پر تھے' اب فرمایا یہ تیرا گدھا جس کی بوسیدہ ہڈیاں تیرے سامنے پڑی ہیں' انہیں دیکھ تیرے دیکھتے ہوئے ہم اسے زندہ کرتے ہیں' ہم خود تیری ذات کو لوگوں کے لیے دلیل بنانے والے ہیں کہ انہیں قیامت کے دن اپنے دوبارہ جی اٹھنے پر یقین کامل ہو جائے' چنانچہ ان کے دیکھتے ہوئے ہڈیاں اٹھیں اور ایک ایک کے ساتھ جڑیں۔ [1]



## اللہ مردوں کو کیسے اٹھائے گا دوسری مثال

﴿ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۠ ﴾ [سورة البقرة: ٢٦٠]

''اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار مجھے دکھا تو مردوں کو کس

---

[1] تفسیر ابن کثیر (٤٥٩/٢)

طرح زندہ کرے گا جناب باری تعالیٰ نے فرمایا کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی فرمایا چار پرندوں کے ٹکڑے کر ڈالو پھر ہر پہاڑ پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں پکارو تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے۔''

**تفہیم**

یہ احیائے موتی کا دوسرا واقعہ ہے جو ایک نہایت جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواہش اور ان کے اطمینان قلب کے لیے دکھایا گیا۔ یہ چار پرندے کون کون سے تھے؟ مفسرین نے مختلف نام ذکر کیے ہیں لیکن ناموں کی تعین کا کوئی فائدہ نہیں' اس لیے اللہ نے بھی ان کے نام ذکر نہیں کیا بس یہ چار مختلف پرندے تھے بس ان کو مانوس کر لے اور پہچان لے تا کہ پکارنے پر وہ دوبارہ زندہ ہو کر آپ کے پاس آ جائیں اور پہچان سکے کہ یہ وہی پرندے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے احیائے موتی کے مسئلے میں شک نہیں کیا۔ اگر انہوں نے شک کا اظہار کیا ہوتا تو ہم یقیناً شک کرنے میں ان سے زیادہ حقدار ہوتے۔ مزید وضاحت کے لیے دیکھیے۔ [1]



## اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی مثال

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۝ ﴾ [سورة البقرة: ٢٦١]

''جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سے سو دانے ہوں' اور اللہ تعالیٰ اسے چاہے اور بڑھا دے اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم

[1] فتح القدیر (۱/۲۷۵)

والا ہے۔"

تفہیم

یہ انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت ہے۔ اس سے مراد اگر جہاد ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جہاد میں خرچ کی گئی رقم کا یہ ثواب ہوگا اور اگر اس سے مراد تمام مصارف خیر ہیں تو یہ فضیلت نفقات و صدقات نافلہ کی ہوگی اور دیگر نیکیاں ایک نیکی کا اجر دس گنا کی ذیل میں آئیں گی۔ ①

گویا نفقات و صدقات کا عام اجر و ثواب دیگر امور خیر سے زیادہ ہے۔



## ریاء کاری کے لیے خرچ کرنے والے کی مثال

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۝ ﴾ [سورة البقرة: ٢٦٤]

"اے ایمان والو اپنی نیکیوں کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرے اور نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے نہ قیامت پر، اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو پھر اس پر زوردار مینہ برسے اور وہ اس کو بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے ان ریاکاروں کو اپنی کمائی میں سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی اور اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو (سیدھی) راہ نہیں دکھاتا۔"

تفہیم

① اس میں ایک تو یہ کہا گیا ہے صدقہ اور خیرات کر کے احسان جتلانا اور تکلیف دہ باتیں کرنا اہل ایمان کا شیوا نہیں، بلکہ ان لوگوں کا وطیرہ ہے جو منافق ہیں اور ریاکاری کے

① فتح القدیر (۱/۲۷۷)

لیے خرچ کرتے ہیں۔

② حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔

① اَلْعَاقُ لِوَالِدَيْهِ — والدین کا نافرمان

② وَالْمُدْمِنُ عَلَى الْخَمْرِ — ہمیشہ شراب نوشی کرنے والا

③ وَالْمَنَّانُ بِمَا اَعْطٰى — اور کچھ دے کر احسان جتلانے والا۔''[1]

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین آدمی ایسے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نہ تو نفلی عبادت قبول فرماتے ہیں اور نہ ہی فرضی؛

① عَاقٌ — والدین کا نافرمان

② مَنَّانٌ — احسان جتلانے والا

③ وَمُكَذِّبٌ بِالْقَدْرِ — اور تقدیر کو جھٹلانے والا۔''[2]

③ دوسرے ایسے خرچ کی مثال صاف پتھر چٹان کی طرح ہے جس پر مٹی ہو، کوئی شخص پیداوار حاصل کرنے کے لیے اس میں بیج بودے لیکن بارش کا ایک جھٹکا پڑتے ہی وہ ساری مٹی اس سے اتر جائے اور وہ پتھر مٹی سے بالکل صاف ہو جائے۔ یعنی جس طرح بارش اس پتھر کے لیے نفع بخش ثابت نہیں ہوئی اس طرح ریاکار کو بھی اس کے صدقے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔



## اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے والوں کی مثال

﴿ وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ﴾

① سنن النسائي، الزكاة، باب المنان بما أعطى، (٢٥٦٢) وصحيح الترغيب (٢٠٧٠)

② صحيح الترغيب، البر والصلة، باب الترهيب من عقوق الوالدين، (٢٥١٣)

’’ان لوگوں کی مثال ہے جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی طلب میں دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی زمین پر ہو اور زوردار بارش اس پر برسے اور وہ اپنا پھل دوگنا لائے اور اگر اس پر بارش نہ بھی پڑے تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔‘‘

**تفہیم**

یہ ان اہل ایمان کی مثال ہے جو اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں' ان کا خرچ کیا ہوا مال اس باغ کی مانند ہے جو پُر فضا اور بلند چوٹی پر ہو کہ اگر زوردار بارش ہو تو اپنا پھل دوگنا دے ورنہ ہلکی سی پھوار اور شبنم بھی اس کو کافی ہو جاتی ہے' اس طرح ان کے نفقات بھی' چاہے کم ہو یا زیادہ عنداللہ کئی کئی گنا اجر وثواب کے باعث ہوں گے جَنّۃ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں اتنی کثرت سے درخت ہوں جو زمین کو ڈھانپ لیں یا وہ باغ جس کے چاروں طرف باڑھ ہو اور باڑ کی وجہ سے باغ نظروں سے پوشیدہ ہو۔ یہ جن سے ماخوذ ہے' جن اس مخلوق کا نام ہے جو نظر نہیں آتی پیٹ کے بچے کو جنین کہا جاتا ہے کہ وہ بھی نظر نہیں آتا' دیوانگی کو جنون سے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں بھی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور جنت کو اس لیے جنت کہتے ہیں کہ وہ نظروں سے مستور رہے۔

رَبْوَۃ اونچی زمین کو کہتے ہیں۔ وَابِلٌ تیز بارش۔



## کفر اور بڑھاپے کی مثال

﴿ اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَہٗ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ لَہٗ فِیْھَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ اَصَابَہُ الْکِبَرُ وَ لَہٗ ذُرِّیَّۃٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَھَآ اِعْصَارٌ فِیْہِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ ﴾ [سورۃ البقرۃ: ٢٦٦]

’’کیا تم میں سے کوئی بھی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو' جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور ہر قسم کے پھل موجود ہوں' اس شخص کا بڑھاپا

آ گیا ہو اور اس کے ننھے ننھے بچے بھی ہوں اور اچانک باغ کو بگولہ لگ جائے جس میں آگ بھی ہو' پس وہ باغ جل جائے اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم غور فکر کرو۔"

## تفہیم

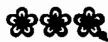
① امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا جانتے ہو کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا اللہ زیادہ جاننے والا' آپ نے ناراض ہو کر فرمایا تم جانتے ہو یا نہیں؟ اس کا صاف جواب دو' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا امیر المؤمنین میرے دل میں ایک بات ہے آپ نے فرمایا بھتیجے کہو اور اپنے نفس کو اتنا حقیر نہ کرو' فرمایا ایک عمل کی مثال دی گئی ہے' پوچھا کون سا عمل؟ کہا ایک مالدار شخص جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے کام کرتا ہے پھر شیطان اسے بہکاتا ہے اور وہ گناہوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے نیک اعمال کو کھو دیتا ہے۔ [1]

② پس یہ روایت اس آیت کی پوری تفسیر ہے اس میں بیان ہو رہا ہے کہ ایک شخص نے ابتداء سے اچھے عمل کیے پھر اس کے بعد اس کی حالت بدل گئی اور برائیوں میں پھنس گیا اور پہلے کی نیکیوں کا ذخیرہ برباد کر دیا' اور آخری وقت جبکہ نیکیوں کی بہت زیادہ ضرورت تھی یہ خالی ہاتھ رہ گیا' جس طرح ایک شخص ہے جس نے باغ لگایا پھل اتارتا ہو' لیکن جب بڑھاپے کے زمانہ کو پہنچا چھوٹے بچے بھی ہیں آپ کسی کام کاج کے قابل بھی نہیں رہا' اب مدارِ زندگی صرف وہ ایک باغ ہے اتفاقاً آندھی چلی پھر برائیوں پر اتر آیا اور خاتمہ اچھا نہ ہوا تو جب ان نیکیوں کے بدلے کا وقت آیا تو خالی ہاتھ رہ گیا' کافر شخص بھی جب اللہ کے ہاں جاتا ہے تو وہاں تو کچھ کرنے کی طاقت نہیں جس طرح اس بڈھے کو' اور جو کیا ہے وہ کفر کی آگ والی آندھی نے برباد کر دیا' اب پیچھے سے بھی کوئی اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا جس طرح اس بڈھے کی کم سن اولاد اسے کوئی کام نہیں دے سکتی۔ [2]

---

① صحيح البخاري، التفسير، (٤٥٣٨)

② ابن أبي حاتم (١٠٧٤/٣)



# سود خور کی مثال

﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [سورة البقرة: ٢٧٥]

''سود خور نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھوکر خبطی بنا دے یہ اس لیے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام' جو شخص اللہ تعالیٰ کی نصیحت سن کر رک گیا اس کے لیے وہ ہے جو گزرا اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور جو پھر دوبارہ (حرام کی طرف) لوٹا' وہ جہنمی ہے' ایسے لوگ ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے۔''

**تفہیم**

① (رِبوٰا) لغوی معنی زیادتی اور اضافے کے ہیں۔اور شریعت میں اس اطلاق رِبَا الفَضْل قرض پر لیا گیا نفع سود ہے۔ یہ قرضہ ذاتی ضرورت کے لیا گیا ہو یا کاروبار کے لیے دونوں قسم کے قرضوں پر سود حرام ہے۔

② سود خور لوگ اپنی قبروں سے ان کے بارے میں دیوانوں اور پاگلوں خبطیوں اور بیہوشوں کی طرح اُٹھیں گے' پاگل ہوں گے' کھڑے بھی نہ ہو سکتے ہوں گے' (یہ سود خور کی کیفیت قبر سے اٹھتے وقت یا میدان محشر میں ہوگی)۔

③ مطول حدیث میں ہے کہ ہم جب ایک سرخ رنگ نہر پر پہنچے جس کا پانی مثل خون کے سرخ تھا تو میں نے دیکھا اس میں کچھ لوگ بمشکل تمام کنارے پر آتے ہیں تو ایک فرشتہ بہت سے پتھر لیے بیٹھا ہے' وہ ان کا منہ پھاڑ کر ایک پتھر ان کے منہ میں اتار دیتا

① صحيح البخاري، التعبير، باب تعبير الرؤيا بعد صلاة الصبح، (٧٠٤٧)

ہے' وہ پھر بھاگتے ہیں پھر یہی ہوتا ہے' پوچھا تو معلوم ہوا یہ سود خوروں کا گروہ ہے۔ ①

④ آپ ﷺ نے فتح مکہ والے دن فرمایا تھا جاہلیت کے تمام سُود آج میرے ان قدموں تلے دفن کر دیے گئے ہیں' چنانچہ سب سے پہلا سود جس سے میں دست بردار ہوتا ہوں وہ عباس کا سود ہے۔ ①

⑤ ایک حدیث میں ہے کہ سود کے تہتر گناہ ہیں جن میں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے بدکاری کرے' سب سے بڑا سود مسلمان کی ہتک عزت کرنا ہے۔ ②

⑥ حالانکہ تجارت میں تو نقد رقم اور کسی چیز کا آپس میں تبادلہ ہوتا ہے۔ دوسرے اس میں نفع نقصان کا امکان رہتا ہے' جب کہ سود میں دونوں چیزیں نہیں ہیں' علاوہ ازیں بیع کو اللہ نے حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ پھر یہ دونوں ایک کس طرح ہو سکتے ہیں۔



## کاتب انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے علم دیا ہے

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِٱلْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ ٱللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ ٱلَّذِى عَلَيْهِ ٱلْحَقُّ وَلْيَتَّقِ ٱللَّهَ رَبَّهُۥ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا فَإِن كَانَ ٱلَّذِى عَلَيْهِ ٱلْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُۥ بِٱلْعَدْلِ وَٱسْتَشْهِدُوا۟ شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَٱمْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ ٱلشُّهَدَآءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَىٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَىٰهُمَا ٱلْأُخْرَىٰ وَلَا يَأْبَ ٱلشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُوا۟ وَلَا تَسْـَٔمُوٓا۟ أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰٓ أَجَلِهِۦ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ ٱللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَٰدَةِ وَ

① سنن أبی داود، البیوع، باب فی وضع الربا، (٣٣٣٤) وجامع الترمذی (٣٠٨٧) (الحدیث صحیح)

② سنن ابن ماجه، التجارات، باب التغلیظ فی الربا، (٢٢٧٤) والمستدرك للحاكم (٢/٣٧)، (٢٢٩٥)

أَدْنٰى أَلَّا تَرْتَابُوٓا إِلَّآ أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوْهَا وَ أَشْهِدُوْٓا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَ لَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِيْدٌ وَ إِنْ تَفْعَلُوْا فَإِنَّهٗ فُسُوْقٌ بِكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ [سورة البقرة: ۲۸۲]

''اے ایمان والو جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقررہ پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے' کاتب کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے پس اسے بھی لکھ دینا چاہیے جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹائے نہیں' جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوائے اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں پسند کر لو تا کہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے اور گواہوں کو چاہیے کہ وہ جب بلائے جائیں تو انکار نہ کریں اور قرض کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو لکھنے میں کاہلی نہ کرو' اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی درست رکھنے والی ہے شک وشبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں تم لین دین کر رہے ہو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں۔ خرید و فروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کر لیا کرو اور (یاد رکھو کہ) نہ لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو اور تم یہ کرو تو یہ تمہاری کھلی نافرمانی ہے' اللہ سے ڈرو اللہ تمہیں تعلیم دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

## تفہیم

① اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایماندار بندوں کو ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ادھار کے معاملات لکھ لیا کریں تا کہ رقم اور میعاد خوب یاد رہے' گواہ کو بھی غلطی نہ ہو' اس

سے ایک وقت مقررہ کے لیے ادھار دینے کا جواز بھی ثابت ہوا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میعاد مقرر کر کے قرض کے لین دین کی اجازت اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتی ہے' صحیح بخاری شریف میں ہے کہ مدینے والوں کا ادھار لین دین دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ناپ تول یا وزن مقرر کر لیا کرو' بھاؤ تاؤ چکا لیا کرو اور مدت کا بھی فیصلہ کر لیا کرو۔ [1]

۲ معلوم ہوا کہ لین دین کے معاملات کو لکھ لینا چاہیے ورنہ بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں' اس مقام پر ہم چند احادیث ذکر کرتے ہیں۔

یہ آیت جب نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے انکار کرنے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا' اُن کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور قیامت تک کی ان کی تمام اولاد نکالی' آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا' ایک شخص کو خوب تر و تازہ اور نورانی دیکھ کر پوچھا کہ ''الٰہی ان کا کیا نام ہے؟'' جناب باری نے فرمایا: ''یہ تمہارے بیٹے داؤد ہیں۔'' پوچھا ''اللہ ان کی عمر کیا ہے؟'' فرمایا: ''ساٹھ سال۔'' کہا ''اے اللہ! اس کی عمر کچھ اور بڑھا۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''نہیں' ہاں اگر تم اپنی عمر میں سے انہیں کچھ دینا چاہو تو دے دو۔'' کہا ''اے اللہ! میری عمر میں سے چالیس سال اسے دیئے جائیں۔'' چنانچہ دے دیئے گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اصلی عمر ایک ہزار سال کی تھی' اس لین دین کو لکھا گیا اور فرشتوں کو اس پر گواہ کیا گیا حضرت آدم علیہ السلام کی موت جب آئی' کہنے لگے: ''اے اللہ! میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ تم نے اپنے لڑکے حضرت داؤد کو دے دیئے ہیں۔'' تو حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کیا جس پر وہ لکھا ہوا دکھایا گیا اور فرشتوں کی گواہی گزری' دوسری روایت میں ہے کہ حضرت آدم کی عمر پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار پوری کی اور حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک سو سال کی۔ [2]

---

[1] صحیح البخاری، السلم، باب السلم فی کیل معلوم، (۲۲۳۹) وصحیح مسلم (۱۰٦٤)

[1] مسند الإمام أحمد (۱/۲۵۱، ۲۵۲، ۲۹۹) ومسند أبی یعلی (۲۷۱۰) ابن أبی شیبة (۱٤/۱۱۸، ۱۱۹) والبیهقی (۱۰/۱٤٦) ...... اس میں علی بن زید جدعان ضعیف ہے۔ مگر اس کی صحیح شاہد جامع الترمذی، ثواب القرآن، باب ومن سورة الأعراف (۳۰۷٦) میں ہے۔ لیکن اس میں نزول آیت کا ذکر نہیں۔

④ مسند میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل کے ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک ہزار دینار ادھار مانگے' اس نے کہا گواہ لاؤ' جواب دیا کہ اللہ کی گواہی کافی ہے' کہا ضمانت لاؤ' جواب دیا اللہ کی ضمانت کافی ہے' کہا تو نے سچ کہا' ادائیگی کی میعاد مقرر ہوگئی اور اس نے اسے ایک ہزار دینار گن دیئے' اس نے تری کا سفر کیا اور اپنے کام سے فارغ ہوا' جب میعاد پوری ہونے کو آئی تو یہ سمندر کے قریب آیا کہ کوئی جہاز کشتی ملے تو اس میں بیٹھ جاؤں اور رقم ادا کر آؤں' لیکن کوئی جہاز نہ ملا' جب دیکھا کہ وقت پر نہیں پہنچ سکتا تو اس نے ایک لکڑی لی' اسے بیچ سے کھوکھلی کر لی اور اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک پرچہ بھی رکھ دیا' پھر منہ کو بند کر دیا اور اللہ سے دعا کی کہ پروردگار تجھے خوب علم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لیے اس نے مجھ سے ضمانت طلب کی' میں نے تجھے ضامن کیا اور وہ اس پر خوش ہوگیا' گواہ مانگا' میں نے گواہ بھی تجھی کو رکھا' وہ اس پر بھی خوش ہوگیا' اب جبکہ اپنا قرض ادا کر آؤں لیکن کوئی کشتی نہیں ملی' اب میں اس رقم کو تجھے سونپتا ہوں اور سمندر میں ڈال دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ رقم اسے پہنچا دے' پھر اس لکڑی کو سمندر میں ڈال دیا اور خود چلا گیا لیکن پھر بھی کشتی کی تلاش میں رہا کہ مل جائے تو جاؤں' یہاں تو یہ ہوا' وہاں جس شخص نے اسے قرض دیا تھا' جب اس نے دیکھا کہ وقت پورا ہوا اور آج اسے آ جانا چاہیے تھا' تو وہ بھی دریا کنارے آن کھڑا ہوا کہ وہ آئے گا اور میری رقم مجھے دے دے گا یا کسی کے ہاتھ بھجوائے گا' مگر جب شام ہونے کو آئی اور کوئی کشتی اس کی طرف سے نہیں آئی تو یہ واپس لوٹا' کنارے پر ایک لکڑی دیکھی تو یہ سمجھ کر کہ خالی ہاتھ تو جا ہی رہا ہوں' اس لکڑی کو بھی لے چلوں' پھاڑ کر سکھا لوں گا جلانے کے کام آئے گی' گھر پہنچ کر جب اسے چیرتا ہے تو کھنا کھن بجتی ہوئی اشرفیاں نکلتی ہیں' گنتا ہے تو پوری ایک ہزار ہیں' وہیں پرچہ پر نظر پڑتی ہے' اسے بھی اٹھا کر پڑھ لیتا ہے' پھر ایک دن وہی شخص آتا ہے اور ایک ہزار دینار پیش کر کے کہتا ہے یہ لیجیے آپ کی رقم' معاف کیجیے گا میں نے ہر چند کوشش کی کہ وعدہ خلافی نہ ہو لیکن کشتی کے نہ ملنے کی وجہ سے مجبور ہوگیا اور دیر لگ گئی' آج کشتی ملی' آپ کی رقم

لے کر حاضر ہوا' اس نے پوچھا کیا میری رقم آپ نے بھجوائی بھی ہے؟ اس نے کہا میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے کشتی نہ ملی تھی' اُس نے کہا آپ اپنی رقم لے کر خوش ہو کر چلے جاؤ' آپ نے جو رقم لکڑی میں ڈال کر اسے توکل علی اللہ ڈالی تھی' اسے اللہ نے مجھ تک پہنچا دیا اور میں نے اپنی رقم پوری وصول پالی۔ ①

④ نیز لکھنے والا عدل وحق کے ساتھ لکھے' کتابت میں کسی فریق پر ظلم نہ کرے' ادھر ادھر کچھ کمی بیشی نہ کرے بلکہ لین دین والے دونوں متفق ہو کر جو لکھوائیں وہی لکھے' لکھا پڑھا شخص معاملہ کو لکھنے سے انکار نہ کرے' جب اسے لکھنے کو کہا جائے لکھ دے' جس طرح اللہ کا یہ احسان اس پر ہے کہ اس نے اسے لکھنا سکھایا اسی طرح جو لکھنا نہ جانتے ہوں ان پر یہ احسان کرے اور ان کے معاملہ کو لکھ دیا کرے۔ حدیث میں ہے یہ بھی صدقہ ہے کہ کسی کام کرنے والے کا ہاتھ بٹا دو' کسی گرے پڑے کا کام کر دو۔ ②

اور حدیث میں ہے جو علم کو جان کر پھر اُسے چھپائے' قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ ③

⑤ معاملات میں لکھنا اور گواہی جمہور کے نزدیک استحباب کے لیے ہے نہ واجب جیسا کہ حدیث ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے خرید وفروخت کی جبکہ اور کوئی گواہ شاہد نہ تھا' چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا اور اعرابی آپ کے پیچھے پیچھے آپ ﷺ کے دولت خانہ کی طرف رقم لینے کے لیے چلا' حضور ﷺ تو ذرا جلد نکل آئے اور وہ آہستہ آہستہ آ رہا تھا' لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ گھوڑا بک گیا ہے' انہوں نے قیمت لگانی شروع کی یہاں تک کہ جتنے داموں اس نے آپ ﷺ کے ہاتھ بیچا تھا اس سے زیادہ دام لگ گئے' اعرابی کی نیت پلٹی اور اس نے آپ ﷺ کو آواز دے کر کہا حضرت یا تو گھوڑا اسی

---

① صحيح البخاري، الكفالة، باب الكفالة في القرض، (٢٢٩١، ٢٠٦٣) - مسند الإمام أحمد (٣٤٨/٢)

② صحيح البخاري، العتق، (٢٥١٨)

③ سنن أبي داود، العلم، باب كراهية منع العلم، (٣٦٥٨) (الحديث صحيح)

وقت نقد دے کر لے لو یا میں اور کے ہاتھ بیچ دیتا ہوں' حضور ﷺ یہ سن کر کے اور فرمانے لگے تو تو اسے میرے ہاتھ بیچ چکا ہے پھر یہ کیا کہہ رہا ہے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے تو نہیں بیچا' حضرت ﷺ نے فرمایا غلط کہتا ہے' میرے تیرے درمیان معاملہ طے ہو چکا ہے' اب لوگ ادھر اُدھر سے بیچ میں بولنے لگے' اس گنوار نے کہا اچھا تو گواہ لائیے کہ میں نے آپ کے ہاتھ بیچ دیا' مسلمانوں نے ہر چند کہا کہ بدبخت آپ ﷺ تو اللہ کے پیغمبر ہیں' آپ ﷺ کی زبان سے تو حق ہی نکلتا ہے' لیکن وہ یہی کہے چلا جائے کہ لاؤ گواہ پیش کرو' اتنے میں حضرت خزیمہ آ گئے اور اعرابی کے اس قول کو سن کر فرمانے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے بیچ دیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے ہاتھ تو فروخت کر چکا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو کیسے شہادت دے رہا ہے' حضرت خزیمہ نے فرمایا آپ ﷺ کی تصدیق اور سچائی کی بنیاد پر یہ شہادت دی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ آج سے حضرت خزیمہ کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے۔ [1]



# اے اللہ ہم پر پہلوں کی طرح بوجھ نہ ڈال

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَ اغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ ﴾ [سورة البقرة: ٢٨٥-٢٨٦]

[1] مسند الإمام أحمد (٢١٦/٥) وسنن أبي داود، الأقضية، (٣٦٠٧) والمستدرك للحاكم (١٨/٢) (الحديث صحيح)

''رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اترے اور مومن بھی ایمان لائے یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے' اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی' ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا' جو نیکی وہ کرے وہ اس کے لیے اور جو برائی وہ کرے وہ اس پر ہے' اے ہمارے رب اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا مالک ہے' ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما۔''

**تفہیم**

اس آیت میں پھر ان ایمانیات کا ذکر ہے جن پر اہل ایمان کو ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس اگلی آیت ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا﴾ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شفقت اور اس کے فضل و کرم کا تذکرہ ہے کہ اس نے انسانوں کو کسی ایسی بات کا مکلف نہیں کیا جو ان کی طاقت سے بالاتر ہو۔ ان دونوں آیات کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔

① نبی ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات کو پڑھ لیتا ہے تو یہ اس کو کافی ہو جاتی ہیں۔''[1]

② صحیح مسلم میں ہے کہ جب حضور ﷺ کو معراج کرائی گئی اور آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو ساتویں آسمان میں ہے' جو چیز آسمان کی طرف چڑھتی ہے وہ یہیں تک ہی پہنچتی ہے اور یہاں سے ہی لے جائی جاتی ہے اور جو چیز اوپر سے نازل ہوتی ہے وہ

[1] صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب فضل سورة البقرة، (۵۰۰۹) وصحیح مسلم (۸۰۷)

بھی یہیں تک پہنچتی ہے' پھر یہاں سے آگے لے جائی جاتی ہے اور اسے سونے کی ٹڈیاں ڈھکے ہوئے تھیں' وہاں حضور ﷺ کو تین چیزیں دی گئیں۔ پانچ وقت کی نمازیں' سورہ بقرہ کے خاتمہ کی آیتیں اور توحید والوں کے تمام گناہوں کی بخشش۔ ①

③ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورہ بقرہ کی آخری آیتیں عرش تلے کے خزانہ سے دیا گیا ہوں مجھ سے پہلے کسی نبی کو یہ نہیں دی گئیں۔ ②

④ ایک اور حدیث میں ہے کہ ہم حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جہاں حضرت جبریل بھی تھے کہ اچانک ایک دہشت ناک بہت بڑے دھماکے کی آواز کے ساتھ آسمان کا وہ دروازہ کھلا جو آج تک کبھی نہیں کھلا تھا' اس سے ایک فرشتہ اترا' اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا آپ کو خوشی مبارک ہو' آپ کو وہ دو نور دیئے جاتے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی آخری آیتیں۔ ان کے ایک ایک حرف پر آپ کو نور دیا جائے گا۔ ③



## وہ انہیں دو مثل دیکھ رہے تھے

﴿ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ وَ اللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ ﴾ [سورة آل عمران: ١٣]

''یقیناً تمہارے لیے عبرت کی نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو گتھ گئی تھیں' ایک جماعت تو اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا وہ انہیں اپنی آنکھوں سے اپنے سے دوگنا دیکھتے تھے' اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی مدد سے قوی کرتا ہے یقیناً اس میں آنکھوں والوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔''

**تفہیم**

---

① صحيح مسلم، الإيمان، باب في ذكر سدرة المنتهى، (١٧٣)

② مسند الإمام أحمد (١٥١/٥) (الحديث صحيح)

③ صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل الفاتحة وخواتيم سورة البقرة...، (٨٠٦)

یعنی ہر فریق دوسرے فریق کو اپنے سے دو گنا دیکھتا ہے۔ کافروں کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی انہیں مسلمان دو ہزار کے قریب دکھائی دیتے تھے۔ مقصد اس سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کی دھاک بٹھانا تھا۔ اور مسلمانوں کی تعداد تین سو سے کچھ اوپر (یا ۳۱۳) تھی' انہیں کافر ۶۰۰ اور ۷۰۰ کے درمیان نظر آتے تھے۔ دراں حالانکہ ان کی اصل تعداد ہزار کے قریب (۳ گنا) تھی مقصد اس سے مسلمانوں کا عزم و حوصلہ میں اضافہ کرنا تھا۔ اپنے سے تین گنا دیکھ کر ممکن تھا مسلمان مرعوب ہو جاتے جب وہ تین گنا کی بجائے دو گنا نظر آئے تو ان کا حوصلہ پست نہیں ہوا۔ لیکن یہ دو گنا دیکھنے کی کیفیت ابتدا میں تھی۔ پھر جب دونوں گروہ آمنے سامنے صف آرا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے برعکس دونوں کو ایک دوسرے کی نظروں میں کم کر کے دکھایا تا کہ کوئی بھی فریق لڑائی سے گریز نہ کرے بلکہ ہر ایک پیش قدمی کی کوشش کرے۔

یہ تفصیل سورۃ الأنفال۔ آیت ۴۴ میں بیان کی گئی ہے۔ یہ جنگ بدر کا واقع ہے جو ہجرت کے بعد دوسرے سال مسلمانوں اور کافروں کے درمیان پیش آیا۔ یہ کئی لحاظ سے نہایت اہم جنگ تھی' ایک تو اس لیے کہ یہ پہلی جنگ تھی دوسرے یہ جنگی منصوبہ بندی کے بغیر ہوئی۔ مسلمان ابوسفیان کے قافلے کے لیے نکلے تھے جو شام سے سامان تجارت لے کر مکہ جا رہا تھا مگر اطلاع مل جانے کی وجہ سے وہ اپنا قافلہ بچا کر لے گیا' لیکن کفار مکہ اپنی طاقت و کثرت کے گھمنڈ میں مسلمانوں پر چڑھ دوڑے اور مقام بدر پر یہ پہلا معرکہ برپا ہوا۔ تیسرے' اس میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد حاصل ہوئی' چوتھے اس میں کافروں کو عبرت ناک شکست ہوئی' جس سے آئندہ کے لیے کافروں کے حوصلے پست ہو گئے۔ [1]



## لڑکا لڑکی جیسا نہیں...!

﴿ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ

---

[1] تفسیر ابن کثیر (۱/۵۰۷)

مِنِّيْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى
وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى وَ اِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْٓ
اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ ﴾ [سورة آل عمران: ٣٦]

''جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے' اسے میں تیرے نام آزاد کرنے' کی نذر مانی' تو میری طرف سے قبول فرما' یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے' جب بچی کو جنا تو کہنے لگی اے پروردگار! مجھے تو لڑکی ہوئی ہے' اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں' میں نے اس کا نام مریم رکھا میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔''

**تفہیم**

① حضرت عمران کی بیوی کا نام حنہ بنت فاقوذ تھا حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ تھیں حضرت محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہیں اولاد نہیں ہوتی تھی ایک دن ایک چڑیا کو دیکھا کہ وہ اپنے بچوں کو چوغہ دے رہی ہے تو انہیں ولولہ اٹھا اور اللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی اور خلوص کے ساتھ اللہ کو پکارا' اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دعا قبول فرمائی اور اسی رات انہیں حمل ٹھہر گیا' جب حمل کا یقین ہو گیا تو نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے جو اولاد دے گا اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے اللہ کے نام پر آزاد کر دوں گی' لیکن جب لڑکی پیدا ہوئی تو پریشان ہو گئیں۔[1]

② ﴿وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى﴾ اس جملے میں حسرت کا اظہار بھی ہے اور عذر کا بھی۔ حسرت' اس طرح کہ میری امید کے برعکس لڑکی ہوئی ہے اور عذر' اس طرح کہ نذر سے مقصود تو تیری رضا کے لیے ایک خدمت گار وقف کرنا تھا اور یہ کام ایک مرد ہی زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتا تھا۔ اب جو کچھ بھی ہے تو اسے جانتا ہے۔

③ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو مس کرتا ہے (چھوتا) ہے۔ جس سے وہ چیختا ہے۔ لیکن اللہ

[1] ابن کثیر (۱/ ۵۲۲)

تعالیٰ نے اس مس شیطان سے حضرت مریم علیہا السلام کو اور ان کے بیٹے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو محفوظ رکھا۔ ①

④ اس سے ثابت ہوا کہ جس دن بچہ پیدا ہو اسی دن اس کا نام رکھا جا سکتا ہے۔

نیز حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''آج رات میرے ہاں لڑکا ہوا اور میں نے اس کا نام اپنے باپ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے نام پر ابراھیم رکھا ہے۔'' ②



## پرندے کی مثل پرندہ

﴿ وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

[سورة آل عمران: ٤٨]

''اور وہ بنی اسرائیل کی طرف سے وصول ہوگا' کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں' میں تمہارے لیے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں' اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کر لیتا ہوں اور مردے کو جگا دیتا ہوں' اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا دیتا ہوں' اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے۔ اگر تم ایمان لانے والے ہو۔''

**تفہیم**

---

① صحیح البخاري، التفسیر، (سورة آل عمران) باب قوله ﴿ وَإِنِّيٓ أُعِيذُهَا بِكَ ﴾، (٤٥٤٨)

② صحیح مسلم، الفضائل، (٢٣١٥) وأبوداود (٣١٢٦) ومسند الإمام أحمد (١٩٤/٣)

① یعنی خلق یہاں پیدائش کے معنی میں نہیں ہے' اس پر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے کیونکہ وہی خالق ہے یہاں اس کے معنی ظاہری شکل وصورت گھڑنے اور بنانے کے ہیں۔

② دوبارہ باذن اللہ (اللہ کے حکم سے) کہنے سے مقصد یہی ہے کہ کوئی شخص اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو کہ میں خدائی صفات یا اختیارات کا حامل ہوں' نہیں میں تو اس کا عاجز بندہ ہوں اور رسول ہی ہوں یہ جو کچھ میرے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے معجزہ ہے جو محض اللہ کے حکم سے صادر ہو رہا ہے امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کے زمانے کے حالات کے مطابق معجزے عطا فرمائے تا کہ اس کی صداقت ہو اور بالاتری نمایاں ہو سکے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا زور تھا انہیں ایسا معجزہ عطا فرمایا کہ جس کے سامنے بڑے بڑے جادوگر اپنا کرتب دکھانے میں ناکام رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا بڑا چرچہ تھا چنانچہ انہوں نے مردہ کو زندہ کر دینے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینے کا ایسا معجزہ عطا فرمایا گیا کہ کوئی بھی بڑے سے بڑا طبیب اپنے فن کے ذریعے سے کرنے پر قادر نہیں تھا۔ ہمارے پیغمبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دور شعر وادب اور فصاحت اور بلاغت کا دور تھا چنانچہ انہیں قرآن جیسا فصیح وبلیغ اور پر اعجاز کلام عطا فرمایا گیا جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا بھر کے بلغاء اور شعراء عاجز رہے اور چیلنج کے باوجود آج تک عاجز ہیں اور قیامت تک عاجز رہیں گے۔ [1]



## عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی مثال

﴿ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ ﴾ [سورة آل عمران: ٥٩]

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال ہو بہو آدم (علیہ السلام) کی مثال ہے جسے مٹی سے بنا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا پس وہ ہو گیا۔''

---

① تفسیر ابن کثیر (۵۳۲/۱)

**تفہیم**

اللہ عز وجل اس مقام پر اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرما رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو صرف باپ نہ تھا اور میں نے انہیں پیدا کر دیا تو کیا کون سی حیرانی کی بات ہے؟ میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو تو ان سے پہلے پیدا کیا تھا ان کا بھی باپ نہ تھا بلکہ ماں بھی نہ تھی، مٹی سے پتلا بنایا اور کہہ دیا آدم ہو جا اسی وقت ہو گیا، پھر میرے لیے صرف ماں سے پیدا کرنا کون سا مشکل ہو سکتا تھا جبکہ بغیر ماں اور باپ کے بھی میں نے پیدا کر دیا، پس اگر صرف باپ نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو سب سے پہلے اس مرتبہ سے ہٹا دینا چاہیے، کیونکہ ان کے دعوے کا جھوٹا ہونا اور خرابی اس سے بھی زیادہ یہاں ظاہر ہے یہاں ماں تو ہے وہاں تو نہ ماں تھی نہ باپ، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی قدرت کاملہ کا ظہور ہے کہ آدم کو بغیر مرد و عورت کے پیدا کیا اور حوا کو صرف مرد سے بغیر عورت کے پیدا کیا، اور عیسیٰ کو صرف عورت سے بغیر مرد کے پیدا کر دیا اور باقی مخلوق کو مرد و عورت سے پیدا کیا اسی لیے سورہ مریم (۲۱) میں فرمایا: ﴿وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ﴾ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کے لیے اپنی قدرت کا نشان بنایا اور یہاں فرمایا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ کا سچا فیصلہ یہی ہے اس کے سوا اور کچھ کسی کمی یا زیادتی کی گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ حق کے بعد گمراہی ہی ہوتی ہے پس تجھے اے نبی! ہر گز ان شکی لوگوں میں نہ ہونا چاہیے۔ [1]



## تمہاری مثل کسی اور کو بھی دیا جائے

﴿ وَ لَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ [سورة البقرة: ۷۳]

"اور سوائے تمہارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی کا یقین نہ کرو، آپ کہہ دیجیے کہ بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے (اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس

---

① تفسیر ابن کثیر (۵۳۷/۱)

بات کا بھی یقین نہ کرو) کہ کوئی اس جیسا دیا جائے جیسے تم دیئے گئے ہو یا یہ کہ تم سے تمہارے رب کے پاس جھگڑا کریں گے' آپ کہہ دیجیے کہ فضل تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے' وہ جسے چاہے اسے دے' اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔''

**تفہیم**

① یعنی جب تم لوگ صبح کو اسلام میں داخل ہو کر شام کو اس سے پھر جاؤ گے۔ تو عام لوگ اس سے یہی سمجھیں اور کہیں گے کہ یہ لوگ جب اہل کتاب اور اہل علم ہونے کے باوجود صبح اسلام میں داخل ہوئے اور شام کو اس سے پھر گئے تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے اور یہ دین حق نہیں والعیاذ باللہ۔ ورنہ یہ لوگ اس قدر جلد اس سے کیوں پھر جاتے۔ آخر حق کو اپنانے کے بعد اس سے کون اور کیوں پھرتا ہے؟ سو یہ عام لوگوں کو راہ حق و ہدایت سے پھیرنے اور ان کو نورِ حق و ہدایت سے محروم کرنے کے لیے ایک خوفناک یہودی سازش تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اور ان کے واسطے سے ان کی امت کو ان بدبختوں کے اس خفیہ منصوبے سے آگہی بخش دی' تاکہ کمزور اور سادہ لوح عوام ان کے اس جال میں نہ پھنس جائیں' اور تاکہ ان بدبختوں کی خباثت سب کے سامنے واضح ہو جائے' اور ان کو اپنے اس خبیث منصوبے پر عمل کرنے کی ہمت نہ ہو سو اس سے ایک مرتبہ پھر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کلام کسی بشر کا کلام نہیں' بلکہ یہ اس رب العالمین کا کلام ہے جو لوگوں کے بواطن و خفایا کو بھی پوری طرح جانتا ہے۔ (اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

② ﴿ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَى اللَّهِ ﴾ یہ ایک جملہ معترضہ ہے جس کا ماقبل اور مابعد سے تعلق نہیں ہے صرف ان کے مکر و حیلہ کی اصل حقیقت اس سے واضح کرنا مقصود ہے کہ ان کے جملوں سے کچھ نہ ہوگا کیونکہ ہدایت تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کو ہدایت دے یا دینا چاہے' تمہارے حیلے اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔



# اختلاف کرنے والوں کی طرح نہ ہو جاؤ

﴿ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ [سورة آل عمران: ۱۰۵]

''تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا' انہی لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

**تفہیم**

① یعنی یہود و نصاریٰ کی طرح مت بنو جو خدا تعالیٰ کے صاف احکام پہنچنے کے بعد محض اوہام واہواء کی پیروی کر کے اصول شرع میں متفرق اور فروع میں مختلف ہو گئے۔ آخر فرقہ بندیوں نے ان کے مذہب وقومیت کو تباہ کر ڈالا' اور سب کے سب عذاب الٰہی کے نیچے آ گئے۔

② اس آیت سے ان اختلافات اور فرقہ بندیوں کا مذموم و مہلک ہونا معلوم ہوا جو شریعت کے صاف احکام پر مطلع ہونے کے بعد پیدا کیے جائیں۔ افسوس ہے کہ آج مسلمان کہلانے والوں میں بھی سینکڑوں فرقے شریعت اسلامیہ کے صاف وصریح اور مسلَّم ومحکم اصول سے الگ ہو کر اور ان میں اختلاف ڈال کر اس عذاب کے نیچے آئے ہوئے ہیں۔ تاہم اسی طوفان بدتمیزی میں اللہ ورسول کے وعدہ کے موافق ایک عظیم الشان جماعت بحمد اللہ خدا کی رسی کو مضبوط تھامے ہوئے مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ کے مسلک پر قائم ہے اور تا قیام قیامت قائم رہے گی۔ باقی فروعی اختلافات جو صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین میں ہوئے ہیں' ان کو آیت مذکورہ سے کوئی تعلق نہیں' اس فروعی اختلاف کے اسباب پر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے اپنی تصانیف میں کافی وشافی بحث کی ہے۔

③ روشن دلیلیں آ جانے کے بعد تفرقہ ڈالا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے باہم اختلاف وتفرقہ کی وجہ یہ نہ تھی کہ انہیں حق کا پتہ نہ تھا اور وہ اس کے دلائل سے بے خبر

تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں سب کچھ جانتے ہوئے محض دنیاوی مفاد اور نفسانی اغراض کے لیے اختلاف وتفرقہ کی راہ پکڑی تھی اور اس پر جمے ہوئے تھے۔ قرآن مجید نے مختلف اسلوب اور پیرائے سے بار بار اس حقیقت کی نشان دہی کی ہے اور اس سے دور رہنے کی تاکید فرمائی۔ مگر افسوس کہ اس امت کے تفرقہ بازوں نے بھی ٹھیک وہی روش اختیار کی کہ حق اور اس کی روشن دلیلیں خوب اچھی طرح معلوم ہیں۔ لیکن وہ اپنی فرقہ بندیوں پر جمے ہوئے ہیں اور اپنی عقل وذہانت کا سارا جوہر سابقہ امتوں کی طرح تاویل اور تحریف کے مکروہ شغل میں ضائع کر رہے ہیں۔



# کفار کے خرچ کی مثال

﴿ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ لٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۝ ﴾ [سورة آل عمران: ۱۱۷]

''یہ کفار جو خرچ اخراجات کریں اس کی مثال یہ ہے ایک تند ہوا چلی جس میں پالا تھا جو ظالموں کی کھیتی پر پڑا اور اسے تہس نہس کر دیا' اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔''

**تفہیم**

صالحین ومتقین کے بالمقابل یہاں کافروں کے حال وانجام کا ذکر فرماتے ہیں پہلے فرمایا تھا ﴿ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ﴾ یعنی مومنین کی ادنیٰ ترین نیکی بھی کام آئے گی۔ اُن کے کسی بھلے کام کی بے قدری نہیں کی جائے گی۔ اس کے برخلاف کافر جو کچھ مال وقوت دنیا میں خرچ کرے' خواہ اپنے نزدیک بڑا ثواب اور خیرات کا کام سمجھ کر کرتا ہو' آخرت میں اُس کی کوئی قدر و قیمت اور پرسش نہیں۔ کیونکہ ایمان ومعرفت صحیحہ کی روح نہ ہونے سے اس کا ہر ایک عمل بے جان اور مُردہ ہے۔

اس کی جزاء بھی ایسی ہی فانی وزائل ہونے والی اس دار فانی میں مل کر رہ جانے والی

ہے۔ عمل کی ابدی حفاظت کرنے والی چیز ایمان وایقان ہے اس کے بدون عمل کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی شریر ظالم نے کھیتی یا باغ لگایا' اور اُس کو برف پالے سے بچانے کا کوئی انتظام نہ کیا' چند روز اس کی سرسبزی وشادابی کو دیکھ کر خوش ہوتا اور بہت کچھ امیدیں باندھتا رہا۔ یکا یک اس کی شرارت وبدبختی سے سرد ہوا چلی' برف پالا اس قدر گرا کہ ایک دم میں ساری لہلہاتی کھیتی جلا کر رکھ دی آخر اپنی کُلّی تباہی و بربادی پر کف افسوس ملتا رہ گیا' نہ امیدیں پوری ہوئیں نہ احتیاج کے وقت اس کی پیداوار سے منتفع ہوا۔

اور چونکہ یہ تباہی ظلم وشرارت کی سزا تھی' اس لیے اس مصیبت پر کوئی اجر اُخروی بھی نہ ملا' جیسا کہ مومنین کو ملتا ہے۔ بعینہٖ یہ مثال ان کفار کی ہے جو کفر وشرک پر قائم رہتے ہوئے اپنے خیال میں بہت پُن خیرات کرتے ہیں' باقی وہ بدبخت جن کا زور وقوت اور پیسہ حق اور اہل حق کی دشمنی یا فسق وفجور میں خرچ ہوتا ہو ان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے' وہ نہ صرف بیکار خرچ کر رہے ہیں' بلکہ روپیہ خرچ کر کے اپنے لیے اور زیادہ وبال خرید رہے ہیں ان سب کو یاد رکھنا چاہیے کہ مال ہو یا اولاد کوئی چیز عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے گی اور نہ متقین کے مقابلہ پر وہ اپنی توقعات میں کامیاب ہوں گے۔



## ان کو بھی تمہاری مثل زخم پہنچے ہیں

﴿ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۝ ﴾ [سورة آل عمران: ١٤٠]

''اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے مخالف لوگ بھی تو ایسے ہی زخمی ہو چکے ہیں ہم دونوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں (شکست احد) اس لیے تھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہر کر دے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔''

**تفہیم**

مسلمانوں کو جنگ میں جو شدید نقصان اٹھانا پڑا تھا' اس سے سخت شکستہ خاطر تھے۔ مزید برآں منافقین اور دشمنوں کے طعنے سن کر اور زیادہ اذیت پہنچتی تھی۔ کیونکہ منافقین کہتے تھے کہ محمد ﷺ سچے پیغمبر ہوتے تو یہ نقصانات کیوں پہنچتے یا تھوڑی دیر کے لیے بھی عارضی ہزیمت کیوں پیش آتی۔ حق تعالیٰ نے ان آیات میں مسلمانوں کو تسلی دی کہ اگر اس لڑائی میں تم کو زخم پہنچا یا تکلیف اٹھانی پڑی تو اس طرح کے حوادث فریق مقابل کو پیش آ چکے ہیں۔ احد میں تمہارے پچھتر آدمی شہید اور بہت سے زخمی ہوئے' تو ایک سال پہلے بدر میں ان کے ستر جہنم رسید اور بہت سے زخمی ہو چکے ہیں اور خود اس لڑائی میں بھی ابتداءً ان کے بہت آدمی مقتول و مجروح ہوئے جیسا کہ ﴿ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ﴾ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ پھر بدر میں ان کے ستر آدمی ذلت کے ساتھ قید ہوئے۔ تمہارے ایک فرد نے بھی یہ ذلت قبول نہ کی۔ بہر حال اپنے نقصان کا ان کے نقصان سے مقابلہ کرو تو غم و افسوس کا کوئی موقع نہیں۔ نہ ان کے لیے کبر و غرور سے سر اٹھانے کی جگہ ہے۔

باقی ہماری عادت ہمیشہ یہ رہی ہے کہ سختی نرمی' دکھ سکھ' تکلیف و راحت کے دنوں کو لوگوں میں ادل بدل کرتے رہتے ہیں جس میں بہت سی حکمتیں مضمر ہیں۔ پھر جب وہ دکھ اٹھا کر باطل کی حمایت میں ہمت نہیں ہارے' تو تم حق کی حمایت میں کیونکر ہمت ہار سکتے ہو۔



## کافروں کی طرح مت ہو جاؤ

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَ اللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۝ ﴾ [سورة آل عمران: ١٥٦]

''اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کیا اپنے بھائیوں کے حق میں جب کہ وہ سفر میں ہوں یا جہاد میں' کہا اگر ہمارے پاس

ہوتے نہ مرتے اور نہ مارے جاتے' اس کی وجہ یہ تھی کہ اس خیال کو اللہ تعالیٰ ان کی دلی حسرت کا سبب بنادے' اللہ تعالیٰ جلا تا اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے عمل کو دیکھ رہا ہے۔"

**تفہیم**

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں جیسے فاسد اعتقاد رکھنے کی ممانعت فرما رہا ہے یہ کفار سمجھتے تھے کہ ان کے لوگ جو سفر میں یا لڑائی میں مرے اگر وہ سفر اور لڑائی نہ کرتے تو نہ مرتے پھر فرماتا ہے کہ یہ باطل خیال بھی ان کی حسرت افسوس کو بڑھانے والا ہے' دراصل موت و حیات اللہ کے ہاتھ ہے مرتا ہے' اس کی چاہت سے اور زندگی ملتی ہے تو اس کے ارادے سے' تمام امور کا جاری کرنا اس کے قبضہ میں ہے اس کی قضا و قدر ٹلتی نہیں اس کے علم سے اور اس کی نگاہ سے کوئی چیز باہر نہیں' تمام مخلوق کے ہر امر کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

دوسری آیت بتلا رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونا یا مرنا اللہ کی مغفرت و رحمت کا ذریعہ ہے اور یہ قطعاً دنیا و مافیہا سے بہتر ہے کیونکہ یہ فانی ہے اور وہ باقی اور ابدی ہے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خواہ کسی طرح دنیا چھوڑ و مرکر یا قتل ہو کر لوٹنا تو اللہ ہی کی طرف ہے پھر اپنے اعمال کا بدلہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے برا ہو تو بھلا ہو تو۔



## اللہ کو ناراض کرنے والا اللہ کو راضی کرنے والے کی مثل نہیں

﴿ أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَأْوٰهُ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ○ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ○ ﴾ [سورة آل عمران: ١٦٢-١٦٣]

"کیا پس وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی خشنودی کے درپے ہے' اس شخص جیسا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لے کر لوٹتا ہے؟ اور جس کی جگہ جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے' اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے الگ الگ درجے ہیں اور ان کے تمام اعمال کو اللہ بخوبی دیکھ رہا ہے۔"

**تفہیم**

یعنی پیغمبر جو ہر حال میں خدا کی مرضی کا تابع بلکہ دوسروں کو بھی اس کی مرضی کا تابع بنانا چاہتا ہے کیا ان لوگوں کے ایسے کام کرسکتا ہے جو خدا کے غضب کے نیچے اور دوزخ کے مستحق ہیں؟ ممکن نہیں۔



## تم نے دوگنی تکلیف پہنچائی ہے

﴿ اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ [سورة آل عمران: ١٦٥]

"(کیا بات ہے) کہ جب تمہیں ایک ایسی تکلیف پہنچی کہ تم اس جیسی دو چند پہنچا چکے، تو یہ کہنے لگے یہ کہاں سے آ گئی؟ آپ کہہ دیجیے کہ یہ خود تمہاری طرف سے ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔"

**تفہیم**

یہاں جس مصیبت کا بیان ہو رہا ہے یہ احد کی مصیبت ہے جس میں ستر صحابہ شہید ہوئے تھے تو مسلمان کہنے لگے کہ یہ مصیبت کیسے آ گئی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ تمہاری اپنی طرف سے ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بدر کے دن مسلمانوں نے فدیہ لے کر جن کفار کو چھوڑ دیا تھا اس کی سزا میں اگلے سال ان میں سے ستر مسلمان شہید کیے گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں افراتفری پڑ گئی، حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے آپ کے سر مبارک پر خود تھا وہ بھی ٹوٹا اور چہرہ مبارک لہولہان ہو گیا، اس کا بیان اس آیت مبارکہ میں ہو رہا ہے۔ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی قوم کا کفار کو قیدی بنا کر پکڑ لینا اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا اب انہیں دو باتوں

[1] مسند الإمام أحمد (١/٣٠-٣١) ...... اس کی سند میں ضعف ہے۔

میں سے ایک کے اختیار کر لینے کا حکم دیجیے یا تو یہ کہ ان قیدیوں کو مار ڈالیں یا یہ کہ ان سے فدیہ وصول کر کے چھوڑ دیں مگر پھر ان مسلمانوں سے اتنی ہی تعداد شہید ہو گی حضور علیہ السلام نے لوگوں کو جمع کر کے دونوں باتیں پیش کیں تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ لوگ ہمارے قبائل کے ہیں ہمارے رشتے دار بھائی ہیں ہم کیوں نہ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیں اور اس مال سے ہم طاقت قوت حاصل کر کے اپنے دوسرے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور پھر جو ہم میں سے اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے تو اس میں ہماری کیا برائی ہے' چنانچہ جرمانہ وصول کر کے ستر قیدیوں کو چھوڑ دیا اور ٹھیک ستر ہی کی تعداد مسلمانوں کی اس کے بعد غزوہ احد میں شہید ہوئی۔ ①

پس ایک مطلب تو یہ ہوا کہ خود تمہاری طرف سے یہ سب ہوا یعنی تم نے بدر کے قیدیوں کو زندہ چھوڑنا اور ان سے جرمانہ جنگ وصول کرنا اس شرط پر منظور کیا تھا کہ تمہارے بھی اتنے ہی آدمی شہید ہوں وہ شہید ہوئے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تھی اس باعث تمہیں یہ نقصان پہنچا تیر اندازوں کو رسول اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں لیکن وہ ہٹ گئے' اللہ تعالیٰ ہر چیز قادر ہے جو چاہے کرے جو ارادہ ہو حکم دے کوئی نہیں جو اس کا حکم ٹال سکے۔ ②



## لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے مثل

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ

① جامع الترمذی، السیر، باب ماجاء فی قتل الأساری والفداء، (١٥٦٧) وسنن النسائی (٨٦٦٢) وتفسیر الطبری (٨١٩٠) وإرواء الغلیل (٥/٤٨، ٤٩) ...... شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

② تفسیر ابن کثیر (١/٦٢٢)

وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ
وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ
نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ [سورة النسآء: ١١]

”اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے' اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا' اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے' اگر اس میت کی اولاد ہو' اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے' ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے' یہ حصے اس کی وصیت (کی تکمیل) کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد' تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے' یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں بیشک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے۔“

**تنبیہ**

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں بیمار تھا آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میری بیمار پرسی کے لیے بنوسلمہ کے محلے میں پیادہ پا تشریف لائے میں اس وقت بیہوش تھا آپ نے پانی منگوا کر وضو کیا پھر وضو کے پانی کا چھینٹا مجھے دیا جس سے مجھے ہوش آیا' تو میں نے کہا حضور ﷺ! میں اپنے مال کی تقسیم کس طرح کروں؟ اس پر آیت شریفہ نازل ہوئی۔ [1]

مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ دونوں حضرت سعد کی لڑکیاں

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، (سورة النساء) باب قوله: ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ﴾ (٤٥٧٧) وصحیح مسلم (١٦١٦)

ہیں' ان کے والد آپ کے ساتھ جنگ احد میں شریک تھے اور وہیں شہید ہوئے ان کے چچا نے ان کا کل مال لے لیا ہے ان کے لیے کچھ نہیں چھوڑا اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے نکاح بغیر مال کے نہیں ہو سکتے' آپ نے فرمایا اس کا فیصلہ خود اللہ کرے گا چنانچہ آیت میراث نازل ہوئی' آپ نے ان کے چچا کے پاس آدمی بھیج کر حکم بھیجا کہ دو تہائیاں تو ان دونوں لڑکیوں کو دو اور آٹھواں حصہ ان کی ماں کو دو اور باقی مال تمہارا ہے۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے حصہ دار مال کا صرف لڑکا تھا' ماں باپ کو بطور وصیت کے کچھ مل جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کیا اور لڑکے کو لڑکی سے دوگنا دلوایا اور ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ دلوایا اور تیسرا حصہ بھی اور بیوی کو آٹھواں حصہ اور چوتھا حصہ اور خاوند کو آدھا اور پاؤ۔[2]

**فائدہ**

① ورثا میں لڑکی اور لڑکے دونوں ہوں تو پھر اس اصول کے مطابق تقسیم ہوگی لڑکے چھوٹے ہوں یا بڑے اسی طرح لڑکیاں چھوٹی ہوں یا بڑی سب وارث۔ حتی کہ (ماں کے پیٹ میں زیر پرورش بچہ) بھی وارث ہوگا۔ البتہ کافر کی اولاد وارث نہ ہوگی۔

② اگر بیٹا کوئی نہ ہو تو مال کا دو تہائی دو سے زائد لڑکیوں کو دیئے جائیں گے اور اگر صرف دو ہی لڑکیاں ہوں' تب بھی انہیں دو تہائی حصہ ہی دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ احد میں شہید ہو گئے اور ان کی لڑکیاں تھیں۔ مگر سعد کے سارے مال پر ان کے بھائی نے قبضہ کر لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں لڑکیوں کو ان کے چچا سے دو تہائی مال دلوایا۔[3]

③ ماں باپ کے حصے کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

**پہلی صورت:** کہ مرنے والے کی اولاد بھی ہو تو مرنے والے کے ماں باپ میں سے

---

[1] سنن أبی داود، الفرائض، باب ماجاء فی میراث الصلب، (۲۸۹۱) وجامع الترمذی (۲۰۹۲) وسنن ابن ماجه (۲۷۲۰) ومسند الإمام أحمد (۳۵۲/۳) (الحدیث صحیح

[2] صحیح البخاری، التفسیر، (سورة النساء) باب قوله: ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾، (۴۵۷۸)

[3] جامع الترمذی (۲۰۹۲) وسنن أبی داود (۲۸۹۱)

ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی دو تہائی مال اولاد پر تقسیم ہو جائے گا مرنے والے کی اگر صرف ایک بیٹی ہو تو نصف مال (یعنی چھ حصوں میں سے تین حصے بیٹی کے ہوں گے اور ایک چھٹا حصہ ماں کو اور ایک چھٹا حصہ باپ کو دینے کے بعد) مزید ایک چھٹا حصہ باقی بچ جائے گا اس لیے بچنے والا یہ چھٹا حصہ بطور سربراہ باپ کے حصہ میں جائے گا۔ یعنی اس صورت میں باپ کو دو چھٹے حصے ملیں گے۔ ایک باپ کی حیثیت سے اور دوسرے' سربراہ ہونے کی حیثیت سے۔

**دوسری صورت:** کہ مرنے والے کی اولاد نہیں ہے (یاد رہے کہ پوتا پوتی بھی اولاد میں شامل ہیں) اس صورت میں ماں کے لیے تیسرا حصہ اور باقی دو حصے (جو ماں کے حصے میں دوگنا ہیں) باپ کو بطور عصبہ ملیں گے اور اگر ماں باپ کے ساتھ مرنے والے مرد کی بیوی یا مرنے والی عورت کا شوہر بھی زندہ ہے تو راجح قول کے مطابق بیوی یا شوہر کا حصہ (جس کی تفصیل آرہی ہے) نکال کر باقی ماندہ مال میں سے ماں کے لیے تیسرا حصہ اور باقی باپ کے لیے ہوگا۔

**تیسری صورت:** کہ ماں باپ کے ساتھ مرنے والے کے بھائی بہن زندہ ہیں۔ وہ بھائی چاہے سگے یعنی ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوں اور اگر اولاد بیٹا یا بیٹی اگر الگ باپ سے ہوں تو وراثت کے حقدار نہیں ہوں گے۔ لیکن ماں کے لیے حجب (نقصان کا سبب) بن جائیں گے یعنی جب ایک سے زیادہ ہوں گے تو ماں کے (تیسرے حصے) کو چھ حصوں میں تبدیل کر دیں گے۔ باقی سارا مال باپ کے حصے میں چلا جائے گا بشرطیکہ کوئی اور وارث نہ ہو۔

④ اس لیے تم اپنی سمجھ کے مطابق وراثت تقسیم مت کرو' بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق جس کا جتنا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے' وہ ان کو دے دو۔



# کہیں اصحاب السبت کی طرح ملعون نہ ہو جانا

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ

اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓی اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝﴾ [سورۃالنسآء: ٤٧]

''اے اہل کتاب جو کچھ ہم نے نازل فرمایا جو اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے اس پر ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انہیں الٹا کر پیٹھ کی طرف کر دیں یا ان پر لعنت بھیجیں جیسے ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کی اور ہے اللہ تعالیٰ کا کام کیا گیا۔''

**تفہیم**

اللہ عزوجل یہود و نصاریٰ کو حکم دیتا ہے کہ میں نے اپنی زبردست کتاب اپنے بہترین نبی کے ساتھ نازل فرمائی ہے جس میں خود تمہاری اپنی کتاب کی تصدیق بھی ہے اس پر ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ ہم تمہاری صورتیں مسخ کر دیں یعنی منہ بگاڑ دیں آنکھیں بجائے ادھر کے ادھر ہو جائیں' یا یہ مطلب کہ تمہارے چہرے مٹا دیں آنکھیں کان ناک سب مٹ جائیں پھر یہ مسخ چہرہ بھی الٹا ہو جائے۔ یہ عذاب ان کے بداعمالی کا بدلہ ہے یہی وجہ ہے کہ یہ حق سے ہٹ کر باطل کی طرف ہدایت سے پھر کر ضلالت کی جانب بڑھے چلے جا رہے ہیں بایں ہمہ اللہ تعالیٰ انہیں احساس دلا رہے ہیں کہ اب بھی باز آ جاؤ اور اپنے سے پہلے ایسی حرکت کرنے والوں کی صورتوں کے مسخ ہونے کو یاد کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی طرح تمہارا منہ الٹ دوں گا تاکہ تمہیں پچھلے پیروں چلنا پڑے تمہاری آنکھیں گدی کی طرف کر دوں اور بعض نے اسی جیسی تفسیر آیت ﴿ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۝ ﴾ میں بھی کی ہے غرض یہ ان کی گمراہی اور ہدایت سے دور پڑ جانے کی بری مثال بیان ہوئی ہے' حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں سچ مچ حق کے راستے سے ہٹا دیں اور گمراہی کی طرف متوجہ کر دیں' ہم تمہیں کافر بنا دیں اور تمہارے چہرے بندروں جیسے کر دیں (یعنی اگر اللہ چاہے تو تمہیں تمہارے کرتوتوں کی پاداش میں یہ سزا دے سکتا ہے۔)[1]

---

[1] تفسیر ابن کثیر (۱/۷۵۲)



## وہ تو غیر سے اللہ تعالیٰ کے ڈر کی طرح ڈرنے لگے

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْ لَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ ﴾ [سورة النسآء: ۷۷]

”کیا تم نے نہیں دیکھا جنہیں حکم کیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نمازیں پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو' پھر جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا تو اسی وقت ان کی ایک جماعت لوگوں سے اس قدر ڈرنے لگی جیسے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو' بلکہ اس سے بھی زیادہ' اور کہنے لگے اے ہمارے رب' تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا' کیوں ہمیں تھوڑی سی زندگی اور نہ جینے دیا؟۔ آپ کہہ دیجیے کہ دنیا کی سودمندی تو بہت ہی کم ہے اور پرہیزگاروں کے لیے تو آخرت ہی بہتر ہے اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ستم روا نہ رکھا جائے گا۔“

**تفہیم**

① سدی فرماتے ہیں صرف صلوٰۃ وزکوٰۃ کا حکم ہی تھا تو تمنائیں کرتے تھے کہ جہاد فرض ہو جب فریضہ جہاد نازل ہوا تو کمزور دل لوگ انسانوں سے ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ کہنے لگے: ”اے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کیا؟ کیوں ہمیں اپنی موت کے صحیح وقت تک فائدہ نہ اٹھانے دیا؟“ انہیں جواب ملتا ہے کہ دنیوی نفع بالکل ناپائیدار اور بہت ہی کم ہے ہاں متقیوں کے لیے آخرت دنیا سے بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔[1]

② مکے میں مسلمان چونکہ تعداد اور وسائل کے اعتبار سے لڑنے کے قابل نہیں تھے اس

[1] تفسیر ابن کثیر (۷۸۲/۱)

لیے مسلمانوں کی خواہش کے باوجود انہیں قتال سے روکے رکھا گیا اور دو باتوں کی تاکید کی جاتی رہی' ایک یہ کہ کافروں کے ظالمانہ رویے کو صبر اور حوصلے سے برداشت کریں اور عفو و درگزر سے کام لیں۔ دوسرے یہ کہ نماز زکوٰۃ اور دیگر عبادات و تعلیمات پر عمل کا اہتمام کریں تاکہ اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق مضبوط بنیادوں پر استوار ہو جائے۔



## انہیں بھی تمہاری طرح بے چینی ہوتی ہے

﴿ وَ لَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ﴾

[سورة النسآء: ١٠٤]

''ان لوگوں کا پیچھا کرنے سے ہارے دل ہو کر بیٹھ نہ رہو اگر تمہیں بے آرامی ہوتی ہے تو انہیں بھی تمہاری طرح بے آرامی ہوتی ہے اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو' جو امید انہیں نہیں' اور اللہ تعالیٰ دانا اور حکیم ہے۔''

**تفہیم**

① کہ تم لوگوں کو اپنے ایمان و یقین کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں عنایتوں اور برکتوں کی امید ہے' تم لوگوں کو شہادت کی اس موت کی امید ہے جو حیات جاوداں سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے اور تم کو جنت کی ان عظیم الشان و بے مثال اور سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی کی امید ہے جو اصل حقیقی اور سدا بہار کامیابی ہے۔

نیز تم کو جہاد فی سبیل اللہ کے اس مبارک و مسعود عمل کے دوران ہر ہر قدم' اور ہر ہر حالت و کیفیت پر اجر و ثواب کی امید ہے۔ سو جہاد فی سبیل اللہ کی اس عظیم الشان راہ میں تمہارے لیے خیر ہی خیر' اور سعادت ہی سعادت کی خوشخبری ہے۔ جبکہ تمہارے دشمنوں کے سامنے اس طرح کا کوئی بھی پاکیزہ مقصد اور نصب العین نہیں ہے۔ اور ان کے لیے محرومی ہی محرومی ہے۔ تو پھر تم لوگوں کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کے اس

مبارک و مسعود اور خیرات و برکات بھرے عمل جلیل کے سلسلہ میں کسی طرح کی کمزوری اور سستی دکھانا کس طرح روا ہو سکتا ہے؟ پس تم لوگ اے مسلمانو! اس راہ میں' اور اپنے دشمن کے تعاقب کے سلسلہ میں نہ کوئی کمزوری دکھاؤ اور نہ کسی طرح کی کوئی سستی روا رکھو۔ کہ اس راہ میں اٹھایا جانے والا ہر قدم خیر و برکت ہی کا ذریعہ ووسیلہ ہوگا' اور صدق نیت اور اخلاص عمل کے پائے جانے کی صورت میں تمہارے لیے نہ کسی طرح کی کوئی محرومی ہو سکتی ہے اور نہ کوئی خسارہ ونقصان' پس تمہیں آگے بڑھ کر' اور پورے جوش وخروش اور عزم وہمت کے ساتھ اس میں حصہ لینا چاہیے کہ اس میں خیر ہی خیر ہے۔ وباللہ التوفیق!

② یعنی زخم تو تمہیں بھی اور انہیں بھی دونوں کو پہنچے ہیں لیکن ان زخموں پر تمہیں تو اللہ سے اجر کی امید ہے۔ لیکن وہ اس کی امید نہیں رکھتے۔ اس لیے اجر آخرت کے حصول کے لیے جو محنت وکاوش تم کر سکتے ہو وہ کافر نہیں کر سکتے۔



# ورنہ تم بھی انہی کی طرح ہو جاؤ گے

﴿ وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًاۨ ﴾ [سورة النساء: ١٤٠]

''اور اللہ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو' یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقین کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔''

**تفہیم**

① یعنی منع کرنے کے باوجود اگر تم ایسی مجلسوں میں جہاں آیات الٰہی کا استہزا کیا جاتا ہو بیٹھو گے اور اس پر نکیر نہیں کرو گے تو پھر تم بھی گناہ میں ان کے برابر ہو گئے۔ جیسے ایک حدیث میں آتا ہے جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے' وہ اس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں شراب کا دور چلے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی مجلسوں اور اجتماعات میں شریک ہونا' جن میں اللہ اور رسول کے احکام کا قولاً یا عملاً مذاق اڑایا جاتا ہو جیسے آج کل کے امراء' فیشن ایبل اور مغرب زدہ حلقوں میں بالعموم ایسا ہوتا ہے' سخت گناہ ہے ﴿ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ کی وعید قرآنی اہل ایمان کے اندر کپکپی طاری کر دینے کے لیے کافی ہے بشرطیکہ دل کے اندر ایمان ہو۔

② کیونکہ ایسی صورت میں ان کے ساتھ بیٹھنا ان کے عمل سے راضی ہونے کی نشانی اور اس کا ثبوت ہے' اور رضا بالکفر کا کفر ہونا ایک مسلمہ امر ہے والعیاذ باللہ العظیم۔ سو مومن صادق کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی ایسی مجلس میں بیٹھے جہاں اللہ کی آیتوں کے خلاف کفر بکا جا رہا ہو اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہو۔ اِلَّا یہ کہ کسی کو وہاں پر کلمہ حق کہنے کا موقع ملے اور وہ اصلاح احوال کی کوشش کر سکے' اور اس دینی فائدے کی توقع پائی جاتی ہو۔

③ یہ دونوں گروہ یعنی کفار اور منافقین کفر میں باہم شریک اور یکجا ہیں' اس لیے اپنے اس اشتراک کفر کی بناء پر دونوں جہنم میں یکجا ہوں گے' منافق اگرچہ اوپر سے اسلام کا نام لیتا اور اس کا دم بھرتا ہے' لیکن اس کے اندر بھی کفر ہی ہے اس لیے دھوکہ دہی کے لیے کلمہ پڑھنا اس کو کچھ کام نہیں آ سکے گا' بلکہ منافق لوگ کھلے کافروں سے زیادہ خطرناک ہیں' کیونکہ یہ مسلمانوں کے اندر چھپے ہوئے' اور مار آستین کی حیثیت رکھنے والے خطرناک دشمن ہیں' اس لیے ان کی سزا بھی کھلے کافروں سے بڑھ کر ہے کہ ان کو دوزخ کے سب سے نچلے گڑھے میں رہنا ہو گا' جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾ [النساء ـ ١٤٥] ...... والعیاذ باللہ!



# ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے...!

﴿ اِنَّاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ كَمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِیْسٰی وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَیْمٰنَ ۚ وَ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾ [سورة النساء: ١٦٣]

''یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی، اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد پر اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان علیہم السلام کی طرف، ہم نے (داود علیہ السلام) کو زبور عطا فرمائی۔''

**تفہیم**

① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سکین اور عدی بن زید نے کہا ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نہیں مانتے کہ حضرت موسیٰ کے بعد اللہ نے کسی انسان پر کچھ اتارا ہو۔'' اس پر یہ آیتیں اتریں۔①

② جن انبیاء کرام علیہم السلام کے نام قرآن کے الفاظ میں آ گئے ہیں وہ یہ ہیں، آدم، ادریس، نوح، ہود، صالح، ابراہیم، لوط، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، شعیب، موسیٰ، ہارون، یونس، داوٗد، سلیمان، یوشع، زکریا، عیسیٰ، یحییٰ علیہم السلام اور بقول اکثر مفسرین ذوالکفل اور ایوب اور الیاس) اور ان سب کے سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سے ایسے رسول بھی ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں کیا گیا، اسی وجہ سے انبیاء اور مرسلین کی تعداد میں اختلاف ہے، اس بارے میں مشہور حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

③ ابوذر غفاری بیان کرتے ہیں کہ: میں مسجد میں آیا اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تشریف فرما تھے، میں بھی آپ کے پاس بیٹھ گیا اور کہا آپ نے نماز کا حکم دیا ہے آپ نے فرمایا: ''ہاں وہ بہتر چیز ہے، چاہے کوئی زیادتی کرے چاہے کمی۔''

① (۸۷۹/۱)

میں نے کہا: حضور ﷺ. کون سے اعمال افضل ہیں..؟

فرمایا: ”اللہ پر ایمان لانا' اس کی راہ میں جہاد کرنا۔“

میں نے کہا: حضور ﷺ کونسا مسلمان اعلیٰ ہے....؟

فرمایا: ”جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں“

میں نے پوچھا: کونسی ہجرت افضل ہے...؟

فرمایا: ”برائیوں کو چھوڑ دینا“

میں نے پوچھا: کونسی نماز افضل ہے....؟

فرمایا: ”لمبے قنوت والی۔“

میں نے کہا: کونسا روزہ افضل ہے...؟

فرمایا: ”فرض کفایت کرنے والا ہے اور اللہ کے پاس بہت بڑھا چڑھا ثواب ہے۔“

میں نے پوچھا: کونسا جہاد افضل ہے...؟

فرمایا: ”جس کا گھوڑا بھی کاٹ دیا جائے اور خود اس کا بھی خون بہا دیا جائے۔“

میں نے کہا: غلام کو آزاد کرنے کے عمل میں افضل کیا ہے...؟

فرمایا: ”جس قدر گراں قیمت ہو اور مالک کو زیادہ پسند ہو۔“

میں نے پوچھا: صدقہ کونسا افضل ہے...؟

فرمایا: ”کم مال والے کا کوشش کرنا اور چپکے سے محتاج کو دے دینا۔“

میں نے کہا: قرآن میں سب سے بڑی آیت کونسی ہے..؟

فرمایا: ”آیت الکرسی۔“

پھر آپ نے فرمایا: ”اے ابوذر ساتوں آسمان کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کوئی حلقہ کسی چٹیل میدان کے مقابلے میں اور عرش کی فضیلت کرسی پر بھی ایسی ہے جیسے وسیع میدان کی حلقے پر۔“

میں نے عرض کیا: حضور ﷺ انبیاء کتنے ہیں...؟

فرمایا: ”ایک لاکھ چوبیس ہزار۔“

میں نے کہا: ان میں سے رسول کتنے ہیں...؟

فرمایا: ''تین سو تیرہ کی بہت بڑی پاک جماعت۔''

میں نے پوچھا: سب سے پہلے کون ہیں....؟

فرمایا: ''آدم۔''

میں نے کہا: کیا وہ بھی نبی رسول تھے...؟

فرمایا: ''ہاں انہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح ان میں پھونکی اور انہیں صحیح تر بنایا۔ پھر آپ نے فرمایا سنو چار تو سریانی ہیں' آدم' شیث' خنوخ اور یہی ادریس ہیں' جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے لکھا اور نوح اور چار عربی ہیں ہود' شعیب' صالح اور تمہارے نبی' سب سے پہلے رسول حضرت آدم ہیں اور سب سے آخری رسول حضرت محمد ہیں (ﷺ)۔

میں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے کتابیں کس قدر نازل فرمائی ہیں...؟

فرمایا: '' ایک سو چار' حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے' حضرت خنوخ علیہ السلام (ادریس علیہ السلام) پر تیس صحیفے' حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات سے پہلے دس صحیفے اور تورات انجیل زبور اور فرقان۔

میں نے کہا: یا رسول اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا...؟

فرمایا: ''اس کی مرکزی تعلیم جبر سے مسلط بادشاہ کو اس کے اقتدار کا مقصد سمجھانا تھا اور اسے مظلوم کی فریاد رسی کرنے کا احساس دلانا تھا۔ جس کی دعا کو اللہ تعالیٰ لازماً قبول فرماتے ہیں۔ چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو' دنیا کا مال جمع کرنے سے روکنا تھا اور ان میں نصائح تھیں مثلاً یہ کہ عقل مند کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنا نظام الاوقات بنائے' وقت کے ایک حصہ میں وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرے' دوسرے حصہ میں اپنے خالق کی صفات پہ غور و فکر کرے' بقیہ حصہ میں تدبیر معاش میں مشغول ہو۔

عقل مند کو تین چیزوں کے سوا کسی اور چیز میں دلچسپی نہ لینا چاہیے۔

ایک تو آخرت کے زاد راہ کی فکر۔

دوسرے سامان زیست۔

اور تیسرے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ نعمتوں سے لطف اندوز ہونا یا فکر معاش یا غیر حرام

چیزوں سے سرور ولذت۔ عقل مند کو اپنے وقت کو غنیمت سمجھ کر سرگرم عمل رہنا چاہیے' اپنی زبان پر قابو اور قول وفعل میں یکسانیت برقرار رکھنا چاہیے' وہ بہت کم گو ہوگا' بات وہی کہو جو تمہیں نفع دے۔"

میں نے پوچھا: موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا...؟

فرمایا: "وہ عبرت دلانے والی تحریروں کا مجموعہ تھے' مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو موت کا یقین رکھتا ہے پھر بھی غافل ہے' تقدیر کا یقین رکھتا ہے پھر بھی مال دولت کے لیے پاگل ہو رہا ہے' ہائے وائے میں پڑا ہوا ہے' دنیا کی بے ثباتی دیکھ کر بھی اسی کو سب کچھ سمجھتا ہے' قیامت کے دن حساب کو جانتا ہے پھر بے عمل ہے۔

میں نے عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اگلے انبیاء کی کتابوں میں جو تھا اس میں سے بھی کچھ ہماری کتاب میں ہمارے ہاتھوں میں ہے...؟

آپ نے فرمایا: "ہاں پڑھو آیت ﴿ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴾ آخر سورت تک۔

میں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وصیت کیجیے۔

آپ نے فرمایا: "میں تجھے اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں' یہی تیرے اعمال کی روح ہے۔

میں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وصیت کیجیے۔

آپ نے فرمایا: "میں تجھے اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں' یہی تیرے اعمال کی روح ہے۔

میں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ اور بھی۔

آپ نے فرمایا: قرآن کی تلاوت اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہ وہ تیرے لیے آسمانوں میں ذکر اور زمین میں نور کے حصول کا سبب ہوگا۔

میں نے پھر کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مزید فرمایئے۔

فرمایا: "خبردار زیادہ ہنسی سے باز رہو زیادہ ہنسی دل کو مردہ اور چہرے کا نور دور کر دیتی ہے"

میں نے پھر کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مزید فرمایئے

فرمایا: ''خبردار زیادہ ہنسی سے باز رہو زیادہ ہنسی دل کو مردہ اور چہرے کا نور دور کر دیتی ہے۔''

میں نے کہا: اور زیادہ۔

فرمایا: ''جہاد میں مشغول رہو میری امت کی رہبانیت یعنی درویشی یہی ہے۔''

میں نے کہا: اور وصیت کیجیے۔

فرمایا: ''بھلی بات کہنے کے سوا زبان بند رکھو اس سے شیطان بھاگ جائے گا اور دینی کاموں میں بڑی تائید ہوگی۔''

میں نے کہا: کچھ اور بھی فرما دیجیے۔

فرمایا: اپنے سے نیچے درجے کے لوگوں کو دیکھا کرو اور اپنے سے اعلیٰ درجہ کے لوگوں پر نظریں نہ ڈالو اس سے تمہارے دل میں اللہ کی نعمتوں کی عظمت پیدا ہوگی۔''

میں نے کہا: مجھے اور زیادہ نصیحت کیجیے۔

فرمایا: ''مسکینوں سے محبت رکھو اور ان کے ساتھ بیٹھو اس سے اللہ کی رحمتیں تمہیں گراں قدر معلوم ہوں گی۔

میں نے کہا: اور فرمائیے۔

فرمایا: ''قرابت داروں سے ملتے رہو چاہے وہ تجھ سے نہ ملیں۔''

میں نے کہا: اور فرمائیے۔

فرمایا: ''سچ بات کہو چاہے وہ کسی کو کڑوی لگے۔''

میں نے اور بھی نصیحت طلب کی۔

فرمایا: ''اللہ کے بارے میں ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کر۔''

میں نے کہا: اور فرمائیے۔

فرمایا: ''اپنے عیبوں پر نظر رکھا کر دوسروں کی عیب جوئی سے باز رہو پھر میرے سینے پر آپ نے اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا: اے ابوذر تدبیر کے مانند کوئی عقل مندی نہیں اور حرام سے رک جانے سے بڑھ کر کوئی پرہیز گاری نہیں اور اچھے اخلاق سے بہتر کوئی

---

① ابن حبان (٣٦١) وأبو نعيم (١/١٦٦، ١٦٨) ومسند الإمام أحمد (٥/١٧٨، ١٧٩) ......

حسب نسب نہیں۔" مسند احمد میں بھی یہ حدیث کچھ اسی مفہوم کی ہے۔"①

## مرد کے لیے حصہ ہے مثل دو عورتوں کے

﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَ اِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ﴾

[سورة النسآء: ۱۷٦]

"آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ (خود) تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور ایک بہن ہو تو اس چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کے اولاد نہ ہو، پس اگر بہن دو ہوں تو انہیں کل چھوڑے ہوئے کا دو تہائی ملے گا، اور کئی شخص اس ناطے کے ہیں (فوت شدہ کے بہن بھائی) مرد بھی عورتیں بھی تو مرد کے لیے حصہ ہے مثل دو عورتوں کے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بیان فرما رہا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تم بہک جاؤ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔"

**تفہیم**

① کلالہ، اس مرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ جس کا باپ ہو نہ بیٹا یہاں پھر اس کی میراث کا ذکر ہو رہا ہے۔ بعض لوگوں نے کلالہ اس شخص کو قرار دیا ہے جس کا صرف بیٹا نہ ہو یعنی باپ موجود ہو۔

② اسی طرح باپ بھی نہ ہو۔ اس لیے باپ بھائی کے قریب ہے، باپ کی موجودگی میں بھائی وارث ہی نہیں ہوتا اگر اس کا کلالہ عورت کا خاوند یا کوئی ماں جایا بھائی ہوگا تو

...... یہ روایت ضعیف ہے۔ اس کی سند میں ابراہیم بن ہشام راوی کذاب ہے۔ الجرح والتعدیل (۱٤۲/۲) ومیزان الاعتدال (۷۳/۱، ۳۷۸/٤) ...... اس کا بعض حصہ صحیح احادیث میں موجود ہے۔

① تفسیر ابن کثیر (۸۹۱/۱)

ان کا حصہ نکالنے کے بعد باقی مال کا وارث بھائی قرار پائے گا۔ ①

③ یہی حکم دو سے زائد بہنوں کی صورت میں بھی ہوگا۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ کلالہ شخص کی دو یا دو سے زائد بہنیں ہوں تو انہیں کل مال کا دو تہائی حصہ ملے گا۔

④ یعنی کلالہ کے وارث مخلوط (مرد اور عورت دونوں) ہوں تو پھر ایک مرد دو عورت کے برابر۔



# افسوس کہ میں کوے جیسا بھی نہیں

﴿ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ ﴾ [سورة المائدة: ۳۱]

"پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا تا کہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دے' وہ کہنے لگا ہائے افسوس کہ میں ایسا کرنے سے بھی گیا گزرا ہو گیا ہوں کہ اس کوے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفنا دیتا پھر تو (بڑا ہی) پشیماں اور شرمندہ ہو گیا۔"

## تنبیہ

① چونکہ اس سے پہلے کوئی انسان مرا نہ تھا اس لیے قتل کے بعد اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ لاش کو کیا کرے۔ آخر ایک کوے کو دیکھا کہ زمین کرید رہا ہے یا دوسرے مردہ کوے کو مٹی ہٹا کر زمین میں چھپا رہا ہے اسے دیکھ کر کچھ عقل آئی کہ میں بھی اپنے بھائی کی لاش کو دفن کر دوں اور افسوس بھی ہوا کہ میں عقل وفہم اور بھائی کی ہمدردی میں اس جانور سے بھی گیا گزرا ہوں شاید اسی لیے حق تعالیٰ نے ایک ادنیٰ جانور کے ذریعہ سے اسے تنبیہ فرمائی کہ وہ اپنی وحشت اور حماقت پر کچھ شرمائے جانوروں میں کوے کی یہ خصوصیت ہے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کھلا چھوڑ دینے پر بہت شور مچاتا ہے۔

② پچھتانا وہ نافع ہے جس کے ساتھ گناہ سے معذرت وانکسار اور فکر وتدارک بھی ہو۔

اس موقع پر اس کا پچھتانا حق تعالیٰ کے عصیان پر نہیں بلکہ اپنی بدحالی پر تھا جو قتل کے بعد اسے لاحق ہوئی۔



## دم کی مثل دم

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَ مَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ۝﴾ [سورة المائدة: ۹۵]

''اے ایمان والو! (وحشی) شکار کو قتل مت کرو جب کہ تم حالت احرام میں ہو اور جو شخص تم میں سے اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا' تو اس پر فدیہ واجب ہوگا جو کہ مساوی ہوگا اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم سے دو معتبر شخص کر دیں خواہ وہ فدیہ خاص چوپایوں میں سے ہو جو نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچایا جائے اور خواہ کفارہ مساکین کو دے دیا جائے اور خواہ اس کے برابر روزے رکھ لیے جائیں تا کہ اپنے کیے کی شامت کا مزہ چکھے' اللہ تعالیٰ نے گزشتہ کو معاف کر دیا اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا تو اللہ انتقام لے گا اور اللہ زبردست ہے انتقام لینے والا۔''

**تفہیم**

① امام شافعی رحمہ اللہ نے اس سے مراد صرف ان جانوروں کا قتل لیا ہے جو ماکول اللحم ہیں یعنی کھانے کے کام آتے ہیں۔ دوسرے بری جانوروں کا قتل وہ جائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر علماء کے نزدیک اس میں کوئی تفریق نہیں۔ البتہ ان موذی جانوروں کا قتل جائز ہے

① صحيح مسلم، الحج، باب ما يندب للمحرم وغيره قتله، (۱۱۹۸) وصحيح البخاري (۳۳۱٤)

جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے اور وہ پانچ ہیں کوا' چیل' بچھو' چوہا اور باؤلا کتا۔ ①

② (جان بوجھ کر) کے الفاظ سے بعض علما نے استدلال کیا ہے کہ بغیر ارادہ کے معنی بھول کر قتل کر دے تو اس کے لیے فدیہ نہیں ہے۔ لیکن زیادہ علما کے نزدیک بھول کر' یا غلطی سے بھی قتل ہو جائے تو فدیہ واجب ہوگا۔

③ مساوی جانور (یا اس جیسے جانور) سے مراد خلقت قد و قامت میں مساوی ہونا ہے۔ قیمت میں مساوی ہونا نہیں ہے۔۔ مثلاً اگر ہرن کو قتل کیا گیا تو اس کی شکل (مساوی) بکری ہے' گائے کی مثل نیل گائے ہے وغیرہ۔ البتہ جس جانور کا مثل نہ مل سکتا ہو' وہاں اس کی قیمت بطور فدیہ لے کر مکہ پہنچا دی جائے۔

④ کہ مقتول جانور کی مثل (مساوی) فلاں جانور ہے اور اگر وہ غیر مثل ہے یا مثل دستیاب نہیں ہے تو اس کی اتنی قیمت ہے۔ اس قیمت سے غلہ خرید کر مکہ کے مساکین میں فی مسکین ایک مد کے حساب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔

⑤ یہ فدیہ' جانور یا اس کی قیمت' کعبہ پہنچائی جائے گی اور کعبہ سے مراد حرم ہے۔

⑥ یعنی کفارہ' اطعام مساکین ہو یا اس کے برابر روزے۔ دونوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنا جائز ہے۔ مقتول جانور کے حساب سے طعام میں جس طرح کی کمی بیشی ہوگی' روزوں میں بھی کمی بیشی ہوگی مثلاً محرم (احرام والے) نے ہرن قتل کیا ہے تو اس کی مثل بکری ہے' یہ فدیہ حرم مکہ میں ذبح کیا جائے گا' اگر یہ نہ ملے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک قول کے مطابق چھ مساکین کو کھانا یا تین دن کے روزے رکھنے ہوں گے' اگر بارہ سنگھا ہے یا اس جیسا کوئی جانور قتل کیا ہے تو اس کی مثل گائے ہے' اگر یہ دستیاب نہ ہو یا اس کی طاقت نہ ہو تو بیس مساکین کو کھانا یا بیس روزے رکھنے ہوں گے۔ ①



## وہ پرندے کی طرح شکل بناتے تھے

① تفسیر ابن کثیر (۳۵/۲)

﴿ إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدْتُكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِإِذْنِي وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَآءِيلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴾ [سورة المائدة: ۱۱۰]

"جب اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوا جب میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی۔ تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی جب کہ میں نے تم کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی اور جب کہ تم میرے حکم سے گارے سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندے کی شکل ہوتی ہے پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے۔ اور تم اچھا کر دیتے تھے مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے جب کہ تم مردوں کو نکال کر کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا جب تم ان کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے پھر ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا کہ بجز کھلے جادو کے یہ اور کچھ بھی نہیں۔"

**تفہیم**

① گود میں اس وقت کلام کیا' جب حضرت مریم علیہا السلام اپنے اس نومولود (بچے) کو لے کر اپنی قوم میں آئیں اور انہوں نے اس بچے کو دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا اور اس کی بابت استفسار کیا تو اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیرخوارگی کے عالم میں کلام کیا اور

---

① ﴿ كَهْلًا ﴾ کا معنی "ادھیڑ عمری" ہے۔ جو کہ پینتالیس سال کے بعد شروع ہوتی ہے۔ ادھیڑ عمری میں گفتگو کرنا کوئی معجزہ نہیں' ادھیڑ عمری میں تو سب گفتگو کرتے ہیں۔ (إلا ما شاء الله) مگر یہاں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ادھیڑ عمری میں گفتگو کے ذکر سے ان کا زندہ آسمان کی طرف اٹھایا جانا اور پھر ادھیڑ عمری میں دوبارہ واپس دنیا میں نازل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

بڑی عمر میں کلام سے مراد نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد دعوت تبلیغ ہے۔ ①

② حضرت مسیح علیہ السلام پر جو احسانات تھے ان کا اور آپ کے معجزوں کا بیان ہو رہا ہے کہ بغیر باپ کے صرف ماں سے آپ کو پیدا کیا اور اپنی کمال قدرت کا نشان آپ کو بنایا' پھر آپ کی والدہ پر احسان کیا کہ ان کی براءت اسی بچے کے منہ سے کرائی اور جس برائی کی نسبت ان کی طرف بیہودہ لوگ کر رہے تھے اللہ نے آج کے پیدا شدہ بچے کی زبان سے ان کی پاک دامنی کی شہادت اپنی قدرت سے دلوائی' جبریل علیہ السلام کو اپنے نبی کی تائید پر مقرر کر دیا' بچپن میں اور بڑی عمر میں انہیں اپنی دعوت دینے والا بنایا گیا' گہوارے میں ہی بولنے کی طاقت عطا فرمائی' اپنی والدہ محترمہ کی براءت ظاہر کر کے اللہ کی عبودیت کا اقرار کیا اور اپنی رسالت کی طرف لوگوں کو بلایا' مراد کلام کرنے سے اللہ کی طرف بلانا ہے ورنہ بڑی عمر میں کلام کرنا کوئی خاص بات یا تعجب کی چیز نہیں۔ لکھنا اور سمجھنا آپ کو سکھایا۔ تورات جو کلیم اللہ پر اتری تھی اور انجیل جو آپ پر نازل ہوئی دونوں کا علم آپ کو سکھایا۔ ①



## وہ اپنے بیٹوں کی طرح نبی ﷺ کو پہچانتے ہیں

﴿ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾ [سورة الأنعام: ۲۰]

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ لوگ رسول کو پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں' جن لوگوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

**تفہیم**

یعنی اہل کتاب آپ ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی صفات ان کی کتابوں میں بیان کی گئیں تھیں اور ان صفات کی وجہ سے وہ آخری نبی کے

---

① تفسیر ابن کثیر (۵۳/۲)

منتظر بھی تھے۔ البتہ حسد' کبر' تقلید آباء' اور حب جاہ و مال وغیرہ اجازت نہیں دیتے کہ مشرف بایمان ہو کر اپنی جانوں کو نقصان دائمی اور ہلاکت ابدی سے بچائیں۔ اس لیے اب ان میں سے ایمان نہ لانے والے سخت خسارے میں ہیں کیونکہ یہ علم رکھتے ہوئے بھی انکار کر رہے ہیں۔



## تمہاری طرح کی امتیں

﴿ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴾ [سورة الأنعام: ۳۸]

"اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمہاری طرح کے گروہ نہ ہوں' ہم نے دفتر میں کوئی چیز نہیں چھوڑی' پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کیے جائیں گے۔"

**تفہیم**

① یعنی انہیں بھی اللہ نے اسی طرح پیدا فرمایا جس طرح تمہیں پیدا کیا' اسی طرح انہیں روزی دیتا ہے جس طرح تمہیں دیتا ہے اور تمہاری ہی طرح وہ بھی اس کی قدرت و علم کے تحت داخل ہیں۔

② کتاب دفتر سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یعنی وہاں ہر چیز درج ہے یا مراد قرآن ہے جس میں اجمالاً یا تفصیلاً دین کے ہر معاملے پر روشنی ڈالی گئی ہے' جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:
"ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔" [النحل:۸۹]

③ یعنی تمام مذکورہ گروہ اکٹھے کیے جائیں گے۔ اس سے علماء کے ایک گروہ نے استدلال (ثبوت) کیا ہے' جس طرح تمام انسانوں کو زندہ کر کے ان کا حساب کتاب لیا جائے گا' جانوروں اور دیگر تمام مخلوقات کو بھی زندہ کر کے ان کا حساب کتاب بھی ہوگا۔ لیکن انہیں بعد میں ختم کر دیا جائے گا اور جن و انس کو جنت و دوزخ

میں ڈالا جائے گا۔ جس طرح ایک حدیث میں بھی نبی ﷺ نے فرمایا:

''کسی سینگ والی بکری نے اگر بغیر سینگ والی بکری پر کوئی زیادتی کی ہوگی تو قیامت والے دن سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔''①



## اس شخص کی مانند جس کو شیطان نے چھوا ہو

﴿ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ لَا يَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِی الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ ﴾

''آپ کہہ دیجیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیز کو پکاریں کہ وہ نہ ہم کو نفع پہنچائے اور نہ ہم کو نقصان پہنچائے کیا ہم الٹے پھر جائیں اس کے بعد کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کردی ہے' جیسے کوئی شخص ہو کہ اس کو شیطان نے کہیں جنگل میں بے راہ کردیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو اس کے ساتھی بھی ہوں کہ ہمارے پاس آ' آپ کہہ دیجیے کہ یقینی بات ہے کہ راہ راست وہ خاص اللہ ہی کی راہ ہے اور ہم کو یہ حکم ہوا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے مطیع ہو جائیں۔''

**تفہیم**

① یہ ان لوگوں کی مثال بیان فرمائی ہے جو ایمان کے بعد کفر اور توحید کے بعد شرک کی طرف لوٹ جائیں ان کی مثال ایسے ہی ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھیوں سے بچھڑ جائے جو سیدھے راہ پر جا رہے ہوں۔ اور بچھڑ جانے والا جنگلوں میں حیران وپریشان بھٹکتا پھر رہا ہو' ساتھی اسے بلا رہے ہوں لیکن حیرانی میں اسے کچھ سجھائی نہ دے رہا ہو یا جنات کے نرغے میں پھنس جانے کے باعث صحیح راستے کی طرف توجہ

---

① صحیح مسلم (۲۵۸۲) وابن حبان (۷۳۶۳) وجامع الترمذی (۲۴۲۰) ومسند الإمام

اس کے لیے ممکن نہ رہی ہو۔

② مطلب یہ کہ کفر اور شرک اختیار کر کے جو گمراہ ہو گیا' وہ بھٹکے ہوئے راہی کی طرح ہدایت کی طرف نہیں آ سکتا۔ ہاں البتہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہدایت مقدر کر دی ہے تو یقیناً اللہ کی توفیق سے وہ راہ یاب ہو جائے گا۔ کیونکہ ہدایت پر چلا دینا اُسی کا کام ہے۔ جیسے دوسرے مقامات پر فرمایا گیا' جس کو وہ گمراہ کر دے۔ اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔



## اس کا کہنا کہ میرے پاس بھی مثل قرآن ہے

﴿ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَ لَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ [سورة الأنعام: ٩٣]

"اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ نے نازل کیا ہے اسی طرح کا میں بھی لاتا ہوں اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ ہاں اپنی جانیں نکالو' آج تمہیں ذلت کی سزا دی جائے گی' اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔"

**تفہیم**

① ظالم سے مراد ہر ظالم ہے اور اس میں کتاب الٰہی کا انکار کرنے والے اور جھوٹے مدعیان نبوت سب سے پہلے شامل ہیں۔ فرشتے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے یعنی جان

نکالنے کے لیے (آج) سے مراد قبض روح کا دن اور یہی عذاب کے آغاز کا وقت بھی ہے جس کا مبدأ قبر ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عذاب قبر برحق ہے۔ ورنہ ہاتھ پھیلانے اور جان نکالنے کا حکم دینے کے ساتھ اس بات کے کہنے کے کوئی معنی نہیں کہ آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ خیال رہے قبر سے مراد برزخ کی زندگی ہے۔ یعنی دنیا کی زندگی کے بعد آخرت کی زندگی سے قبل' یہ ایک درمیان کی زندگی ہے جس کا عرصہ انسان کی موت سے قیامت کے وقوع تک ہے۔ یہ برزخی زندگی کہلاتی ہے۔ چاہے اسے کسے درندے نے کھایا ہو' اس کی لاش سمندر کی موجوں کی نذر ہوگئی ہو یا اسے جلا کر راکھ بنا دیا گیا یا قبر میں دفنا دیا گیا ہو۔ یہ برزخ کی زندگی ہے جس میں عذاب دینے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔

۲ اللہ کے ذمے جھوٹی باتیں لگانے میں انزال کتب اور ارسال رسل کا انکار بھی ہے اور جھوٹا دعوائے نبوت بھی ہے اسی طرح نبوت و رسالت کا انکار و استکبار ہے۔ ان دونوں وجوہ سے انہیں ذلت و رسوائی کا عذاب دیا جائے گا۔



## راہ راست پر چلنے والے کی مثال

﴿ اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ ﴾ [سورة الأنعام: ۱۲۲]

"ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم اس کو ایک ایسا نور دیا کہ وہ اس کو لیے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے' کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے؟ جو تاریکیوں سے نکل ہی نہیں پاتا' اسی طرح کافروں کو ان کے اعمال خوش نما معلوم ہوا کرتے ہیں۔"

**تفہیم**

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو میت (مردہ) مومن کو حی (زندہ) قرار دیا۔ اس

لیے کہ کافر کفر وضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے اور اس سے نکل ہی نہیں پاتا جس کا نتیجہ ہلاکت و بربادی ہے۔ اور مومن کے دل کو اللہ تعالیٰ ایمان کے ذریعے سے زندہ فرماتا ہے جس سے زندگی کی راہیں اس کے لیے روشن ہو جاتی ہیں اور وہ ایمان اور ہدایت کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے، جس کا نتیجہ کامیابی اور کامرانی ہے۔



## اسی طرح سے ہم نے ان کے سرکش لوگوں سے کیا

﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا وَ مَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ۝ ﴾ [سورة الأنعام: ۱۲۳]

''اور اس طرح ہم ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا تاکہ وہ لوگ وہاں فریب کریں اور لوگ اپنے ہی ساتھ فریب کر رہے ہیں اور ان کو ذرہ خبر نہیں۔''

**تفہیم**

مراد کافروں اور فاسقوں کے سرغنے اور کھڑپینچ ہیں کیونکہ یہی انبیاء علیہم السلام اور داعیان حق کی مخالفت میں پیش پیش ہوتے ہیں اور عام لوگ تو صرف ان کے پیچھے لگنے والے ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایسے لوگ عام طور پر دنیاوی دولت اور خاندانی وجاہت کے اعتبار سے بھی نمایاں ہوتے ہیں۔



## اگر پہلے رسولوں کی مثل دیئے جاؤ تو..!

﴿ وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ۝ ﴾ [سورة الأنعام: ۱۲۴]

''اور جب ان کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں

گے جب تک کہ ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے' اس موقع کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے' عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے جرم کیا اللہ کے پاس پہنچ کر ذلت پہنچے گی اور ان کی شرارتوں کے مقابلے میں سخت سزا۔''

**تفهیم**

① یعنی یہ فیصلہ کرنا کہ کس کو نبی بنایا جائے؟ یہ تو اللہ ہی کا کام ہے کیونکہ وہی ہر بات کی حکمت و مصلحت کو جانتا ہے اور اسے ہی معلوم ہے کون اس منصب کا اہل ہے؟ مکہ کا کوئی چوہدری اور رئیس یا جناب عبداللہ وحضرت آمنہ کا درِ یتیم۔

② ساری مخلوق میں سے آپ ﷺ ہی ہیں جو سب سے اعلیٰ حسب ونسب والے' اور اس لائق ہیں کہ آپ کو پیغمبری تاج پہنایا جائے' مسند احمد کی حدیث میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام سے اسماعیل علیہ السلام کو پسند فرمایا۔ اولاد اسماعیل علیہ السلام سے بنو کنانہ کو پسند فرمایا۔ بنو کنانہ سے قریش کو قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھے۔[1]

ایک مرتبہ جبکہ آپ کو لوگوں کی بعض کہی ہوئی باتیں پہنچیں تو آپ منبر پر تشریف لائے اور لوگوں سے پوچھا میں کون ہوں؟ انہوں نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق میں مجھے بہتر بنایا ہے مخلوق کو جب دو حصوں میں تقسیم کیا تو مجھے ان دونوں میں جو بہتر حصہ تھا اس میں کیا پھر قبیلوں کی تقسیم کے وقت مجھے سب سے بہتر قبیلے میں کیا پھر جب گھر داریوں میں تقسیم کیا تو مجھے سب سے اچھے گھرانے میں بنایا پس میں گھرانے کے اعتبار سے اور ذات کے اعتبار سے تم سب سے بہتر ہوں۔[2]

---

① مسند الإمام أحمد (٤/١٠٧) وصحيح مسلم (٢٢٧٦) وجامع الترمذي (٣٦٠٥)

② مسند الإمام أحمد (١/٢١٠) وجامع الترمذي، كتاب المناقب، باب ما جاء في فضل النبي ﷺ، (٣٦٠٨) ...... شواہد کی بناء پر یہ روایت حسن ہے۔ الطبراني في الكبير (٢٨٦) ومجمع الزوائد (٨/١٢٤، ٢١٥)



## جیسے کوئی آسمان پر چڑھتا ہے

﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَ مَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝ ﴾ [سورة الأنعام: ١٢٥]

''سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہے اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے جس کو بے راہ رکھنا چاہے اس کے سینے کو بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی آسمان پر چڑھتا ہے' اس طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر ناپاکی مسلط کر دیتا ہے۔''

**تفہیم**

① یعنی جس طرح زور لگا کر آسمان پر چڑھنا ممکن نہیں۔ اسی طرح جس شخص کے سینے کو اللہ تعالیٰ تنگ کر دے اس میں توحید اور ایمان کا داخلہ ممکن نہیں' الا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا سینہ اس کے لیے کھول دے۔

② اللہ کا ارادہ جسے ہدایت کرنے کا ہوتا ہے اس پر نیکی کے راستے آسان ہو جاتے ہیں جیسے فرمان الٰہی ہے: ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ ﴾ [سورة الزمر: ٢٢] یعنی اللہ ان کے سینے اسلام کی طرف کھول دیتا ہے اور انہیں اپنا نور عطا فرماتا ہے اور نیز ایک آیت میں فرمایا: ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۝ ﴾ [سورة الحجرات: ٧] اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت پیدا کر دی اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دار بنا دیا۔'' اور کفر فسق اور نافرمانی کی تمہارے دلوں میں کراہیت ڈال دی یہی لوگ راہ یافتہ اور نیک بخت ہیں۔[1]

③ رجس سے مراد پلیدی یا عذاب یا شیطان کا تسلط ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر (١٥٠/٢)



# جیسا کہ تمہیں پیدا کیا

﴿ وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُوالرَّحْمَةِ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ۝ ﴾ [سورة الأنعام: ١٣٣]

''اور آپ کا رب بالکل غنی ہی ہے رحمت والا ہے۔ اگر وہ چاہے تم سب کو اُٹھا لے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ آباد کر دے جیسا کہ تم کو ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے۔''

**تفہیم**

یہ اس کی بے پناہ قوت اور غیر محدود قدرت کا اظہار ہے جس طرح پچھلی کئی قوموں کو اس نے حرف غلط کی طرح مٹا دیا اور ان کی جگہ نئی قوموں کو اٹھا کھڑا کیا' وہ اب بھی اس بات پر قادر ہے کہ جب چاہے تمہیں نیست و نابود کر دے اور تمہاری جگہ ایسی قوم پیدا کر دے جو تم جیسی نہ ہو۔



# ہر نیکی مثل دس نیکیاں

﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝ ﴾ [سورة الأنعام: ١٦٠]

''جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس گنا ملیں گے' جو شخص برا کام کرے گا اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔''

**تفہیم**

① یہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و احسان کا بیان ہے کہ جو اہل ایمان کے ساتھ وہ کرے گا کہ ایک نیکی کا بدلہ دس نیکیوں کے برابر عطا فرمائے گا' یہ کم از کم اجر ہے۔ ورنہ قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہے کہ بعض نیکیوں کا اجر کئی سو گنا ہے بلکہ ہزار

گنا تک ملے گا۔

② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث قدسی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھ دیں ہیں۔ پھر ان کو بیان کر دیا ہے چنانچہ جس شخص نے نیکی کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے مطابق ابھی عمل نہیں کیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک پوری نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر اس نے نیکی کر کے عمل بھی کر لیا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ دس نیکیوں سے لے کر سات سو گنا تک لکھ دیتا ہے۔ اور جس شخص نے کسی برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ لیتا ہے اور اگر نیت کر کے عمل بھی کر لیا تو اس کے لیے ایک برائی لکھتا ہے۔ [1]



# جیسا کہ شیطان نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے باہر کر دیا

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭاِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭاِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ [سورة الأعراف: ۲۷]

''اے اولاد آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے باہر کر دیا ایسی حالت میں ان کا لباس بھی اتروا دیا تاکہ وہ ان کو ان کی شرم گاہیں دکھائے۔ وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو ہم نے شیطانوں کو ان ہی لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔''

## تفہیم

① تمام انسانوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ ہوشیار کر رہا ہے کہ دیکھو ابلیس کی مکاریوں سے بچتے رہنا وہ تمہارا بڑا ہی دشمن ہے دیکھو اسی نے تمہارے باپ آدم کو دار سرور سے

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب من هم بحسنة أو بسيئة، (٦٤٩١) وصحيح مسلم (١٣١) ومسند الإمام أحمد (٢٧٩/١)

نکالا اور اس مصیبت کے قید خانے میں ڈالا ان کی پردہ دری کی۔ پس تمہیں اس کے ہتھکنڈوں سے بچنا چاہیے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ ﴾ [الكهف: ٥٠] یعنی کیا تم ابلیس اور اس کی قوم کو اپنا دوست بناتے ہو؟ مجھے چھوڑ کر؟ حالانکہ وہ تو تمہارا دشمن ہے ظالموں کا بہت ہی برا بدلہ ہے۔ [1]

② یعنی بے ایمان قسم کے لوگ ہی اس کے دوست اور اس کے خاص شکار ہیں۔ تاہم اہل ایمان پر بھی وہ ڈورے ڈالتا رہتا ہے۔ کچھ اور نہیں تو شرک خفی (ریاکاری) اور شرک میں ہی ان کو مبتلا کر دیتا ہے اور یوں ان کو بھی ایمان کے بعد ایمان صحیح کی پونجی سے محروم کر دیتا ہے۔



# پہلی مرتبہ کی طرح وہ دوبارہ پیدا کرے گا

﴿ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ ﴾ [سورة الأعراف: ٢٩]

”آپ کہہ دیجیے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کا اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت کو خاص اللہ ہی کے واسطے رکھو۔ تم کو اللہ نے جس طرح شروع میں پیدا کیا تھا اسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے۔“

**تفہیم**

① امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اپنی نمازوں میں اپنا رخ قبلے کی طرف کر لو چاہے تم کسی بھی مسجد میں ہو اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس سے استقامت بمعنی متابعت رسول مراد لی ہے اور اگلے جملے سے اخلاص للہ۔ اور کہا ہے کہ ہر عمل کی مقبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہو اور دوسرے خالص

---

[1] تفسیر ابن کثیر (۲/۱۰۱)

رضائے الٰہی کے لیے ہو' آیت میں ان باتوں کی تاکید کی گئی ہے۔

② انسان کو اعتدال' استقامت اور اخلاص کی راہوں پر چلنے کی اس لیے ضرورت ہے کہ موت کے بعد دوسری زندگی ملنے والی ہے جس میں موجودہ زندگی کے نتائج سامنے آئیں گے اس کی فکر ابھی سے ہونی چاہیے۔

③ معلوم ہوا کہ جس طرح اس اللہ نے پہلی مرتبہ پیدا کیا اسی طرح وہ دوبارہ لوٹائے گا۔ حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے ایک خطبہ دیا اور فرمایا: ''لوگو! تم اللہ کے سامنے ننگے پیروں' ننگے بدنوں' بے ختنہ جمع کیے جاؤ گے جیسے کہ ہم نے تمہیں پیدائش میں کیا تھا اسی کو پھر دوہرائیں گے' یہ ہمارا وعدہ ہے اور ہم اسے کر کے ہی رہنے والے ہیں۔''[1]



## جیسا کہ وہ دنیا میں ہمیں بھول گئے

﴿ اَلَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا وَ مَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ○ ﴾

[سورة الأعراف: ٥١]

''جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیاوی زندگی نے دھوکا میں ڈال رکھا تھا سو ہم (بھی) آج کے روز ان کا نام بھول جائیں گے جیسا کہ وہ اس دن کی ملاقات کو بھول گئے اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔''

**تفہیم**

① حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اس قسم کے بندے سے پوچھے گا ''کیا میں نے تمہیں بیوی بچے نہیں دیئے تھے؟ تمہیں عزت اور اکرام سے نہیں

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، (سورة المائدہ) باب قوله ﴿ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ﴾، (٤٦٢٥) وصحیح مسلم (٢٨٦٠)

نوازا تھا؟ اور کیا اونٹ اور گھوڑے تیرے تابع نہیں کر دیئے تھے؟ کیا تو سرداری کرتے ہوئے لوگوں سے چونگی وصول نہیں کرتا تھا؟'' وہ کہے گا کیوں نہیں؟ یا اللہ یہ سب باتیں صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: ''کیا تو میری ملاقات کا یقین رکھتا تھا؟'' وہ کہے گا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''پس جس طرح تو مجھے بھولا رہا آج میں بھی تمہیں بھول جاتا ہوں۔''[1]

② دوزخی بدحواس اور مضطرب ہو کر اہل جنت کے سامنے دست سوال دراز کریں گے کہ ہم جلے جاتے ہیں، تھوڑا سا پانی ہم پر بہاؤ یا جو نعمتیں تم کو خدا نے دے رکھی ہیں کچھ ان سے ہمیں بھی فائدہ پہنچاؤ۔ جواب ملے گا کہ کافروں کے لیے ان چیزوں کی بندش ہے، یہ کافر وہ ہی تو ہیں جو دین کو کھیل تماشہ بناتے تھے اور دنیا کے تنعم پر پھولے ہوئے تھے۔ سو جیسا ان کو دنیا کے مزوں میں پڑ کر کبھی آخرت کا خیال نہیں آیا آج ہم بھی ان کا کچھ خیال نہ کریں گے اور جس طرح انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا آج ہم بھی ان کی درخواست منظور کرنے سے انکار کرتے ہیں۔



## ان کے معبودوں کی مثل ہمیں بھی معبود بنا دو

﴿ وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۝﴾ [سورة الأعراف: ۱۳۸]

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں سے لگے بیٹھے تھے، کہنے لگے اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک معبود ایسا ہی مقرر کر دیجیے! جیسے ان کے معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقع تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے۔''

---

① صحیح مسلم، الزهد، باب الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر، (۲۹۶۸) ومسند الإمام أحمد (۲/۴۹۲)

**تفہیم**

① اتنی ساری اللہ کی قدرت کی نشانیاں بنی اسرائیل دیکھ چکے لیکن دریا پار اترتے ہی بت پرستوں کے ایک گروہ کو اپنے بتوں کے آس پاس اعتکاف میں بیٹھے دیکھتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ''ہمارے لیے بھی کوئی چیز مقرر کر دیجیے تا کہ ہم بھی اس کی عبادت کریں جیسے کہ ان کے معبود ان کے سامنے ہیں۔'' یہ کافر لوگ کنعانی تھے ایک قول ہے کہ لخم قبیلہ کے تھے یہ گائے کی شکل بنائے ہوئے اس کی پوجا کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا تم اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال سے محض ناواقف ہو۔ تم نہیں جانتے کہ اللہ شریک و مثیل سے پاک اور بلند تر ہے۔ یہ لوگ جس کام میں مبتلا ہیں وہ تباہ کن ہے اور ان کا عمل باطل ہے۔ ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکے شریف سے حنین کو روانہ ہوئے تو راستے میں انہیں بیری کا وہ درخت ملا جہاں مشرکین مجاور بن کر بیٹھا کرتے تھے اور اپنے ہتھیار وہاں لٹکایا کرتے تھے اس کا نام ذات انواط تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ایک ذات انواط ہمارے لیے بھی مقرر کر دیں۔ آپ نے فرمایا: ''اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری ذات ہے کہ تم نے قوم موسیٰ جیسی بات کہہ دی کہ ہمارے لیے بھی معبود مقرر کر دیجیے جیسا ان کا معبود ہے۔ جس کے جواب میں حضرت کلیم اللہ نے فرمایا تم جاہل لوگ ہو یہ لوگ جس شغل میں ہیں وہ ہلاکت خیز ہے اور جس کام میں ہیں وہ باطل ہے۔''[1]

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ درخواست کرنے والے حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ تھے جواب سے پہلے یہ سوال سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ اکبر کہنا بھی مروی ہے اور یہ بھی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''تم بھی اپنے اگلوں کی سی چال چلنے لگے۔''[2]

---

① تفسیر الطبری لابن جریر (٤٦/٦)

② تفسیر الطبری لابن جریر (١٥٠٦٥)



# دنیادار کی مثال

﴿ وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾[سورة الأعراف: ۱۷٦]

''اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے کہ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر وہ ان سے بالکل نکل گیا' پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر بوجھ لادے تب بھی وہ ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو آپ اس حال کو بیان کر دیجیے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں۔''

## تفہیم

① اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیات بلعم بن باعوراء کے حق میں نازل ہوئیں جو ایک عالم اور صاحب تصرف درویش تھا (اور بعض نے کہا ہے کہ اس شخص کا نام صیفی بن راہب تھا۔ )اس کے بعد اللہ کی آیات اور ہدایات کو چھوڑ کر عورت کے اغواء اور دولت کے لالچ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنے تصرفات چلانے اور ناپاک تدبیریں بتلانے کے لیے تیار ہو گیا۔ آخر موسیٰ علیہ السلام کا تو کچھ نہ بگاڑ سکا خود مردود ابدی بنا۔ آیات اللہ کا جو علم بلعم کو دیا گیا تھا' اگر خدا چاہتا تو اس کے ذریعہ سے بہت بلند مراتب پر اس کو فائز کر دیتا۔ اور یہ جب ہی ہو سکتا تھا کہ اُسے اپنے علم پر چلنے اور آیات اللہ کا اتباع کرنے کی توفیق ہوتی۔ لیکن ایسا نہ ہوا کیونکہ وہ خود آسمانی برکات و آیات سے منہ موڑ کر زمینی شہوات ولذات کی طرف جھک پڑا۔ وہ نفسانی

خواہشات کے پیچھے چل رہا تھا اور شیطان اس کا پیچھا (تعاقب) کرتا جارہا تھا۔ حتیٰ کہ پکے کجرووں اور گمراہوں کی قطار میں جا داخل ہوا۔ اس وقت اس کا حال کتے کی طرح ہو گیا جس کی زبان باہر لٹکی ہو اور برابر ہانپ رہا ہو اگر فرض کرو اس پر بوجھ لادیں یا ڈانٹ بتلائیں یا کچھ نہ کہیں آزاد چھوڑ دیں' بہر صورت ہانپتا اور زبان لٹکائے رہتا ہے۔ کیونکہ طبعی طور پر دل کی کمزوری کی وجہ سے گرم ہوا کے باہر پھینکنے اور سرد و تازہ ہوا کے اندر کھینچنے پر بسہولت قادر نہیں ہے۔ اسی طرح سفلی خواہشات میں منہ مارنے والے کتے کا حال ہوا کہ اخلاقی کمزوری کی وجہ سے ''آیات اللہ'' کا دیا جانا اور نہ دیا جانا یا تنبیہ کرنا اور نہ کرنا دونوں حالتیں اس کے حق میں برابر ہو گئیں۔

② ﴿ لَهَثْ ﴾ کہتے ہیں تھکاوٹ یا پیاس وغیرہ کی وجہ سے زبان باہر نکالنے کو' کتے کی یہ عادت ہے کہ تم اسے ڈانٹو ڈپٹو یا اس کے حال پر چھوڑ دو' دونوں حالتوں میں وہ بھونکنے سے باز نہیں آتا' اسی طرح اس کی یہ عادت بھی ہے کہ وہ شکم سیر ہو یا بھوکا' تندرست ہو یا بیمار' تھکا ماندہ ہو یا توانا' ہر حال میں زبان باہر نکالے ہانپتا رہتا ہے۔ یہی حال ایسے شخص کا ہے اسے وعظ کرو یا نہ کرو' اس کا حال ایک ہی رہے گا اور دنیا کے مال و متاع کے لیے اس کی رال ٹپکتی رہے گی۔



# قرآن کو جھٹلانے والوں کی مثال

﴿ سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ ﴾

[سورة الأعراف: ۱۷۷]

''اور ان لوگوں کی حالت بھی بری حالت ہے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور اپنا نقصان کرتے ہیں۔''

**تفہیم**

مثلاً تمیز ہے۔ اصل عبارت یوں ہو گی:

(( سَآءَ مَثَلًا! مَثَلُ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ))



# وہ لوگ تو مثل چوپاؤں کی ہیں

﴿ وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴾ [سورة الأعراف: ۱۷۹]

''اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں، جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے۔ یہ لوگ بھی چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں یہی لوگ غافل ہیں۔''

**تفہیم**

① بہت سے انسان اور جن جہنمی ہونے والے ہیں اور ان سے ویسے ہی اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ مخلوق میں سے کون کیسے عمل کرے گا؟ یہ علام الغیوب کو ان کی پیدائش سے پہلے ہی معلوم ہوتا ہے۔ پس اپنے علم کے مطابق اپنی کتاب میں آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے ہی لکھ لیا۔ جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔[1]

② ایک اور روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام ایک انصاری نابالغ بچے کے جنازے پر بلوائے گئے تو میں نے کہا مبارک ہو اس کو یہ تو جنت کی چڑیا ہے نہ برائی کی نہ برائی کا وقت پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کچھ اور بھی؟ سن اللہ تعالیٰ نے جنت کو اور جنت والوں کو پیدا کیا ہے اور انہیں جنتی مقرر کر دیا ہے حالانکہ ابھی تو وہ اپنے باپوں کی پیٹھوں میں ہی تھے اسی طرح اس نے جہنم بنائی ہے اور اس کے رہنے والے پیدا کیے ہیں انہیں اسی لیے مقرر کر دیا ہے درآں حالیکہ اب تک وہ اپنے باپوں کی پشت میں

---

① صحیح مسلم، القدر، (۲٦٥٣) وجامع الترمذی (۲۱٥٦) ومسند أحمد (۲/۱٦۹)

② صحیح مسلم، القدر، باب معنی کل مولود یولد، (۲٦٦۲) وسنن أبی داود (٤۷۱۳) ومسند الإمام أحمد (٦/٤۱، ۲۰۸)

ہی ہیں۔''(2)

## بندے تو ہم مثل ہیں

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ○ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَکَآءَکُمْ ثُمَّ کِیْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ○ ﴾ [سورة الأعراف: ۱۹٤-۱۹۵]

''واقعی تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم جیسے ہی بندے ہیں' سو تم ان کو پکارو پھر ان کو چاہیے کہ تمہارا کہنا کر دیں اگر تم سچے ہو۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ کسی چیز کو تھام سکیں' یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہوں' یا ان کے کان ہیں جن سے سنتے ہوں آپ کہہ دیجیے! تم اپنے سب شرکا کو بلا لو' پھر میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو پھر مجھ کو ذرا مہلت مت دو۔''

**تفہیم**

جن بتوں کو تم نے معبود ٹھہرایا ہے اور خدائی کا حق دیا ہے' وہ تمہارے کام تو کیا آتے' خود اپنی حفاظت پر بھی قادر نہیں اور باوجود مخلوق ہونے کے ان کمالات سے محروم ہیں جن سے کسی مخلوق کو دوسری پر تفوق و امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ گو ان کے ظاہری ہاتھ پاؤں' آنکھ کان سب کچھ تم بناتے ہو' لیکن ان اعضاء میں وہ قوتیں نہیں جن سے انہیں اعضاء کہا جا سکے۔ نہ تمہارے پکارنے پر مصنوعی پاؤں سے چل کر آ سکتے ہیں' نہ ہاتھوں سے کوئی چیز پکڑ سکتے ہیں' نہ آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں' نہ کانوں سے کوئی بات سنتے ہیں۔ اگر پکارتے پکارتے تمہارا گلا پھٹ جائے گا تب بھی وہ تمہاری آواز سننے والے اور اس پر چلنے والے یا اس کا جواب دینے والے نہیں۔ تم ان کے سامنے چلاؤ یا خاموش رہو' دونوں حالتیں یکساں ہیں۔ نہ اس سے فائدہ نہ اس سے نفع' تعجب ہے کہ جو چیزیں مملوک و مخلوق ہونے میں تم ہی جیسی عاجز و درماندہ بلکہ وجود و کمالاتِ وجود میں تم سے بھی گئی گزری ہوں انہیں خدا بنا لیا

جائے اور جو اس کا رد کرے اسے نقصان پہنچانے کی دھمکیاں دی جائیں۔ چنانچہ مشرکین مکہ نبی کریم ﷺ کو کہتے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کی بے ادبی کرنا چھوڑ دیں ورنہ نہ معلوم وہ کیا آفت تم پر نازل کر دیں۔ ﴿ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ ﴾ [سورة الزمر: ٣٦] اسی کا جواب ﴿ قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ﴾ سے دیا۔ یعنی تم اپنے سب شرکاء کو پکارو اور میرے خلاف اپنے سب منصوبے اور تدبیریں پوری کرلو' پھر مجھ کو ایک منٹ کی مہلت بھی نہ دو۔ دیکھوں تم میرا کیا بگاڑ سکو گے۔



## جیسا کہ آپ کے رب نے........!

﴿كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ۝﴾ [سورة الأنفال: ٥]

''جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ آپ کو روانہ کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی''

**تفہیم**

① یعنی جس طرح مال غنیمت کی تقسیم کا معاملہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا باعث بنا ہوا تھا' پھر اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حوالہ کر دیا گیا تو اسی میں مسلمان کی بہتری تھی' اسی طرح آپ کا مدینہ سے نکلنا اور پھر آگے چل کر تجارتی قافلے کی بجائے' لشکر قریش سے مڈ بھیڑ ہو جانا' کو بعض طبائع کے لیے ناگوار تھا' لیکن اس میں بھی بالآخر فائدہ مسلمانوں ہی کا ہوگا۔

② حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینے میں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ ابوسفیان کا قافلہ لوٹ رہا ہے تو کیا تم اس کے لیے تیار ہو کہ ہم اس قافلے کی طرف بڑھیں؟ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مال غنیمت دلوا دے۔ ہم سب نے تیاری ظاہر کی آپ ہمیں لے کر چلے ایک دن یا دو دن کا سفر کر کے آپ نے ہم سے فرمایا کہ قریشیوں سے جہاد کے بارے میں کیا خیال

ہے؟ انہیں تمہارے چلنے کا علم ہو گیا ہے اور وہ تم سے لڑنے کے لیے چل پڑے ہیں ۔ہم نے جواب دیا کہ واللہ ہم میں ان سے مقابلے کی طاقت نہیں ہم تو صرف قافلے کے ارادے سے نکلے ہیں ۔آپ نے پھر یہی سوال کیا اور ہم نے پھر یہی جواب دیا ۔اب حضرت مقداد بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ ہم اس وقت آپ کو وہ نہ کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ''تو اور تیرا رب جا کر کافروں سے لڑے، ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔'' اب تو ہمیں بڑا ہی رنج ہونے لگا کہ کاش یہی جواب ہم بھی دیتے تو ہمیں مال کے ملنے سے اچھا تھا، پس یہ آیت اتری۔ ①



# نافرمانوں کی مثل مت ہو جاؤ

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝﴾ [سورۃ الأنفال: ۲۰-۲۲]

''اے ایمان والو! اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو اور اس (کا کہنا ماننے) سے روگردانی مت کرو سنتے جانتے ہوئے اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں، بے شک بدترین خلائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں گونگے ہیں جو کہ (ذرا) نہیں سمجھتے۔''

**تفہیم**

① یعنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سننا ہی کیا جو آدمی سیدھی سی بات کو سن کر سمجھے نہیں یا سمجھ کر قبول نہ کرے۔ پہلے یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ''سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا'' (ہم نے سن لیا مگر مانا نہیں) مشرکین مکہ کا قول آگے آتا ہے:

① تفسیر الطبری (۱۵۷۲۴) و تفسیر ابن کثیر (۲/۳۳۳)

"قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا" یعنی جو قرآن آپ سناتے ہیں بس ہم نے سن لیا۔ اگر ہم چاہیں تو اسی جیسا کلام بنا کر لے آئیں۔ مدینہ کے منافقین کا تو شیوہ یہ تھا کہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کے سامنے زبانی اقرار کر گئے اور دل سے اسی طرح منکر رہے۔ بہر حال مومن صادق کی شان اور یہود اور مشرکین و منافقین کی طرح نہ ہونی چاہیے۔ اس کی شان یہ ہے کہ دل سے' زبان سے' عمل سے' حاضر و غائب احکام الٰہیہ اور فرامین نبویہ پر نثار ہوتا رہے۔

② جنہیں خدا نے بولنے کو زبان سننے کو کان اور سمجھنے کو دل و دماغ دیئے تھے پھر انہوں نے یہ سب قوتیں معطل کر دیں۔ نہ زبان سے حق بولنے اور حق کو دریافت کرنے کی کوشش کی۔ غرض خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو اس اصلی کام میں صرف نہ کیا۔ جس کے لیے فی الحقیقت عطا کی گئی تھیں۔ بلاشبہ ایسے لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔



# ہم بھی اسی کی مثل کہیں

﴿ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ﴾ [سورة الأنفال: ٣١]

"اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا' اگر ہم چاہیں تو اس کے برابر ہم بھی کہہ دیں' یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے منقول چلی آ رہی ہیں۔"

**تفہیم**

① اللہ تعالیٰ مشرکوں کے غرور و تکبر' ان کی سرکشی اور ناحق شناسی کی' ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی حالت بیان کرتا ہے کہ جھوٹ موٹ بک دیتے ہیں کہ ہاں بھئی ہم نے قرآن سن لیا' اس میں رکھا کیا ہے۔ ہم خود اگر چاہیں تو اسی جیسا کلام کہہ دیں۔ حالانکہ وہ کہہ نہیں سکتے۔ اپنی عاجزی اور تہی دستی کو خوب جانتے' لیکن زبان سے شیخی بگھارتے تھے۔ جہاں قرآن سنا تو اس کی قدر گھٹانے کے لیے بک دیا جب کہ ان

سے زبردست دعوے کے ساتھ کہا گیا کہ لاؤ اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لاؤ تو سب عاجز ہو گئے۔ پس یہ قول صرف جاہلوں کی خوش طبعی کے لیے کہتے تھے۔

② کہا گیا ہے کہ یہ کہنے والا نضر بن حارث ملعون تھا۔ یہ خبیث فارس کے ملک گیا تو تھا اور رستم و اسفند یار کے قصے یاد کر آیا تھا۔ یہاں حضور علیہ السلام کو نبوت مل چکی تھی آپ ﷺ لوگوں کو کلام اللہ شریف سنا رہے ہوتے جب آپ ﷺ فارغ ہوتے تو یہ اپنی مجلس جماتا اور فارس کے قصے سناتا' پھر فخراً کہتا کہو میرا بیان اچھا ہے یا محمد کا؟ (ﷺ) یہ بدر کے دن قید ہو کر لایا گیا اور حضور علیہ السلام کے فرمان سے آپ کے سامنے اس کی گردن ماری گئی فالحمدللہ اسے قید کرنے والے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے ۔قبہ بن ابی معیط' طعیمہ بن عدی' نضر بن حارث' یہ تینوں اسی قید میں قتل کیے گئے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا بھی کہ یا رسول اللہ میرا قیدی؟ آپ نے فرمایا یہ اللہ عزوجل کی کتاب کے بارے میں زبان درازی کرتا تھا۔ انہوں نے بعد از قتل پھر کہا کہ حضور میں جسے باندھ کر لایا ہوں؟ آپ نے دعا کی کہ یا اللہ اپنے فضل سے مقداد کو غنی کر دے۔ آپ خوش ہو گئے اور عرض کیا کہ حضور یہی میرا مقصد اور مقصود تھا۔ اسی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔



# تکبر کرنے والوں کی مثل نہ ہو جاؤ

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾ [سورة الأنفال: ٤٧]

''ان لوگوں جیسے نہ بنو جو اتراتے ہوئے اور لوگوں میں خودنمائی کرتے ہوئے اپنے گھروں سے چلے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے' جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے گھیر لینے والا ہے۔''

**تفہیم**

① اللہ جہاد میں ثابت قدمی نیک نیتی ذکر اللہ کی کثرت کی نصیحت فرما کر مشرکین کی

مشابہت سے روک رہا ہے کہ جیسے وہ حق کو مٹانے اور لوگوں میں اپنی بہادری دکھانے کے لیے فخر وغرور کے ساتھ اپنے شہروں سے چلے تم ایسا نہ کرنا۔ چنانچہ ابوجہل سے جب کہا گیا کہ قافلہ تو بچ گیا اب لوٹ کر واپس چلنا چاہیے تو اس ملعون نے جواب دیا کہ واہ کس کا لوٹنا بدر کے پانی پر جا کر پڑاؤ کریں گے۔ وہاں شرابیں اڑائیں گے کباب کھائیں گے گانا سنیں گے تاکہ لوگوں میں شہرت ہو جائے۔ اللہ کی شان کے قربان جایئے ان کے ارمان قدرت نے پلٹ دیئے یہیں ان کی لاشیں گریں اور یہیں کے گڑھوں میں ذلت کے ساتھ ٹھونس دیئے گئے۔ اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کرنے والا ہے ان کے ارادے اس پر کھلے ہیں اسی لیے انہیں برے وقت سے پالا پڑا۔ پس یہ مشرکین کا ذکر ہے جو اللہ کے رسول ﷺ رسولوں کے سرتاج سے بدر میں لڑنے چلے تھے ان کے ساتھ گانے والیاں بھی تھیں باجے گاجے بھی تھے۔

۲ شیطان لعین ان کا پشت پناہ بنا ہوا تھا انہیں پھسلا رہا تھا۔ ان کے کام کو خوبصورت بھلا دکھا رہا تھا ان کے کانوں میں پھونک رہا تھا کہ بھلا تمہیں کون ہرا سکتا ہے؟ ان کے دل سے بنوبکر کا مکہ پر چڑھائی کرنے کا خوف نکال رہا تھا اور سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں ان کے سامنے کھڑا ہو کر کہہ رہا تھا کہ میں تو اس علاقے کا سردار ہوں بنومدلج سب میرے تابع ہیں میں تمہارا حمایتی ہوں بے فکر رہو۔ شیطان کا کام بھی یہی ہے کہ جھوٹے وعدے دے، نہ پورا ہونے والی امیدوں کے سبز باغ دکھائے اور دھوکے کے جال میں پھنسائے۔ بدر والے دن یہ اپنے جھنڈے اور لشکر کو ساتھ لے کر مشرکوں کی حمایت میں نکلا ان کے دلوں میں ڈالتا رہا کہ بس تم بازی لے گئے میں تمہارا مددگار ہوں۔ لیکن جب مسلمانوں سے مقابلہ شروع ہوا اور اس خبیث کی نظریں فرشتوں پر پڑیں تو پچھلے پیروں بھاگا اور کہنے لگا میں وہ دیکھتا ہوں جس سے تمہاری آنکھیں اندھی ہیں۔



## مجاہد کی مثل کوئی نہیں

﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ [سورة التوبة: ۱۹]

''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلا دینا اور مسجد حرام کی خدمت کرنا اس کے برابر کر دیا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا' یہ اللہ کے نزدیک برابر کے نہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا''

**تفہیم**

① مشرکین حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال کا کام جو کرتے تھے' اس پر انہیں بڑا فخر تھا اور اس کے مقابلے میں وہ ایمان و جہاد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے جس کا اہتمام مسلمانوں کے اندر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم سقایت حاج اور عمارت مسجد حرام کو ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر سمجھتے ہو؟ یاد رکھو اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں' بلکہ مشرک کا کوئی عمل بھی قبول نہیں' چاہے وہ صورۃً خیر ہی ہو۔ جیسا کہ پہلی آیت کے جملے ﴿ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ﴾ میں واضح کیا جا چکا ہے۔

② حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا اسلام کے بعد اگر میں کوئی عمل نہ کروں تو مجھے پرواہ نہیں بجز اس کے کہ میں حاجیوں کو پانی پلاؤں دوسرے نے اسی طرح مسجد حرام کی آبادی کو کہا تیسرے نے اسی طرح راہ رب کے جہاد کو کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹ دیا اور فرمایا: ''منبر رسول اللہ کے پاس آوازیں بلند نہ کرو۔'' یہ واقعہ جمعہ کے دن کا ہے جمعہ کے بعد ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ [1]



## ان کی طرح تم بھی متحد ہو کر لڑو

﴿ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ

① عبدالرزاق فی التفسير (۱۰۶۰) (الحديث صحيح المتن)

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ
اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۝﴾ [التوبة: ۳۶]

''مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے' اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے ان میں سے چار حرمت وادب کے ہیں' یہی درست دین ہے تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور تم تمام مشرکوں سے جہاد کرو جیسے کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔''

**تفہیم**

① رسول اللہ ﷺ نے اپنے حج کے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ زمانہ گھوم پھر کر اپنی اصلیت پر آ گیا ہے سال کے بارہ مہینے ہوا کرتے ہیں جن میں سے چار حرمت وادب والے ہیں۔ تین پے درپے ذوالقعدہ ذوالحجہ' محرم اور چوتھا رجب جو مضر کے ہاں ہے جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان میں ہے پھر پوچھا یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا اللہ کو اور اس کے رسول کو ہی پورا علم ہے۔ آپ نے سکوت فرمایا ہم سمجھے کہ شاید آپ اس دن کا کوئی اور ہی نام رکھیں گے پھر پوچھا کیا یہ یوم النحر یعنی قربانی کا دن نہیں؟ ہم نے کہا ہاں پھر پوچھا یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا اللہ جانے اور اس کا رسول آپ نے پھر سکوت فرمایا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ شاہد آپ اس مہینے کا نام کوئی اور رکھیں گے آپ نے فرمایا کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا ہاں۔ پھر آپ نے پوچھا یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ خوب جاننے والے ہیں؟ آپ پھر خاموش ہو رہے اور ہمیں پھر خیال آنے لگا کہ شاید آپ کو اس کا کوئی اور ہی نام رکھنا ہے پھر فرمایا یہ بلدہ (مکہ) نہیں ہے؟ ہم نے کہا بیشک۔ آپ نے فرمایا یاد رکھو تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم میں آپس میں ایسی ہی حرمت والی ہیں جیسی حرمت وعزت تمہارے اس دن کی تمہارے اس مہینہ میں تمہارے اس شہر میں' تم ابھی ابھی اپنے رب سے ملاقات کرو گے اور وہ تم سے

تمہارے اعمال کا حساب لے گا سنو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن زدنی کرنے لگو بتاؤ کیا میں نے تبلیغ کر دی؟ سنو تم میں سے جو موجود ہیں انہیں چاہیے کہ جو موجود نہیں ان تک پہنچا دیں۔ بہت ممکن ہے کہ جسے وہ پہنچائے وہ ان بعض سے بھی زیادہ نگہداشت رکھنے والا ہو۔ ①

② ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "فِيهِنَّ" سے مراد سال بھر کے کل مہینے ہیں۔ پس ان کل مہینوں میں گناہوں سے بچو خصوصاً ان چار مہینوں میں کہ یہ حرمت والے ہیں ان کی بڑی عزت ہے ان میں گناہ سزا کے اعتبار سے اور نیکیاں اجر و ثواب کے اعتبار سے بڑھ جاتی ہیں۔

③ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ان حرمت والے مہینوں کی سزا اور بوجھ بڑھ جاتا ہے گو ظلم ہر حال میں بری چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے جس امر کو چاہے بڑھا دے دیکھیے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بھی پسند فرما لیا فرشتوں میں انسانوں میں اپنے رسول چن لیے اسی طرح کلام میں سے اپنے ذکر کو پسند فرما لیا اور زمین میں سے مسجدوں کو پسند فرما لیا اور مہینوں میں سے رمضان شریف کو اور ان چاروں مہینوں کو پسند فرما لیا اور دنوں میں سے جمعہ کے دن اور راتوں میں لیلۃ القدر کو پس تمہیں ان چیزوں کی عظمت کا لحاظ رکھنا چاہیے جنہیں اللہ نے عظمت دی ہے۔ ②

④ پھر مثال دے کر فرمایا کہ تم سب مسلمان ان سے اسی طرح لڑو جیسے کہ وہ تم سے سب کے سب لڑتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اپنے پہلے سے جداگانہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ یہ حکم بالکل نیا اور الگ ہو مسلمانوں کو رغبت دلانے اور انہیں جہاد پر آمادہ کرنے کے لیے تو فرماتا ہے کہ جیسے تم سے جنگ کرنے کے لیے وہ مڈ بھیڑ آپس میں مل کر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں تم بھی اپنے سب کلمہ گو اشخاص کو لے کر ان سے مقابلہ کرو یہ بھی ممکن ہے کہ اس جملے میں مسلمانوں کو حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے

---

① صحيح البخارى، المغازى، باب حجة الوداع، (٤٤٠٦) وصحيح مسلم (١٦٧٩) ومسند الإمام أحمد (٥/٣٧) وابن حبان (٣٨٤٨)

② تفسير ابن كثير (٢/٤٣٤)

کی رخصت دی ہو جبکہ حملہ ان کی طرف سے ہو۔ جیسے ﴿ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ ﴾ [البقرة: ۱۹٤] میں ہے اور جیسے ﴿ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ﴾ [البقرة: ۱۹۱] میں بیان ہے کہ ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو جب تک کہ وہاں لڑائی نہ کریں ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو۔

⑤ شیخ علم الدین سخاوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب المشہور فی اسماء الایام والشہور میں لکھا ہے کہ:

''محرم'' کے مہینے کو محرم اس کی تعظیم کی وجہ سے کہتے ہیں لیکن میرے نزدیک تو اس نام کی وجہ سے اس کی حرمت کی تاکید ہے اس لیے کہ عرب جاہلیت میں اسے بدل ڈالتے تھے کبھی حلال کر ڈالتے کبھی حرام کر ڈالتے۔ اس کی جمع محرمات حارم محاریم۔

''صفر'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں عموماً ان کے گھر خالی رہتے تھے کیونکہ یہ لڑائی بھڑائی اور سفر میں چل دیتے تھے۔ جب مکان خالی ہو جائے تو عرب کہتے ہیں صفر المکان اس کی جمع اصفار ہے جیسے جمل کی جمع اجمال ہے۔

''ربیع الاول'' کے نام کا سبب یہ ہے کہ اس مہینہ میں ان کی اقامت ہو جاتی ہے ارتباع کہتے ہیں اقامت کو اس کی جمع اربعا ہے جیسے نصیب کی جمع انصبا اور جمع اس کی اربعہ ہے جیسے رغیف کی جمع ارغفہ ہے۔

''ربیع الاخر'' کے مہینے کا نام رکھنا بھی اسی وجہ سے ہے۔ گویا یہ اقامت کا دوسرا مہینہ ہے۔

''جمادی الاولیٰ'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں پانی جمع جاتا تھا ان کے حساب میں مہینے گردش نہیں کرتے یعنی ٹھیک ہر موسم پر ہی ہر مہینہ آتا تھا لیکن یہ بات کچھ جچتی نہیں اس لیے کہ جب ان مہینوں کا حساب چاند پر ہے تو ظاہر ہے کہ موسمی حالت ہر ماہ میں ہر سال یکساں نہیں رہے گی ہاں یہ ممکن ہے کہ اس مہینہ کا نام جس سال رکھا گیا ہو اس سال یہ مہینہ کڑکڑاتے ہوئے جاڑے میں آیا ہو اور پانی میں جمود ہو گیا ہو۔ چنانچہ ایک شاعر نے یہی کہا ہے کہ جمادی کی سخت اندھیری راتیں جن میں کتا بھی بمشکل ایک آدھ مرتبہ ہی بھونک لیتا ہے

اس کی جمع جماد یات ہے۔ جیسے حباری حبا ریات۔ یہ مذکر مونث دونوں طرح مستعمل ہے۔ جمادی الاول اور جمادی الاخر بھی کہا جاتا ہے۔

''جمادی الاخریٰ'' کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے گویا یہ پانی کے جم جانے کا دوسرا مہینہ ہے۔

''رجب'' یہ ماخوذ ہے ترجیب سے' ترجیب کہتے ہیں تعظیم کو چونکہ یہ مہینہ عظمت وعزت والا ہے اس لیے اسے رجب کہتے ہیں اس کی جمع ارجاب رجاب اور رجبات ہے۔

''شعبان'' کا نام شعبان اس لیے ہے کہ اس میں عرب لوگ لوٹ مار کے لیے ادھر ادھر متفرق ہو جاتے تھے۔ شعب کے معنی ہیں جدا جدا ہونا پس اس مہینے کا بھی یہی نام رکھ دیا گیا اس کی جمع شعابین شعبانات آتی ہے۔

''رمضان'' کو رمضان اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں اونٹنیوں کے پاؤں بوجہ شدت گرما کے جلنے لگتے ہیں رمضت الفصال اس وقت کہتے ہیں جب اونٹنیوں کے بچے سخت پیاسے ہوں اس کی جمع رمضانات اور رماضین اور رامضہ آتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے یہ محض غلط اور ناقابل التفات قول ہے۔

''شوال'' ماخوذ ہے شالت الابل سے یہ مہینہ اونٹوں کے مستیوں کا مہینہ تھا یہ دمیں اٹھا دیا کرتے تھے اس لیے اس مہینہ کا یہی نام ہو گیا اس کی جمع شواویل شواول شوالات آتی ہے۔

''ذوالقعدہ'' ذوالقعدہ کا نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس ماہ میں عرب لوگ بیٹھ جایا کرتے تھے نہ لڑائی کے لیے نکلتے نہ کسی اور سفر کے۔ اس کی جمع ذوات القعدہ ہے۔

''ذوالحجہ'' کو ذوالحج بھی کہہ سکتے ہیں چونکہ اسی ماہ میں حج ہوتا تھا اس لیے اس

---

① تفسیر ابن کثیر (۴۳۲/۲-۴۳۳)

کا یہ نام مقرر ہو گیا ہے۔اس کی جمع ذوات الحجآتی ہے۔ (۱)

## پہلے لوگوں کی مثال

﴿ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝﴾ [سورة التوبة: ٦٩]

''مثل ان لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے تم سے وہ زیادہ قوت والے تھے اور زیادہ مال اولاد والے تھے پس وہ اپنا دینی حصہ برت گئے پھر تم نے بھی اپنا حصہ برت لیا' جیسے تم سے پہلے کے لوگ اپنے حصے سے فائدہ مند ہوئے تھے اور تم نے بھی اس طرح مزاحیہ بحث کی جیسے کہ انہوں نے کی تھی ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہو گئے یہی لوگ نقصان پانے والے ہیں۔''

**تفہیم**

(۱) ان لوگوں کو بھی اگلے لوگوں کی طرح عذاب پہنچے' خلاق سے مراد یہاں دین ہے۔ جیسے اگلے لوگ جھوٹ اور باطل میں کودتے پھاندتے رہے۔ ایسے ہی ان لوگوں نے بھی کیا۔ ان کے یہ فاسد اعمال اکارت ہو گئے۔ نہ دنیا میں سود مند ہوئے نہ آخرت میں ثواب دلانے والے ہیں۔ یہی صریح نقصان ہے کہ عمل کیا اور ثواب نہ ملا۔

(۲) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جیسے آج کی رات کل کی رات سے مشابہ ہوتی ہے اسی طرح اس امت میں بھی یہودیوں کی مشابہت آ گئی میرا تو خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم ان کی پیروی کرو گے یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ جانور کے سوراخ میں داخل ہوا ہے تو تم بھی اس میں گھسو گے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''اس کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم اپنے سے پہلے کے لوگوں کے طریقوں کی تابعداری کرو گے

بالکل بالشت بہ بالشت اور ذراع بہ ذراع اور ہاتھ بہ ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی کے بل میں گھسے ہیں تو یقیناً تم بھی گھسو گے۔" لوگوں نے پوچھا اس سے مراد آپ کی کون لوگ ہیں؟ کیا اہل کتاب؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اور کون؟"[1]

اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو قرآن کے ان لفظوں کو پڑھ لو ﴿كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خلاق سے مراد دین ہے۔ اور تم نے بھی اسی طرح کا خوض کیا جس طرح کا انہوں نے۔ لوگوں نے پوچھا کیا فارسیوں اور رومیوں کی طرح؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اور لوگ ہی ہیں کون؟[2]



## دنیا کی مثال

﴿إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَٰهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِۦ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَٰمُ حَتَّىٰٓ إِذَآ أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قَٰدِرُونَ عَلَيْهَآ أَتَىٰهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَٰهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْءَايَٰتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ [سورة يونس: ٢٤]

"پس دنیاوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کی نباتات، جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں، خوب گنجان ہو کر نکلی یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہو گئی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے ہیں تو دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حکم (عذاب) آپڑا سو ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا، کہ گویا کل وہ موجود ہی نہ تھی۔ ہم اس طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے

---

[1] صحيح البخاری، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بنی اسرائيل، (٣٤٥٦) ومسلم (٢٦٦٩)

[2] سنن ابن ماجه، الفتن، باب افتراق الأمم (٣٩٩٤) ومسند الإمام أحمد (٨٣٢٢)

لیے جو سوچتے ہیں۔"

**تفہیم**

① دنیا کی ٹِپ ٹاپ اور اس کی دو گھڑی کی سہانی رونق پھر اس کی بربادی اور بے رونقی کی مثال زمین کے سبزے سے دی جا رہی ہے کہ بادل سے پانی برسا زمین لہلہا اُٹھی۔ طرح طرح کی سبزیاں' چارے' پھل پھول' کھیت باغات' پیدا ہو گئے۔ انسانوں کے کھانے کی چیزیں' جانوروں کے چرنے چگنے کی چیزیں' چاروں طرف پھیل پڑیں' زمین سرسبز ہو گئی' ہر چہار طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آنے لگی' کھیتی والے خوش ہو گئے' باغات والے پھولے نہیں سماتے کہ اب کے پھل اور اناج بکثرت ہے۔ ناگہاں آندھیوں کے جھکڑ چلنے لگے' برف باری ہوئی' اولے گرے' پالہ پڑا' پھل چھوڑ پتے بھی جل گئے۔ درخت جڑوں سے اکھڑ گئے' تازگی خشکی سے بدل گئی' پھل ٹھٹھر گئے' جل گئے' کھیت و باغات ایسے ہو گئے گویا تھے ہی نہیں اور جو چیز کل تھی بھی آج نہیں تو گویا کل بھی نہ تھی۔ ①

② حدیث مبارکہ میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: بڑے دنیادار کروڑ پتی کو جو ہمیشہ ناز ونعمت میں ہی رہا تھا' لا کر جہنم میں ایک غوطہ دے کر پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ کہو تمہاری زندگی کیسی گزری؟ وہ جواب دے گا کہ میں نے تو کبھی کوئی راحت نہیں دیکھی۔ کبھی آرام کا نام بھی نہیں سنا۔ اسی طرح دنیا کی زندگی میں ایک گھڑی بھی جس پر آرام کی نہیں گزری تھی اسے لایا جائے گا۔ جنت میں ایک غوطہ کھلا کر پوچھا جائے گا کہ کہو دنیا میں کیسے رہے؟ جواب دے گا کہ پوری عمر کبھی رنج وغم کا نام بھی نہیں سنا کبھی تکلیف اور دکھ دیکھا بھی نہیں۔ ②

③ اس قسم کی مثالوں کا تذکرہ سورۃ الکھف' سورۃ زمر' سورۃ حدید میں آئے گا۔

---

① تفسیر ابن کثیر (۵۳۲/۲)

② صحیح مسلم، صفات المنافقین، باب صبغ انعم أهل الدنیا فی النار، (۲۸۰۷)



# برائی کی سزا اسی کی مثل

﴿ وَ الَّذِیْنَ كَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جَزَآءُ سَیِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا وَ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ كَاَنَّمَاۤ اُغْشِیَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّیْلِ مُظْلِمًا اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۝ ﴾ [سورة يونس: ۲۷]

''اور جن لوگوں نے بدکام کیے ان کی بدی کی سزا اس کے برابر ملے گی اور ان پر ذلت چھائے گی' ان کو اللہ تعالیٰ سے کوئی نہ بچا سکے گا' گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت کے پرت لپیٹ دیئے گئے ہیں' یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں' اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

**تفہیم**

① گزشتہ آیت میں اہل جنت کا تذکرہ تھا' اس میں بتلایا گیا تھا کہ انہیں ان کے نیک اعمال کی جزا کئی گنا ملے گی اور پھر مزید دیدارِ الٰہی سے نوازے جائیں گے۔ اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ برائی کا بدلہ برائی کے مثل ہی ملے گا ''سَیِّئات'' سے مراد کفر اور شرک اور دیگر مصیبتیں ہیں۔ جس طرح اہل ایمان کو بچانے والا اللہ تعالیٰ ہوگا اس طرح انہیں اس روز اپنے فضل خاص سے نوازے گا علاوہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو شفاعت کی اجازت بھی دے گا' جن کی شفاعت بھی وہ قبول فرمائے گا۔ یہ مبالغہ ہے کہ ان کے چہرے اتنے سخت سیاہ ہوں گے۔ اس کے برعکس اہل ایمان کے چہرے تروتازہ اور روشن ہوں گے جس طرح سورۂ آل عمران' آیت ۱۰۶ اور سورۂ عبس ۳۸۔۴۱ اور سورہ قیامت میں ہے۔



# قرآن کی مثل لے کر لاؤ

﴿ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ

اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ ﴾ [یونس: ۳۸]

''کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ پھر تم اس کے مثل ایک ہی سورت لاؤ اور جن جن غیر اللہ کو بلا سکو، بلا لو اگر تم سچے ہو۔''

**تفہیم**

یعنی اگر میں بنا لایا ہوں تو تم بھی میری طرح بشر ہو سب مل کر ایک سورت جیسی سورت بنا لاؤ۔ ساری مخلوق کو دعوت دو، جن و انس کو جمع کر لو، تمام جہان کے فصیح و بلیغ، پڑھے لکھے اور اَن پڑھ اکٹھے ہو کر ایک چھوٹا سا کلام قرآن کی مانند پیش کر دو تو سمجھ لیا جائے گا کہ قرآن بھی کسی بشر کا کلام ہے جس کا مثل دوسرے لوگ لا سکتے ہیں۔ مگر محال ہے کہ ابدالآ باد تک کوئی مخلوق ایسا حوصلہ کر سکے۔ قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جس میں تہذیب اخلاق، تمدن ومعاشرت، حکومت وسیاست، معرفت وروحانیت، تزکیہ نفوس، تنویرِ قلوب، غرضیکہ وصول الی اللہ اور تنظیم و رفاہیہ خلائق کے وہ تمام قوانین وطریق موجود ہیں، جن سے آفرینشِ عالم کی غرض پوری ہوتی ہے۔

اور جن کی ترتیب وتدوین کی ایک امی قوم کے امی فرد سے کبھی امید نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر ان تمام علوم وہدایات کا تکفل کرنے کے ساتھ اس کتاب کی غلغلہ انداز فصاحت و بلاغت، جامع ومؤثر اور دلربا طرز بیان، دریا کا سا تموج، سہل ممتنع سلاست و روانی، اسالیب کلام کا تفنن اور اس کی لذت وحلاوت اور شہنشاہانہ شان وشکوہ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنہوں نے بڑے زور وشور اور بلند آہنگی سے سارے جہان کو مقابلہ کا چیلنج دے دیا ہے۔ جس وقت سے قرآن کے جمال جہاں آراء نے غیب کی نقاب الٹی اور اولادِ آدم کو اپنے سے روشناس کیا، اس کا برابر یہ ہی دعویٰ رہا کہ میں خدائے قدوس کا کلام ہوں۔ اور جس طرح خدا کی زمین جیسی زمین، خدا کے سورج جیسا سورج، اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے، اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی۔ قرآن کے مٹانے کی لوگ سازشیں کریں گے، مکر گانٹھیں گے، مقابلہ کے جوش میں کٹ مریں گے۔ اپنی مدد کے لیے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو دعوت دیں گے۔ کوئی حیلہ، کوئی تدبیر، کوئی داؤ پیچ اٹھا نہ رکھیں گے، اپنے کو اور دوسروں کو مصیبت میں ڈالیں گے۔ سارے

مصائب و دواہی کا تحمل ان کے لیے ممکن ہوگا مگر قرآن کی چھوٹی سی سورت کا مثل لانا ممکن نہ ہوگا۔"

﴿ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝ ﴾ [بنی اسرائیل: ۸۸]



## ان دنوں کی مثال جو پہلے گزر گئے

﴿ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ۝ ﴾ [سورة يونس: ۱۰۲]

"سو وہ لوگ صرف ان لوگوں کے سے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ اچھا تو تم انتظار میں رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔"

**تفہیم**

یعنی یہ لوگ، جن پر کوئی دلیل اور دھمکی اثر انداز نہیں ہوتی، لہٰذا ایمان نہیں لاتے۔ کیا اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے ساتھ بھی وہی تاریخ دہرائی جائے جن سے پچھلی امتیں گزر چکی ہیں۔ یعنی اہل ایمان کو بچا کر (جیسا کہ اگلی آیت میں وضاحت ہے) باقی سب کو ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ اگر اسی بات کا انتظار ہے تو ٹھیک ہے، تم بھی انتظار کرو، میں بھی انتظار کر رہا ہوں۔



## قرآن کی مثل دس سورتیں ہی لے آؤ

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ ﴾ [سورة هود: ۱۳]

"کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اسی نے گھڑا ہے۔ جواب دیجیے کہ پھر تم بھی

اسی کے مثل دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے چاہو اپنے ساتھ بلا بھی لو اگر تم سچے ہو۔''

**تفہیم**

امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے چیلنج دیا کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے کہ یہ محمد (ﷺ) کا بنایا ہوا قرآن ہے' تو اس کی نظیر پیش کر کے دکھا دو' اور تم جس کی چاہو' مدد حاصل کر لو' لیکن تم کبھی ایسا نہیں کر سکو گے۔ اگرچہ آپ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے چیلنج دیا کہ پورا قرآن بنا کر پیش نہیں کر سکتے تو دس سورتیں ہی بنا کر پیش کر دو۔☆



## اندھے اور بہرے کی مثال

﴿مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَ الْاَصَمِّ وَ الْبَصِيْرِ وَ السَّمِيْعِ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ☆﴾ [سورة هود: ۲۴]

''ان دونوں فرقوں کی مثال اندھے' بہرے اور دیکھنے' سننے والے جیسی ہے' کیا یہ دونوں مثال میں برابر ہیں؟ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔''

**تفہیم**

پچھلی آیات میں مومنین اور کافرین اور سعادت مندوں اور بدبختوں' دونوں کا تذکرہ فرمایا۔ اب اس میں دونوں کی مثال بیان فرما کر دونوں کی حقیقت کو مزید واضح کیا جا رہا ہے۔ فرمایا' ایک کی مثال اندھے اور بہرے کی طرح ہے اور دوسرے کی دیکھنے اور سننے والے کی طرح۔ کافر دنیا میں حق کا روئے زیبا دیکھنے سے محروم اور آخرت میں نجات کے راستہ سے بے بہرہ' اسی طرح حق کے دلائل سننے سے بے بہرہ ہوتا ہے' اسی لیے ایسی باتوں سے محروم رہتا ہے جو اس کے لیے مفید ہوں۔ اس کے برعکس مومن سمجھدار' حق کو دیکھنے والا اور حق اور باطل کے درمیان تمیز کرنے والا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ حق اور خیر کی پیروی کرتا ہے'

---

☆ تفسیر ابن کثیر (۲/۵۷۷)

دلائل کو سنتا اور ان کے ذریعے سے شبہات کا ازالہ کرتا اور باطل سے اجتناب کرتا ہے' کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ استفہام نفی کے لیے ہے۔ یعنی دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ لَا يَسْتَوِيٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾ [سورة الحشر: ۲۰] ''جنتی دوزخی برابر نہیں ہو سکتے جنتی تو کامیاب ہونے والے ہیں۔'' ایک اور مقام پر اسے اس طرح بیان فرمایا: اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔ اندھیرے اور روشنی' سایہ اور دھوپ برابر نہیں' زندے اور مردے برابر نہیں۔'' سورہ فاطر (۳۵/۱۹-۲۲)



# تم تو ہماری مثل انسان ہو

﴿ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴾ [هود: ۲۷]

''اس کی قوم کے کافروں کے سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تو تجھے اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں اور تیرے تابعداروں کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ واضح طور پر سوائے نیچ لوگوں کے اور کوئی نہیں جو بے سوچے سمجھے (تمہاری پیروی کر رہے ہیں) ہم تو تمہاری کسی قسم کی برتری اپنے اوپر نہیں دیکھ رہے' بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھ رہے ہیں۔''

**تفہیم**

① یہ وہی شبہ ہے' جس کی پہلے کئی جگہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ کافروں کے نزدیک بشریت کے ساتھ نبوت و رسالت کا اجتماع بڑا عجیب تھا' جس طرح آج کے اہل بدعت کو بھی عجیب لگتا ہے اور وہ بشریت رسول ﷺ سے انکار کرتے ہیں۔

② حق کی تاریخ میں یہ بات بھی ہر دور میں سامنے آتی رہی ہے کہ ابتداء میں اس کو اپنانے والے ہمیشہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں معاشرے میں بے نوا کم تر سمجھا جاتا تھا اور

صاحب حیثیت اور خوش حال طبقہ اس سے محروم رہتا۔ حتیٰ کہ پیغمبروں کے پیروکار ان کی علامت بن گئی۔ چنانچہ شاہ روم ہرقل نے حضرت ابوسفیان سے نبی ﷺ کی بابت پوچھا تو اس میں ان سے ایک بات یہ بھی پوچھی کہ اس کے پیروکار معاشرے کے معزز سمجھے جانے والے لوگ ہیں یا کمزور لوگ حضرت ابوسفیان نے جواب میں کہا کمزور لوگ جس پر ہرقل نے کہا رسولوں کے پیروکار یہی لوگ ہوتے ہیں۔ ①

③ اہل ایمان چونکہ اللہ اور رسول کے احکام کے مقابلے میں اپنی عقل و دانش اور رائے کا استعمال نہیں کرتے، اس لیے اہل باطل یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بے سوچ سمجھ والے ہیں کہ اللہ کا رسول انہیں جس طرف موڑ دیتا ہے، یہ مڑ جاتے ہیں جس چیز سے روک دیتا ہے، رک جاتے ہیں۔ یہ بھی اہل ایمان کی ایک بڑی بلکہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ لیکن اہل کفر و باطل کے نزدیک یہ خوبی بھی عیب ہے۔



## جیسے تم ہم پر ہنستے ہو

﴿ وَ يَصْنَعُ الْفُلْكَ وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ۝ ﴾ [سورة هود: ٣٨]

”وہ (نوح) کشتی بنانے لگے ان کی قوم کے جو سردار ان کے پاس سے گزرتے وہ ان کا مذاق اڑاتے، وہ کہتے اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی تم پر ایک دن ہنسیں گے جیسے تم ہم پر ہنستے ہو۔“

**تفہیم**

مثلاً کہتے، کہ دیکھو! پیغمبر سے بڑھئی بن گئے۔ کبھی ایک عجیب سی چیز دیکھ کر نوح علیہ السلام سے پوچھتے کہ یہ کیا بناتے ہو؟ آپ فرمادیتے کہ ایک گھر بناتا ہوں جو پانی پر چلے گا اور ڈوبنے سے بچائے گا۔ وہ سن کر ہنسی اڑاتے کہ خشک زمین پر ڈوبنے کا بچاؤ کر رہے ہیں۔

---

① صحيح البخاری، بدء الوحی، باب كيف كان بدء الوحی الى رسول الله، (٧) ومسلم (١٧٧٣)

# پہاڑوں جیسی موجوں نے انہیں آلیا

﴿ وَ هِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَ نَادٰى نُوْحُ ِۨابْنَهٗ وَ كَانَ فِيْ
مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ۝ قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ
يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ وَ حَالَ
بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ۝ ﴾ [سورة هود: ٤٢-٤٣]

''وہ کشتی انہیں پہاڑوں جیسی موجوں میں لے کر جا رہی تھی اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے لڑکے کو جو ایک کنارے پر تھا' پکار کر کہا کہ اے میرے پیارے بچے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ رہ' اس نے جواب دیا کہ میں تو کسی بڑے پہاڑ کی طرف پناہ میں آ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا' نوح نے کہا آج اللہ کے امر سے بچانے والا کوئی نہیں' صرف وہی بچیں گے جن پر اللہ کا رحم ہوا۔ اسی وقت ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔''

**تفہیم**

① یعنی جب زمین پر پانی تھا' حتی کے پہاڑ بھی پانی میں ڈوبے ہوئے تھے' یہ کشتی حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو دامن میں سمیٹے' اللہ کے حکم سے اور اس کی حفاظت میں پہاڑ کی طرح رواں دواں تھی۔ ورنہ اتنے طوفانی پانی میں کشتی کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے؟ اسی لیے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسے بطور احسان ذکر فرمایا: ''جب پانی میں طغیانی آ گئی تو اس وقت ہم نے تمہیں کشتی میں چڑھا لیا تاکہ اسے تمہارے لیے نصیحت اور یادگار بنا دیں اور تاکہ یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں'' [الحاقۃ ۱۱-۱۲]

② یہ حضرت نوح علیہ السلام کا چوتھا بیٹا تھا جس کا لقب کنعان اور نام 'یام' تھا' اسے حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت دی کہ مسلمان ہو جا اور کافروں کے ساتھ شامل رہ کر غرق ہونے والواں میں سے مت ہو۔

④ اس کا خیال تھا کہ کسی بڑے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر میں پناہ حاصل کرلوں گا' وہاں پانی کیونکر پہنچ سکے گا۔ باپ بیٹے کی گفتگو پوری نہ ہوئی تھی کہ پانی کی ایک موج نے درمیان میں حائل ہوکر ہمیشہ کے لیے دونوں کو جدا کر دیا۔



## کہیں قوم نوح کی طرح عذاب تم پر بھی نہ آجائے

﴿ وَ يٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْۤ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ وَ مَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ۝ ﴾ [سورة هود: ۸۹]

''اور اے میری قوم (کے لوگو!) کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کو میری مخالفت ان عذابوں کا مستحق بنادے جو قوم نوح اور قوم ہود اور قوم صالح کو پہنچے ہیں۔ اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں۔''

**تفہیم**

(حضرت شعیب علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ اے میری قوم میری عداوت اور بغض میں آ کر تم اپنے کفر اور اپنے گناہوں پر جم نہ جاؤ ورنہ تمہیں وہ عذاب پہنچے گا جو تم سے پہلے ایسے کاموں کا ارتکاب کرنے والوں کو پہنچا ہے۔ خصوصاً قوم لوط جو تم سے قریب زمانے میں ہی گذری ہے اور قریب جگہ میں ہے تم اپنے گذشتہ گناہوں کی معافی مانگو۔ آئندہ کے لیے گناہوں سے توبہ کرو۔ ایسا کرنے والوں پر میرا رب بہت ہی مہربان ہو جاتا ہے اور ان کو اپنا پیارا بنالیتا ہے۔



## جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے

﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۝ ﴾ [هود: ۱۱۲]

''پس آپ جمے رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جو آپ کے

ساتھ توبہ کر چکے ہیں خبردار تم حد سے نہ بڑھنا اللہ تمہارے تمام اعمال کو دیکھنے والا ہے۔''

**تفہیم**

اس آیت میں نبی ﷺ اور اہل ایمان کو ایک تو استقامت کی تلقین کی جا رہی ہے' جو دشمن کے مقابلے کے لیے ایک بہت بڑا ہتھیار ہے۔ دوسرے حد سے بڑھ جانے سے روکا گیا ہے' جو اہل ایمان کی اخلاقی قوت اور رفعت کردار کے لیے بہت ضروری ہے۔ حتی کہ یہ تجاوز' دشمن کے ساتھ معاملہ کرتے وقت بھی جائز نہیں ہے۔



## جیسا کہ اس سے پہلے اعتبار کیا تھا

﴿ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنْتُكُمْ عَلٰۤى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۝ ﴾ [سورة يوسف: ٦٤]

''(یعقوب علیہ السلام نے) کہا مجھے تو اس کی بابت تمہارا بس ویسا ہی اعتبار ہے' جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تھا بس اللہ ہی بہترین حافظ ہے اور وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔''

**تفہیم**

یعنی تم نے یوسف علیہ السلام کو بھی ساتھ لے جاتے وقت اسی طرح حفاظت کا وعدہ کیا تھا لیکن جو کچھ ہوا وہ سامنے ہے' اب میں تمہارا کس طرح اعتبار کروں۔ تاہم چونکہ غلے کی شدید ضرورت تھی۔ اس لیے اندیشے کے باوجود بنیامین کو ساتھ بھیجنے سے انکار مناسب نہیں سمجھا اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسے بھیجنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔



## یوسف علیہ السلام کے لیے تدبیر

﴿ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ كَذٰلِكَ

كِدْنَا لِيُوْسُفَ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَ فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ﴾ [سورة یوسف: ۷٦]

''پس یوسف (علیہ السلام) نے ان کے سامان کی تلاشی شروع کی' اپنے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے' پھر اس پیمانہ کو اپنے بھائی کے سامان (زنبیل) سے نکالا' ہم نے یوسف کے لیے اسی طرح یہ تدبیر کی اس بادشاہ کی قانون کی رو سے یہ اپنے بھائی کو نہ لے جا سکتا تھا مگر یہ کہ اللہ کو منظور ہو' ہم جس کے چاہیں درجے بلند کر دیں ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے۔''

## تفہیم

① واضح ہو کہ اس تمام واقعہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے کوئی لفظ خلاف واقعہ نہیں نکلا۔ نہ کوئی حرکت خلاف شرع ہوئی۔ زیادہ سے زیادہ انہوں نے ''توریہ'' کیا ''توریہ'' کا مطلب ہے ایسی بات کہنا یا کرنا جس سے دیکھنے سننے والے کے ذہن میں ایک ظاہری اور قریبی مطلب آئے لیکن متکلم کی مراد دوسری ہو جو ظاہری مطلب سے بعید ہے۔ اگر یہ ''توریہ'' کسی نیک اور محمود مقصد کے لیے کیا جائے تو اس کے جائز بلکہ محمود ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور کسی مذموم وقبیح غرض کے لیے ہو تو وہ ''توریہ'' نہیں دھوکہ اور فریب ہے۔ یہاں حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ یعقوب علیہ السلام کے ابتلاء وامتحان کی تکمیل کر دی جائے۔ یوسف علیہ السلام کے بعد بنیامین بھی ان سے جدا ہوں۔ ادھر مدت کے بچھڑے ہوئے دو عینی بھائی آپس میں مل کر رہیں۔ یوسف علیہ السلام کو امتحان کی گھاٹیوں سے نکالنے کے بعد اول علاتی بھائیوں پھر عینی بھائی والد بزرگوار اور سب کنبہ سے بتدریج ملائیں۔ دوسری طرف برادرانِ یوسف سے جو غلطیاں ہوئی تھیں کچھ ٹھوکریں کھا کر وہ بھی عفو ورحم کے دروازہ پر پہنچ جائیں۔ اور نہ معلوم کیا کیا حکمتیں ہوں گی جن کی وجہ سے یوسف علیہ السلام کو تھوڑا سا ''توریہ'' کرنے کی ہدایت ہوئی۔ انہوں نے پیالہ اپنے بھائی کے اسباب میں رکھا۔ پھر نہ کسی پر اس کی چوری کا الزام لگایا نہ یہ کہا کہ ہم فلاں کو چوری کی سزا میں پکڑتے ہیں۔ صورتیں

ایسی پیدا ہوتی چلی گئیں جن سے آخر میں بنیامین کے لیے اپنے بھائی کے پاس عزت و راحت کے ساتھ رہنے کی سبیل نکل آئی۔ مصلحتاً بعض ایسے الفاظ بیشک استعمال کیے جن کے معنی متبادل مراد نہ تھے یا بعض چیزوں پر سکوت کیا جن کی نسبت اگر کچھ بولتے تو راز فاش ہو کر اصل مقصد فوت ہو جاتا۔ (واللہ اعلم۔)

② اس سے معلوم ہوا کہ کسی صحیح غرض کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرنا جس کی ظاہری صورت حیلہ کی ہو' جائز ہے بشرطیکہ وہ طریقہ کسی نص شرعی کے خلاف نہ ہو۔[1]

③ جس طرح یوسف علیہ السلام کو اپنی عنایات اور مہربانیوں سے بلند مرتبہ عطا کیا' اسی طرح اس کے بھائی کو بھی بلند مرتبہ عطا فرمایا۔

④ ہر عالم سے بڑھ کر کوئی نہ کوئی عالم ہوتا ہے اس لیے کوئی صاحب علم اس دھوکے میں مبتلا نہ ہو کہ میں ہی اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم ہوں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب علم کے اوپر ایک علیم یعنی اللہ تعالیٰ ہے۔



# پہلے کئی سزاؤں کی مثالیں گزر چکی ہیں

﴿ وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾

[سورة الرعد: ٦]

''اور جو تجھ سے (سزا کی طلبی میں) جلدی کر رہے ہیں راحت سے پہلے ہی' یقیناً ان سے پہلے سزائیں (بطور مثال) گزر چکی ہیں اور بے شک تیرا رب البتہ بخشنے والا ہے لوگوں کے بے جا ظلم پر اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ تیرا رب بڑی سخت سزا دینے والا بھی ہے۔''

**تفہیم**

① یہ منکرین قیامت کہتے ہیں کہ اگر سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب جلد ہی کیوں نہیں

---

[1] فتح القدير (١٠٩١/١)

لاتے؟ کہتے تھے کہ اے اپنے آپ پر اللہ کی وحی نازل ہونے کا دعویٰ کرنے والے' ہمارے نزدیک تو تو پاگل ہے۔ اگر بالفرض سچا ہے تو عذاب کے فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا؟ اس کے جواب میں ان سے کہا گیا کہ فرشتے حق کے اور فیصلے کے ساتھ ہی آیا کرتے ہیں' جب وہ وقت آئے گا اس وقت ایمان لانے یا توبہ کرنے یا نیک عمل کرنے کی فرصت ومہلت نہیں ملے گی ۔ اسی طرح اور آیت میں ہے:
﴿يَسْتَعْجِلُوْنَكَ ﴾ [العنكبوت: ٥٤] دو آیتوں تک۔ اور جگہ ہے ﴿ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴾ [المعارج: ١]

② یعنی لوگوں کے ظلم ومعصیت کے باوجود وہ عذاب میں جلدی نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے اور بعض دفعہ تو اتنی تاخیر کرتا ہے کہ معاملہ قیامت پر چھوڑ دیتا ہے' یہ اس کے حلم وکرم اور عفو ودرگزر کا نتیجہ ہے ورنہ وہ فوراً مؤاخذہ کرنے اور عذاب دینے پر آ جائے تو روئے زمین پر کوئی انسان ہی باقی نہ رہے۔

﴿ وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ ﴾

[سورة الفاطر: ٤٥]

''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب پکڑ دھکڑ فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک متنفس کو نہ چھوڑتا۔''



# ہاتھ پھیلانے والے کی طرح

﴿ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَ مَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴾ [سورة الرعد: ١٤]

''اسی کو پکارنا حق ہے' جو لوگ اوروں کو اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان (کی پکار) کا کچھ بھی جواب نہیں دیتے مگر جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ اس کے منہ میں پڑ جائے حالانکہ وہ پانی اس کے

منہ میں پہنچنے والا نہیں' ان منکروں کی جتنی پکار ہے سب گمراہی میں ہے۔''

**تفہیم**

① یعنی خوف اور امید کے وقت اسی ایک اللہ کو پکارنا صحیح ہے کیونکہ وہی ہر ایک کی پکار سنتا ہے اور قبول فرماتا ہے۔ یا دعوت' عبادت کے معنی میں ہے یعنی' اسی کی عبادت حق اور صحیح ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' کیونکہ کائنات کا خالق' مالک اور مدبر صرف وہی ہے اس لیے عبادت صرف اسی کا حق ہے۔

② حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کے لیے دعوت حق ہے' اس سے مراد توحید ہے۔[1]

محمد بن منکدر کہتے ہیں مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔

③ یعنی جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مدد کے لیے پکارتا ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دور سے پانی کی طرف اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلا کر پانی سے کہے کہ میرے منہ تک آ جا' ظاہر بات ہے کہ پانی جامد چیز ہے' اسے پتہ ہی نہیں کہ ہتھیلیاں پھیلانے والے کی حاجت کیا ہے' اور نہ اسے پتہ ہے کہ وہ مجھ سے اپنے منہ تک پہنچنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔

اسی طرح یہ کفار جنہیں پکارتے ہیں اور جن سے امیدیں رکھتے ہیں' وہ ان کی امیدیں پوری نہیں کرنے والے۔ اور یہ مطلب بھی ہے کہ جیسے کوئی اپنی مٹھیوں میں پانی بند کر لے تو وہ رہنے کا نہیں۔ پس ''باسط'' قابض کے معنی میں ہے۔

عربی شعر میں بھی قابض ماء آیا ہے۔[2]

پس جیسے پانی مٹھی میں روکنے والا اور جیسے پانی کی طرف ہاتھ پھیلانے والا پانی سے محروم ہے' ایسے ہی یہ مشرک اللہ کے سوا دوسروں کو گو پکاریں لیکن رہیں گے محروم ہی دین دنیا کا کوئی فائدہ انہیں نہ پہنچے گا۔ ان کی پکار بے سود ہے۔[3]

---

① تفسیر الطبری (٣٦٤/٧)

② البحر المحیط (٣٦٨/٥) وتفسیر الطبری (٣٦٤/٧)

③ تفسیر ابن کثیر (٦٠/٣)

# حق اور باطل کی مثال

﴿ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا ؕ وَ مِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْهِ فِی النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْیَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَ الْبَاطِلَ ؕ۬ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝﴾ [سورة الرعد: ۱۷]

''اسی نے آسمان سے پانی برسایا پھر اپنی اپنی وسعت کے مطابق نالے بہ نکلے پھر پانی کے ریلے نے اوپر چڑھے جھاگ کو اٹھالیا اور اس چیز میں بھی جس کو آگ میں ڈال کر تپاتے ہیں زیور یا ساز وسامان کے لیے اسی طرح کے جھاگ ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے اب جھاگ تو نکارہ ہو کر چلا جاتا ہے لیکن جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہے' وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔''

**تفہیم**

① اللہ تعالیٰ نے حق وباطل کے فرق' حق کی پائیداری اور باطل کی بے ثباتی کی یہ دو مثالیں بیان فرمائیں ہیں۔

ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ بادلوں سے مینہ برساتا ہے' چشموں دریاؤں نالیوں وغیرہ کے ذریعے برسات کا پانی بہنے لگتا ہے۔ کسی میں کم' کسی میں زیادہ' کوئی چھوٹی' کوئی بڑی۔ یہ دلوں کی مثال ہے اور ان کے تفاوت کی۔ کوئی آسمانی علم بہت زیادہ حاصل کرتا ہے کوئی کم۔ پھر پانی کی اس رو پر جھاگ تیرنے لگتا ہے۔ ایک مثال تو یہ ہوئی۔ دوسری مثال سونے چاندی لوہے تانبے کی ہے کہ اسے آگ میں تپایا جاتا ہے سونے چاندی زیور کے لیے لوہا تانبا برتن وغیرہ کے لیے ان میں بھی جھاگ ہوتے ہیں تو جیسے ان دونوں چیزوں کے جھاگ مٹ جاتے ہیں' اسی طرح باطل جو کبھی حق پر چھا جاتا ہے' آخر چھٹ جاتا ہے اور حق نتھر آتا ہے جیسے پانی نتھر کر صاف ہو کر رہ جاتا ہے اور جیسے چاندی سونا وغیرہ تپا کر کھوٹ سے الگ کر لیے جاتے ہیں۔ اب

سونے چاندی پانی وغیرہ سے تو دنیا نفع اٹھاتی رہتی ہے اور ان پر جو کھوٹ اور جھاگ آ گیا تھا' اس کا نام ونشان بھی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے سمجھانے کے لیے کتنی صاف صاف مثالیں بیان فرما رہا ہے۔ کہ سوچیں سمجھیں۔ جیسے فرمایا ہے کہ ہم یہ مثالیں لوگوں کے سامنے بیان فرماتے ہیں لیکن اسے علماء خوب سمجھتے ہیں۔

② بعض سلف کی سمجھ میں جو کوئی مثال نہیں آتی تھی تو وہ رونے لگتے تھے کیونکہ انہیں نہ سمجھنا علم سے خالی لوگوں کا وصف ہے۔

③ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پہلی مثال میں بیان ہے ان لوگوں کا جن کے دل یقین کے ساتھ علم الٰہی کے حامل ہوتے ہیں اور بعض دل وہ بھی ہیں' جن میں رشک باقی رہ جاتا ہے پس شک کے ساتھ کا علم بے سود ہوتا ہے۔ یقین پورا فائدہ دیتا ہے۔ ابد سے مراد شک ہے جو کمتر چیز ہے' یقین کار آمد چیز ہے' جو باقی رہنے والی ہے۔ جیسے زیور جو آگ میں تپایا جاتا ہے تو کھوٹ جل جاتا ہے اور کھری چیز رہ جاتی ہے' اسی طرح اللہ کے ہاں یقین مقبول ہے شک مردود ہے۔ پس جس طرح پانی رہ گیا اور پینے وغیرہ کا کام آیا اور جس طرح سونا چاندی اصلی رہ گیا اور اس کے ساز وسامان بنے' اسی طرح نیک اور خالص اعمال عامل کو نفع دیتے ہیں اور باقی رہتے ہیں۔ ہدایت وحق پر جو عامل رہے' وہ نفع پاتا ہے جیسے لوہے کی چھری تلوار بغیر تپائے بن نہیں سکتی۔ اسی طرح باطل' شک اور ریاکاری والے اعمال اللہ کے ہاں کار آمد نہیں ہوسکتے۔ قیامت کے دن باطل ضائع ہوجائے گا۔ اور اہل حق کو حق نفع دے گا۔ [1]

④ سورۂ بقرہ کے شروع میں منافقوں کی دو مثالیں اللہ رب العزت نے بیان فرمائیں۔ ایک پانی کی اور ایک آگ کی۔ سورۂ نور میں کافروں کی دو مثالیں بیان فرمائیں۔ ایک سراب یعنی ریت کی دوسری سمندر کی تہ کے اندھیروں کی۔ ریت کا میدان موسم گرما میں دور سے بالکل لہریں لیتا ہوا دریا کا پانی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن یہودیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم کیا مانگتے ہو؟ کہیں گے پیاسے ہو رہے ہیں' پانی چاہیے تو ان سے کہا جائے گا کہ پھر

① تفسیر ابن کثیر (۶۲/۳)

جاتے کیوں نہیں ہو؟ چنانچہ جہنم انہیں ایسی نظر آئے گی جیسے دنیا میں ریتلے میدان۔ ①

⑤ پانی اور آگ کی مثال حدیث میں ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ ۝ ﴾ [النور: ٤٠] بخاری و مسلم میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ جس ہدایت و علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال اس بارش کی طرح ہے جو زمین پر برسی۔ زمین کے ایک حصہ نے تو پانی کو قبول کیا' گھاس چارہ بکثرت آ گیا۔ بعض زمین جاذب تھی' اس نے پانی کو روک لیا پس اللہ نے اس سے بھی لوگوں کو نفع پہنچایا۔ پانی ان کے پینے پلانے کے' کھیت کے کام آیا اور جو ٹکڑا زمین کا سنگلاخ اور سخت تھا نہ اس میں پانی ٹھہرا نہ وہاں کچھ پیداوار ہوئی۔ پس یہ اس کی مثال ہے جس نے دین میں سمجھ حاصل کی اور میری بعثت سے اللہ نے اسے فائدہ پہنچایا اس نے خود علم سیکھا دوسروں کو سکھایا اور مثال ہے اس کی جس نے اس کے لیے سر بھی نہ اٹھایا اور نہ اللہ کی وہ ہدایت قبول کی جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں۔ (پس وہ سنگلاخ زمین کی مثل ہے۔) ②

ایک اور حدیث میں ہے میری اور تمہاری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی جب آگ نے اپنے آس پاس کی چیزیں روشن کر دیں تو پتنگے اور پروانے وغیرہ کیڑے اس میں گر گر کر جان دینے لگے وہ انہیں ہر چند روکتا ہے لیکن بس پھر بھی وہ برابر گر رہے ہیں بالکل یہی مثال میری اور تمہاری ہے کہ میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں روکتا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ آگ سے پرے ہٹو لیکن تم میری نہیں سنتے' نہیں مانتے' مجھ سے چھوٹ چھوٹ کر آگ میں گرے چلے جاتے ہو۔ ③

---

① صحيح مسلم، الإيمان، باب معرفة طريق الرؤية، (١٨٣)

② صحيح البخاري، العلم، باب فضل من علم وعلم، (٧٩) وصحيح مسلم (٢٢٨٢) ومسند الإمام أحمد (٤/ ٣٩٩)

③ صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ ﴾ (٣٤٢٦) وصحيح مسلم (٢٢٨٤) وجامع الترمذي (٢٨٧٤)

# وہ تو اندھے کی مثل ہے

﴿ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ﴾ [سورۃ الرعد: ١٩]

''کیا وہ شخص جو یہ علم رکھتا ہے کہ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے جو اتارا گیا ہے وہ حق ہے' اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھا ہو' نصیحت تو وہی قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہوں۔''

**تفہیم**

① اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ایک وہ شخص جو اللہ کے کلام کو جو آپ کی جانب اترا سراسر حق مانتا ہو' سب پر ایمان رکھتا ہو' ایک کو دوسرے کی تصدیق کرنے والا اور موافقت کرنے والا جانتا ہو' سب خبروں کو سچ جانتا ہو' سب حکموں کو مانتا ہو' سب برائیوں کو جانتا ہو' آپ کی سچائی کا قائل ہو۔ اور دوسرا وہ شخص جو نابینا ہو' بھلائی کو سمجھتا ہی نہیں اور اگر سمجھ بھی لے تو مانتا نہ ہو' نہ سچا جانتا ہو' یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسے فرمان ہے کہ ''دوزخی اور جنتی برابر نہیں۔'' جنتی خوش نصیب ہیں' یہی فرمان یہاں ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں۔ باب یہ ہے کہ ''بھلی سمجھ' سمجھداروں کی ہی ہوتی ہے۔''

② یعنی جن کے پاس قلب سلیم اور عقل صحیح نہ ہو اور جنہوں نے اپنے دلوں کو گناہوں کے زنگ سے آلودہ اور اپنی عقلوں کو خراب کر لیا ہو' وہ اس قرآن سے نصیحت حاصل نہیں کر سکتے۔



# جنت کی مثال

﴿ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝ ﴾ [سورۃ الرعد: ٣٥]

''اس جنت کی مثال' جس کا وعدہ پرہیز گاروں کو دیا گیا ہے یہ ہے کہ اس کے

نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔اس کا میوہ ہمیشگی والا ہے اور اس کا سایہ بھی۔ یہ ہے انجام پرہیزگاروں کا' اور کافروں کا انجام دوزخ ہے۔''

**تفہیم**

اہل کفار کے انجام بد کے ساتھ اہل ایمان کا حسن انجام بیان فرما دیا تا کہ جنت کے حصول میں رغبت اور شوق پیدا ہو'اس مقام پر امام ابن کثیر نے جنت کی نعمتوں' لذتوں اور ان کی خصوصی کیفیات پر مشتمل احادیث بیان فرمائی ہیں۔ جنہیں وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔



## تم تو ہماری طرح انسان ہو

﴿ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَلَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۝ ﴾ [سورة إبراهيم: ١٠]

''ان کے رسولوں نے انہیں کہا کہ کیا حق تعالیٰ کے بارے میں تمہیں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے وہ تمہیں اس لیے بلا رہا ہے کہ تمہارے تمام گناہ معاف فرما دے اور ایک مقرر وقت تک تمہیں مہلت عطا فرمائے' انہوں نے کہا تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان خداؤں کی عبادت سے روک دو جن کی عبادت ہمارے باپ کرتے رہے ہیں۔ اچھا تو ہمارے سامنے کوئی کھلی دلیل پیش کرو۔''

**تفہیم**

① اس آیت مبارکہ میں رسولوں کی اور اور ان کی قوم کے کافروں کی بات چیت بیان ہو رہی ہے۔ قوم نے اللہ کی عبادت میں شک شبہ کا اظہار کیا اس پر رسولوں نے کہا اللہ کے بارے میں شک؟ یعنی اس کے وجود میں شک کیسا؟ فطرت اس کی شاہد عدل ہے انسان کی بنیاد میں اس کا اقرار موجود ہے۔ عقل سلیم اس کے ماننے پر مجبور

ہے۔ اچھا اگر دلیل کے بغیر اطمینان نہیں تو دیکھ لو کہ یہ آسمان و زمین کیسے پیدا ہو گئے؟ موجود کے لیے موجد کا ہونا ضروری ہے۔ انہیں بغیر نمونہ پیدا کرنے والا وہی وحدہ لا شریک ہے اس عالم کی تخلیق تو مطیع و مخلوق ہونا بالکل ظاہر ہے اس سے کیا اتنی موٹی بات بھی سمجھ نہیں آتی؟ کہ اس کا صانع اس کا خالق ہے اور وہی اللہ تعالیٰ ہے جو ہر چیز کا خالق مالک اور معبود برحق ہے۔ یا کیا تمہیں اس کی الوہیت اور اس کی وحدانیت میں شک ہے؟ جب تمام موجودات کا خالق اور موجود وہی ہے تو پھر عبادت میں تنہا وہی کیوں نہ ہو۔؟

(علاوہ ازیں وہ ایمان و توحید کی دعوت بھی صرف اس لیے دے رہا ہے کہ تمہیں گناہوں سے پاک کر دے۔ اس کے باوجود تم اس خالق ارض و سما کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور اس کی دعوت سے تمہیں انکار ہے؟ یہ وہی اشکال ہے جو کافروں کو پیش آتا رہا کہ انسان ہو کر کس طرح کوئی وحی الٰہی اور نبوت و رسالت کا مستحق ہو سکتا ہے؟)[1]

② یہ دوسری رکاوٹ ہے کہ ہم ان معبودوں کی عبادت کس طرح چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباو اجداد کرتے رہے ہیں؟ جب کہ تمہارا مقصد ہمیں ان کی عبادت سے ہٹا کر اللہ واحد کی عبادت پر لگانا ہے۔ دلائل و معجزات تو ہر نبی کے ساتھ ہوتے تھے' اس سے مراد ایسی دلیل یا معجزہ ہے جس سے دیکھنے کے وہ آرزومند ہوتے تھے' جیسے مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے مختلف قسم کے معجزات طلب کیے تھے' جس کا تذکرہ بنی اسرائیل میں آئے گا۔



## ہم تمہاری مثل انسان ہیں

﴿ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝﴾ [سورة إبراهيم: ١١]

---

[1] تفسیر ابن کثیر ۳/۹۱

''ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ یہ تو سچ ہے کہ ہم تم جیسے ہی انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے' اللہ کے حکم کے بغیر ہماری مجال نہیں کہ ہم کوئی معجزہ تمہیں لا دکھائیں اور ایمانداروں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔''

**تفہیم**

① تمہارا یہ کہنا درست ہے کہ ہم نہ فرشتے ہیں نہ کوئی اور مخلوق' بلکہ نفس بشریت میں تم ہی جیسے ہیں لیکن نوع بشر کے افراد میں احوال و مدارج کے اعتبار سے کیا زمین و آسمان کا تفاوت نہیں۔ آخر اتنا تو تم بھی مشاہدہ کرتے ہو کہ حق تعالیٰ نے جسمانی' دماغی' اخلاقی اور معاشی حالات کے اعتبار سے بعض انسانوں کو بعض پر کس قدر فضیلت دی ہے۔ پھر اگر یہ کہا جائے کہ خدا نے اپنے بعض بندوں کو ان کی فطری قابلیت اور اعلیٰ ملکات کی بدولت روحانی کمال اور باطنی قرب کے اس بلند مقام پر پہنچا دیا جسے ''مقام نبوت'' یا ''منصب رسالت'' کہتے ہیں تو اس میں کیا اشکال و استبعاد ہے؟ بہرحال دعویٰ نبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اپنی نسبت بشر کے سوا کوئی دوسری نوع ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ ہاں اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے بعض پر ایک خصوصی احسان فرماتا ہے جو دوسروں پر نہیں ہوتا۔

② اب رہا سند اور سرٹیفکیٹ لانے کا قصہ' سو خدا کے حکم سے ہم پہلے ہی اپنی نبوت کی سند اور روشن نشانیاں دکھلا چکے ہیں۔ کما قال: ﴿ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ﴾ جو آدمی ماننا چاہے اس کے اطمینان کے لیے وہ کافی سے زیادہ ہیں۔ باقی رہا تمہاری فرمائشیں پوری کرنا' تو یہ چیز ہمارے قبضہ میں نہیں۔ نہ ہماری تصدیق عقلاً اس پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے موافق جو سند اور نشان چاہے' تم کو دکھلائے گا۔ فرمائشی نشانات دیکھنے سے ایمان نہیں آتا' اللہ کے دینے سے آتا ہے۔ لہٰذا ایک ایمان دار کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اگر تم نہ مانو گے اور ہماری عداوت و ایذاء رسانی پر تیار ہو گے تو ہمارا بھروسہ اسی خدا کی مہربانی اور امداد پر رہے گا۔



## کفر کرنے والوں کی مثال

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝﴾

[سورة إبراهيم: ١٨]

''ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے پالنے والے سے کفر کیا' ان کے اعمال مثل راکھ کے ہیں جس پر تیز ہوا آندھی چلے اور اڑا کر لے جائے' جو بھی انہوں نے کیا اس میں کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے' یہی ان کی گمراہی ہے۔''

**تفہیم**

قیامت والے دن کافروں کے عملوں کا بھی یہی حال ہوگا کہ اس کا کوئی اجر و ثواب انہیں نہیں ملے گا۔



## پاکیزہ درخت کی مثال

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ ۢبِاِذْنِ رَبِّهَا وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ [سورة إبراهيم: ٢٤-٢٥]

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ بات کی مثال کس طرح بیان فرمائی' مثل ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ مضبوط ہے اور جس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں' جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت اپنے پھل لاتا ہے' اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔''

**تفہیم**

① ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کلمہ طیبہ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت ہے۔ پاکیزہ

درخت کی طرح کا مومن ہے اس کی جڑ مضبوط ہے۔ یعنی مومن کے دل میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جما ہوا ہے اس کی شاخ آسمان میں ہے۔ یعنی اس توحید کے کلمہ کی وجہ سے اس کے اعمال آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہیں (کہ مراد اس سے مومن کے اعمال ہیں اور اس کے پاک اقوال اور نیک کام)۔[1]

② مومن مثل کھجور کے درخت کے ہے، ہر وقت ہر صبح ہر شام اس کے اعمال آسمان پر چڑھتے رہتے ہیں۔[2]

③ صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جو آپ نے فرمایا: ''مجھے بتلاؤ وہ کون سا درخت ہے جو مسلمان کے مشابہ ہے؟ جس کے پتے نہیں جھڑتے نہ جاڑوں میں نہ گرمیوں میں جو اپنا پھل ہر موسم میں لاتار رہتا ہے۔'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں وہ درخت کھجور کا ہے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ مجلس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ خاموش ہیں تو میں بھی چپ کا ہو رہا۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ درخت کھجور کا ہے۔'' جب یہاں سے اٹھ کر چلے تو میں نے اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ذکر کیا۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''پیارے بچے اگر تم یہ جواب دے دیتے تو مجھے تو تمام چیزوں کے مل جانے سے بھی زیادہ محبوب تھا۔''[3]



---

① تفسير الطبرى (٤٣٩/٧)

② تفسير الطبرى (٤٣٩/٧)

③ صحيح البخارى، التفسير، (سورة إبراهيم) باب قوله ﴿ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ ﴾، (٤٦٩٨) وصحيح مسلم (٢٨١١)

# خبیث درخت کی مثال

﴿ وَ مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ﹰاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ ﴾ [سورة إبراهيم: ٢٦]

''اور ناپاک بات کی مثال ایسے درخت جیسی ہے جو زمین کے کچھ ہی اوپر سے اکھاڑ لیا گیا' اسے کچھ ثبات تو ہے نہیں۔''

**تفہیم**

کلمہ خبیثہ سے مراد کفر اور شجرۂ خبیثہ سے حنظل (اندرائن) کا درخت مراد ہے۔ جس کی جڑ زمین کے اوپر ہی ہوتی ہے اور ذرا سے اشارے سے اکھڑ جاتی ہے۔ یعنی کافر کے اعمال بالکل بے حیثیت ہیں۔ نہ وہ آسمان پر چڑھتے ہیں' نہ اللہ کی بارگاہ میں وہ قبولیت کا درجہ پاتے ہیں۔ [1]



# ہم نے تمہارے لیے مثالیں بیان کر دیں ہیں

﴿ وَ سَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ تَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَ ضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝ ﴾ [سورة إبراهيم: ٤٥]

''اور کیا تم ان لوگوں کے گھروں میں رہتے سہتے نہ تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا؟ اور کیا تم پر وہ معاملہ کھلا نہیں کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا کچھ کیا؟ ہم نے (تو تمہارے سمجھانے کو) بہت سی مثالیں بیان کر دی تھیں''

**تفہیم**

یعنی عبرت کے لیے ہم نے تو ان کی پچھلی قوموں کے واقعات بیان کر دیئے ہیں' جن کے گھروں میں تم آباد ہو اور ان کے کھنڈرات بھی تمہیں دعوت غور و فکر دے رہے ہیں۔ اگر تم نے ان سے عبرت حاصل نہیں کی اور ان کے انجام سے بچنے کی فکر نہ کرو تو تمہاری

---

[1] تفسیر ابن کثیر (٣/١٠٠)

مرضی۔ پھر تم بھی اسی انجام کے لیے تیار رہو۔



## اس کی مانند کوئی پیدا نہیں کرسکتا

﴿ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝ ﴾ [سورۃ النحل: ۱۷]

''تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس جیسا ہے جو پیدا نہیں کرسکتا؟ کیا تم بالکل نہیں سوچتے۔''

**تفہیم**

ان تمام نعمتوں سے توحید کی اہمیت کو اجاگر فرمایا کہ اللہ تو ان چیزوں کا خالق ہے' لیکن اس کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو' انہوں نے بھی کچھ پیدا کیا ہے؟ نہیں' بلکہ وہ تو خود اللہ کی مخلوق ہیں۔ پھر بھلا خالق اور مخلوق کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟ جبکہ تم انہیں معبود بنا کر اللہ کا برابر ٹھہرا رکھا ہے۔ کیا تم ذرا نہیں سوچتے؟



## پریشان حال کی مانند

﴿ وَ یَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَ لَهُمْ مَّا یَشْتَهُوْنَ۝ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ۝ یَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَیُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ۝ ﴾

[سورۃ النحل: ۵۷-۵۹]

''اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے لڑکیاں مقرر کرتے ہیں اور اپنے لیے وہ جو اپنی خواہش کے مطابق ہو' ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے' اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس کو ذلت کے ساتھ لیے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے' آہ! کیا ہی برے فیصلے

کرتے ہیں؟''

**تفہیم**

① عرب کے بعض قبیلے (خزاعہ اور کنانہ) فرشتوں کی عبادت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یعنی ایک ظلم تو یہ کیا کہ اللہ کی اولاد قرار دی۔ جب کہ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ پھر اولاد بھی مؤنث' جسے وہ اپنے لیے پسند ہی نہیں کرتے اللہ کے لیے اسے پسند کیا' جسے دوسرے مقام پر فرمایا: ''کیا تمہارے لیے بیٹے اور اس کے لیے بیٹیاں؟ یہ تو بڑی بھونڈی تقسیم ہے۔'' یہاں فرمایا کہ تم تو یہ خواہش رکھتے ہو کہ بیٹے ہوں' بیٹی کوئی نہ ہو۔

② یعنی لڑکی کی ولادت کی خبر سن کر ان کا تو یہ حال ہوتا ہے جو مذکور ہے اور اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں کیسا برا یہ فیصلہ کرتے ہیں' جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کرتے' اللہ کے لیے بھی اسے تجویز نہ کرتے لیکن انہوں نے اس کے برعکس کیا۔ یہاں صرف اسی ناانصافی کی وضاحت کی گئی ہے۔

③ یعنی رسمی ننگ و عار کے تصور سے کہ لڑکی زندہ رہی تو کسی کو داماد بنانا پڑے گا۔ لوگوں کو منہ دکھانا نہیں چاہتا ادھر ادھر چھپتا پھرتا ہے۔

اور شب و روز ادھیڑ بن میں لگا ہوا ہے اور تجویزیں سوچتا ہے کہ دنیا کی عار قبول کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں اتار دے' یعنی ہلاک کر ڈالے۔ جیسا کہ جاہلیت میں بہت سے سنگدل لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے یا زندہ زمین میں گاڑ دیتے تھے۔ اسلام نے آ کر اس قبیح رسم کو مٹایا اور ایسا قلع قمع کیا کہ اسلام کے بعد سارے ملک میں اس بے رحمی کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔



## آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کی ہی بری مثال ہے

﴿ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○﴾ [النحل: ٦٠]

''آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کی ہی بری مثال ہے اللہ کے لیے تو بہت ہی بلند صفت ہے' وہ بڑا ہی غالب اور باحکمت ہے۔''

**تفہیم**

① یعنی کافروں کے برے اعمال بیان کیے گئے ہیں انہی کے لیے بری مثال یا صفت ہے یعنی جہل اور کفر کی صفت۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی جو بیوی اور اولاد یہ ٹھہراتے ہیں' یہ بری مثال ہے جو یہ منکرینِ آخرت اللہ کے لیے بیان کرتے ہیں۔

② یعنی اس کی ہر صفت' مخلوق کے مقابلے میں اعلیٰ و برتر ہے' مثلاً اس کا علم وسیع ہے' اس کی قدرت لامتناہی ہے' اس کی جود و عطا بے نظیر ہے۔ وعلی ہذا القیاس یہ مطلب ہے کہ وہ قادر ہے' خالق ہے۔ رازق ہے اور سمیع و بصیر ہے وغیرہ۔[1]

③ اور وہ زبردست تو ایسا ہے کہ تمہاری گستاخیوں کی سزا ہاتھوں ہاتھ دے سکتا ہے۔ لیکن فوراً سزا دینا اس کی حکمت کے مناسب نہیں۔ لہٰذا ڈھیل دی جاتی ہے کہ اب بھی باز آ جائیں اور اپنا رویہ درست کر لیں۔



# اللہ کے لیے مثالیں مت بیان کرو

﴿ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝ ﴾ [سورة النحل: ٧٤]

''پس اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں مت بناؤ' اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

**تفہیم**

اس بنیادی اور اصولی ارشاد سے شرک کے ایک بڑے مصدر اور معروف دروازے کو بند کر دیا گیا۔ وہ یہ کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو انسانوں پر قیاس کر کے اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ حالانکہ اس وحدہ لاشریک کی شان لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ کی شان ہے'

---

① فتح القدیر

کہ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ خود کسی کی اولاد وہ یکتا اور وحدہ لاشریک ہے۔

اسی طرح لوگوں نے اس وحدہ لاشریک کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر کے اس کے لیے طرح طرح کے خود ساختہ اور من گھڑت وسیلے اور واسطے فرض کیے' کہ جس طرح ایک عام آدمی خود براہ راست کسی بادشاہ کے پاس نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر پہنچ بھی جائے تو وہاں اس کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔

اسی طرح ہم لوگ اللہ تعالیٰ تک خود نہیں پہنچ سکتے' اور ہماری کوئی شنوائی نہیں ہو سکتی' جب تک کہ ہم اپنے مزعومہ وسائل اور واسطوں میں سے کسی وسیلہ اور واسطہ کو نہ اپنائیں۔ سو یہ سب تصورات غلط اور بے بنیاد ہیں۔ اور ان کی گمراہی کی اساس و بنیاد یہ ہے کہ ان میں اللہ جل مجدہٗ' کو مخلوق پر قیاس کیا گیا ہے۔ جبکہ وہ وحدہ لاشریک مخلوق کے تمام شوائب سے پاک اور دائرہ مخلوق سے وراء الوراء ہے' سبحانہ وتعالیٰ' اسی لیے ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ جانتا ہے اور تم لوگ نہیں جانتے' یعنی وہ جانتا ہے کہ اس کی شان اور اس کی صفات کیا اور کیسی ہیں' تم لوگ ان کو نہ جانتے ہو نہ جان سکتے ہو۔ پس اس نے اپنی ذات وصفات کے بارے میں اپنی وحی کے ذریعے اپنے رسول کے واسطے سے جو کچھ بتایا ہے وہی اس کے سوا اس کی معرفت اور اس کو جاننے کی اور کوئی صورت ممکن نہیں' پس وحی کے واسطے کے بغیر معرفت الٰہی کے حصول کے لیے جو بھی راستہ اختیار کیا جائے گا وہ ضلالت ومحرومی ہی کا باعث ہوگا۔



## غلام آقا کی مثال

﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا هَلْ يَسْتَوٗنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ ﴾ [النحل: ۷۵]

''اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک غلام ہے دوسرے کی ملکیت کا' جو کسی بات کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک اور شخص ہے جسے ہم نے اپنے پاس سے معقول روزی دے رکھی ہے' جس میں سے چھپے کھلے خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ

سب برابر ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سب تعریف ہے' بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔''

**تفہیم**

① ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں یہ کافر اور مومن کی مثال ہے۔ پس ملکیت کے غلام سے مراد کافر اور اچھی روزی والے اور خرچ کرنے والے سے مراد مومن ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس مثال سے بت کی اور اللہ تعالیٰ کی جدائی سمجھانا مقصود ہے کہ یہ اور وہ برابر کے نہیں۔ اس مثال کا فرق اس قدر واضح ہے جس کے بتانے کی ضرورت نہیں' اسی لیے فرمایا کہ ''تعریفوں کے لائق اللہ ہی ہے۔ اکثر مشرک بے علمی پر تلے ہوئے ہیں۔''[1]

② بعض کہتے ہیں کہ یہ غلام اور آزاد کی مثال ہے کہ پہلا شخص غلام اور دوسرا آزاد ہے۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے بعض کہتے ہیں کہ یہ مومن اور کافر کی مثال ہے۔ پہلا کافر اور دوسرا مومن ہے۔ یہ برابر نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ اور بُت (معبودان باطلہ) کی مثال ہے' پہلے سے مراد بُت اور دوسرے سے اللہ ہے۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے مطلب یہی ہے کہ ایک غلام اور آزاد' باوجود اس بات کے کہ دونوں انسان ہیں' دونوں اللہ کی مخلوق ہیں اور بھی بہت سی چیزیں دونوں کے درمیان مشترکہ ہیں' اس کے باوجود رتبہ اور شرف اور فضل و منزلت میں تم دونوں کو برابر نہیں سمجھتے تو اللہ تعالیٰ اور پتھر کی ایک مورتی یہ دونوں کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔



## اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کی مثال بیان کی

﴿ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ وَ مَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ هُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾ [سورة النحل: ٧٦]

---

[1] تفسير ابن كثير (١٧٩/٣)

''اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرماتا ہے' دو شخصوں کی' جن میں سے ایک تو گونگا ہے اور کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے کہیں بھی اسے بھیج دو کوئی بھلائی نہیں لاتا' کیا یہ اور وہ جو عدل کا حکم دیتا ہے اور ہے بھی سیدھی راہ پر' برابر ہو سکتے ہیں؟''

**تفہیم**

① یہ ایک اور مثال ہے جو پہلے سے زیادہ واضح ہے۔ اور ہر کام کرنے پر قادر ہے کیونکہ ہر بات بولتا اور سمجھتا ہے اور ہے بھی سیدھی راہ یعنی دین اور سیرت صالحہ پر۔ یعنی کمی بیشی سے پاک۔ جس طرح یہ دونوں برابر نہیں' اسی طرح اللہ تعالیٰ اور وہ چیزیں' جن کو لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں' برابر نہیں ہو سکتے۔

② ایک قول ہے کہ ایک گونگا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ مثال بھی کافر و مومن کی ہو جیسے اس سے پہلے کی آیت میں تھی۔ کہتے ہیں کہ قریش کے ایک شخص کے غلام کا ذکر پہلے ہے اور دوسرے شخص سے مراد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور غلام گونگے سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وہ غلام ہے جس پر آپ خرچ کرتے تھے جو آپ کو تکلیف پہنچاتا رہتا تھا اور آپ نے اسے کام کاج سے آزاد کر رکھا تھا لیکن پھر بھی یہ اسلام سے چڑھتا تھا' منکر تھا اور آپ کو صدقہ کرنے اور نیکیاں کرنے سے روکتا تھا' ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ ①



## سوت کاتنے والی عورت کی مثل مت کرو

﴿ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ وَ لَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۝ ﴾ [النحل: ۹۲]

''اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد

---

① تفسیر ابن کثیر (۱۷۹/۳)

ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا کہ تم اپنی قسموں کو آپس کے مکر کا باعث ٹھہراؤ اس لیے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھا چڑھا ہو جائے' بات صرف یہی ہے کی اس عہد سے اللہ تمہیں آزما رہا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے لیے قیامت کے دن ہر اس چیز کو کھول کر بیان کر دے گا جس میں تم اختلاف کر رہے تھے۔''

**تفہیم**

① عہد باندھ کر توڑ ڈالنا ایسی حماقت ہے جیسے کوئی عورت دن بھر سوت کاتے' پھر کتا کتایا سوت شام کے وقت توڑ کر پارہ پارہ کر دے۔ چنانچہ مکہ میں ایک دیوانی عورت ایسا ہی کیا کرتی تھی۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ معاہدات کو محض کچے دھاگے کی طرح سمجھ لینا کہ جب چاہا کاتا اور جب چاہا انگلیوں کی ادنیٰ حرکت سے بے تکلف توڑ ڈالا' سخت ناعاقبت اندیشی اور دیوانگی ہے۔ بات کا اعتبار نہ رہے تو دنیا کا نظام مختل ہو جائے۔ قول وقرار کی پابندی ہی سے عدل کی ترازو سیدھی رہ سکتی ہے۔ جو قومیں قانون عدل وانصاف سے ہٹ کر محض اغراض وخواہشات کی پوجا کرنے لگتی ہیں' ان کے یہاں معاہدات صرف توڑنے کے لیے رہ جاتے ہیں جہاں معاہد قوم کو اپنے سے کمزور دیکھا' سارے معاہدات ردی کی ٹوکری میں پھینک دیے گئے۔

② معاہدوں اور قسموں کو فریب ودغا' مکاری اور حیلہ سازی کا آلہ مت بناؤ۔ جس طرح اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ ایک جماعت کو اپنے سے طاقتور دیکھ کر معاہدہ کر لیا پھر جس وقت کوئی جماعت اس سے بڑھ کر معزز اور طاقتور سامنے آئی' پہلا معاہدہ توڑ کر نئی جماعت سے عہد وپیمان گانٹھ لیے۔ پھر چند روز بعد ان خلفاء کو کمزور بنانے اور اپنے کو بڑھانے کا موقع پایا تو فوراً معاہدات توڑ ڈالے اور سب قسمیں اور حلف بالائے طاق رکھ دیئے۔ بعینہٖ جس طرح آجکل یورپین اقوام کا معمول ہے۔

③ قوت وضعف میں اقوام کا اختلاف ان میں سے کسی کو اوپر چڑھانا کس کو نیچے گرانا'

---

① تفسیر ابن کثیر (۱۸۹/۳)

خدا تعالیٰ نے تمہاری آزمائش کے لیے رکھا ہے اور ایفائے عہد کا حکم دینے میں بھی تمہارا امتحان ہے۔ دیکھتے ہیں کون ثابت قدم رہتا ہے کہ اپنا عہد پورا کرنے میں حلفاء کی قوت وضعف کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ باقی اقبال وادبار کسی کے بدلے سے بدلا نہیں جاتا۔ ادبار کی جگہ اقبال اور ضعف کی جگہ قوت خدا ہی لائے تو آئے۔ ہاں بدعہدی کا خیال آنا اس کی علامت ہے کہ ادبار آنے والا ہے۔

④ وہ قسمیں اور عہد و پیمان جو آپس کے معاہدے اور وعدے کے طور پر ہوں ان کا پورا کرنا تو بے شک بے حد ضروری ہے اور جو قسمیں رغبت دلانے یا روکنے کے لیے زبان سے نکل جائیں وہ بے شک کفارہ دے کر توٹ سکتی ہیں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''واللہ! میں جس چیز پر قسم کھالوں اور پھر اس کے خلاف میں بہتری دیکھوں تو ان شاء اللہ ضرور اس نیک کام کو کروں گا اور اپنی قسم کا کفارہ دے دوں گا۔''①



# اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال بیان کی

﴿ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۝ ﴾ [النحل: ۱۱۲]

''اللہ تعالیٰ اس بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن واطمینان سے تھی اس کی روزی اس کے پاس بافراغت ہر جگہ سے چلی آرہی تھی۔ پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھوک اور ڈر کا مزہ چکھایا جو بدلہ تھا ان کے کرتوتوں کا۔''

① صحیح البخاری، الإیمان والنذور، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ ﴾، (٦٦٢٣) وصحیح مسلم (١٦٤٩) وسنن ابن ماجه (٢١٠٧)

**تفہیم**

اکثر مفسرین نے اس قریہ (بستی) سے مراد مکہ لیا ہے۔یعنی اس میں مکہ اور اہل مکہ کا حال بیان کیا گیا ہے اور یہ اس وقت ہوا جب اللہ کے رسول نے ان کے لیے بد دعا فرمائی اے اللہ مضر (قبیلے) پر اپنی سخت گرفت فرما اور ان پر اس طرح قحط سالی مسلط کر دے، جس طرح حضرت یوسف کے زمانے میں مصر میں ہوئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مکے کے امن کو خوف سے اور خوشحالی کو بھوک سے بدل دیا۔حتیٰ کہ ان کا یہ حال ہو گیا کہ ہڈیاں اور درختوں کے پتے کھا کر انہیں گزارہ کرنا پڑا۔اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ غیر معین بستی ہے اور تمثیل کے طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے۔کہ کفران نعمت کرنے والے لوگوں کا یہ حال ہو گا، وہ جہاں بھی ہوں اور جب بھی ہوں۔اس کے اس عموم سے جمہور مفسرین کو بھی انکار نہیں ہے، گو نزول کا سبب ان کے نزدیک خاص ہے۔



## ظلم کی مثل بدلہ لو

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ﴾ [النحل: ١٢٦]

''اور اگر بدلہ لو بھی تو بالکل اتنا ہی جتنا صدمہ تمہیں پہنچایا گیا ہو اور اگر صبر کر لو تو بے شک صابروں کے لیے یہی بہتر ہے۔''

**تفہیم**

① امام ابن سیرین رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں اگر کوئی تم سے کوئی چیز لے لے تو تم بھی اس سے اسی جیسی لے لو۔ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے تو مشرکوں سے درگزر کرنے کا حکم تھا۔جب ذرا حیثیت دار لوگ مسلمان ہوئے تو انہوں نے کہا کہ اگر اللہ کی طرف سے بدلے کی رخصت ہو جائے تو ہم بھی ان کتوں سے نبڑ لیا کریں اس پر یہ آیت اتری آخر یہ بھی جہاد سے منسوخ ہو گئی۔

② حضرت عطا بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں سورہ نحل پوری مکے شریف میں اتری ہے مگر

اس کی تین آخری آیتیں مدینے شریف میں اتری ہیں۔ جب کہ جنگ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور آپ کے اعضائے جسم بھی شہادت کے بعد کاٹ لیے گئے جس پر رسول اللہ ﷺ کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ اب جب مجھے اللہ تعالیٰ ان مشرکوں پر غلبہ دے تو میں ان میں سے تیس شخصوں کے ہاتھ پاؤں اسی طرح کاٹوں گا۔ مسلمانوں کے کان میں جب اپنے محترم نبی ﷺ کے یہ الفاظ پڑے تو ان کے جوش بہت بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ واللہ ہم ان پر غالب آ کر ان کی لاشوں کے وہ ٹکڑے ٹکڑے کریں گے کہ عربوں نے کبھی ایسا دیکھا ہی نہ ہوگا اس پر یہ آیتیں اتریں۔[1]

③ شعبی رحمہ اللہ اور ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی زبان سے نکلا تھا کہ ان لوگوں نے جو ہمارے شہیدوں کی بے حرمتی کی ہے اور ان کے اعضاء بدن کاٹ دیے ہیں واللہ ہم بھی ان سے اس کا بدلہ لے کر ہی چھوڑیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیتیں اتاریں۔[2]

④ مسند احمد میں ہے کہ جنگ احد میں ساٹھ انصاری شہید ہوئے اور چھ مہاجر رضی اللہ عنہم تو اصحاب رسول (ﷺ) کی زبان سے نکل گیا کہ جب ہم ان مشرکوں پر غلبہ پائیں تو ہم بھی ان کے ٹکڑے کیے بغیر نہ رہیں گے۔ چنانچہ فتح مکہ والے دن ایک شخص نے کہا کہ آج کے دن کے بعد قریش پہچانے بھی نہ جائیں گے۔ اسی وقت ندا ہوئی اللہ کے رسول ﷺ تمام لوگوں کو پناہ دیتے ہیں سوائے فلاں فلاں کے (جن کے نام لیے گئے ہیں) اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ نبی ﷺ نے اسی وقت فرمایا کہ ہم صبر کرتے ہیں اور بدلہ نہیں لیتے۔[3]

⑤ اس آیت کریمہ کی مثالیں قرآن کریم میں اور بھی بہت سی ہیں۔ اس میں عدل

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي (٣/٢٨٦-٢٨٨) ...... یہ روایت مرسل ہے۔

[2] تفسير ابن كثير (٣/٢٠٥)

[3] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة النحل، (٣١٢٩) ومسند الإمام أحمد (١٣٥/٥) ...... شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

کی مشروعیت بیان ہوئی ہے اور افضل طریقے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جیسے: ﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ [سورة الشورىٰ: ٤٠] میں کہ برائی کا بدلہ لینے کی رخصت عطا فرما کر پھر فرمایا ہے کہ جو درگزر کر لے اور اصلاح کر لے اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اسی طرح: ﴿ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ﴾ [سورة المآئدة: ٤٥] میں بھی زخموں کا بدلہ لینے کی اجازت دے کر فرمایا ہے کہ جو بطور صدقہ معاف کر دے یہ معافی اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی۔ اسی طرح اس آیت میں بھی برابر بدلہ لینے کے جواز کا ذکر فرما کر پھر ارشاد ہوا ہے کہ اگر صبر کر لو تو یہ بہت ہی بہتر ہے۔



## پہلی مرتبہ داخل ہونے کی طرح

﴿ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ لِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴾ [سورة بنی اسراءیل: ۷]

''اگر تم نے اچھے کام کیے تو خود اپنے ہی فائدے کے لیے' اور اگر تم نے برائیاں کیں تو بھی اپنے ہی لیے' پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے دوسرے کو بھیج دیا تاکہ) وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور پہلی دفعہ کی طرح پھر اسی مسجد میں گھس جائیں اور جس جس چیز پر قابو پائیں توڑ پھوڑ کر جڑ سے اکھاڑ دیں۔''

**تفہیم**

① ایک طویل غلامی کے بعد جب تم لوگوں کو نجات ملی تھی تو اس میں تمہارے لیے یہ درس تھا کہ تم بھلائی کی روش اختیار کرو۔ تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ کہ اگر تم نے بھلائی کی روش اختیار کی تو اس کا بھلا اور فائدہ تم ہی لوگوں کو ملے گا۔ اور اس کے برعکس اگر تم نے برائی اور سرکشی کی روش اختیار کی تو اس کا وبال بھی خود تم ہی لوگوں پر ہوگا' اور اس

کا بھگتان بھی خود تم ہی کو بھگتنا ہوگا۔ یہ نوشتہ دیوار بھی تم لوگوں کے لیے موجود تھا۔ اور تمہارے نبیوں نے تم کو اس سے آگاہ بھی کر دیا تھا۔ مگر تم لوگوں نے وہی کیا جس کی پیشین گوئی پہلے کی جا چکی تھی۔ یعنی تم لوگ پھر اسی فساد میں مبتلا ہو گئے جس میں پہلے مبتلا ہوئے تھے۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں جب تمہاری سرکوبی کی دوسری میعاد آ گئی' تو ہم نے تم پر اپنے دوسرے زور آور بندے مسلط کر دیئے۔ تاکہ وہ تمہارے حلیے بگاڑ کر رکھ دیں' اور تاکہ وہ تمہاری مسجد میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح کہ وہ اس میں پہلی مرتبہ گھس گئے تھے۔ اور تاکہ وہ ہر اس چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دیں جس پر ان کو قابو ملے' اور ان کا زور چلے راجح قول کے مطابق ان دونوں مواقع میں سے پہلے موقع سے مراد بخت نصر کی غارتگری ہے جس سے ان کو نہایت ہولناک انجام سے دوچار ہونا پڑا اور دوسری تباہی سے مراد ان کی وہ ہولناک تباہی ہے جو ان پر ٹیٹس رومی نے ۷۰ ہجری میں ڈھائی تھی۔

② یہ دوسری مرتبہ انہوں نے فساد برپا کیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو قتل کر دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کے درپے رہے' جنہیں اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا کر ان سے بچا لیا۔ اس کے نتیجے میں پھر رومی بادشاہ ٹیٹس کو اللہ نے ان پر مسلط کر دیا' اس نے یروشلم پر حملہ کر کے ان کے کشتے کے پشتے لگا دیئے اور بہت سوں کو قیدی بنا لیا' ان کے اموال لوٹ لیے' مذہبی صحیفوں کو پاؤں تلے روندا اور بیت المقدس اور ہیکل سلیمانی کو غارت کیا اور انہیں ہمیشہ کے لیے بیت المقدس سے جلاوطن کر دیا۔ اور یوں ان کی ذلت و رسوائی کا خوب خوب سامان کیا۔



## جیسے انہوں نے مجھ پر رحم کیا

﴿ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا۝ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا

رَبَّیٰنِی صَغِیْرًا ﴾ [سورة بنی اسرائیل: ۲۳-۲٤]

''اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے تم اس کے سوا اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا' نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات کرنا' اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھے رکھنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔''

**تفہیم**

① اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے' جس سے والدین کی اطاعت' ان کی خدمت اور ان کے ادب واحترام کی اہمیت واضح ہے۔ گویا ربوبیت الٰہی کے تقاضوں کے ساتھ اطاعت والدین کے تقاضوں کی ادائیگی ضروری ہے۔ احادیث میں بھی اس کی اہمیت اور تاکید کو خوب واضح کر دیا گیا ہے' پھر بڑھاپے میں بطور خاص ان کے سامنے ''ہوں'' تک کہنے اور ان کو ڈانٹنے ڈپٹنے سے منع کیا ہے' کیونکہ بڑھاپے میں والدین تو کمزور' بے بس اور لاچار ہوتے ہیں' جب کہ اولاد جوان اور وسائل معاش پر قابض ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں جوانی کے دیوانی جذبات اور بڑھاپے کے سرد وگرم تجربات میں تصادم ہوتا ہے۔

ان حالات میں والدین کے ادب واحترام کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا بہت ہی مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ تاہم اللہ کے ہاں سرخ رو وہی ہوگا جو ان تقاضوں کو ملحوظ رکھے گا۔

② یعنی جب میں بالکل کمزور وناتواں تھا انہوں نے میری تربیت میں خون پسینہ ایک کر دیا۔ اپنے خیال کے موافق میرے لیے ہر ایک راحت وخوبی کی فکر کی۔ ہزارہا آفات وحوادث سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ بارہا میری خاطر اپنی جان

جوکھوں میں ڈالی' آج ان کی ضعیفی کا وقت آیا ہے' جو کچھ میری قدرت میں ہے ان کی خدمت و تعظیم کرتا ہوں۔ لیکن پورا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس لیے تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بڑھاپے میں اور موت کے بعد ان پر نظر رحمت فرما۔



# جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں

﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝﴾ [بنی اسرائیل: ٤٢]

''کہہ دیجیے! کہ اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسے کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو ضرور وہ اب تک مالک عرش کی جانب راہ ڈھونڈ نکالتے۔''

**تفہیم**

① اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر لشکر کشی کر کے غلبہ و قوت حاصل کر لیتا ہے' اسی طرح دوسرے معبود بھی اللہ پر غلبے کی کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے۔ اور اب تک ایسا نہیں ہوا' جب کہ ان معبودوں کو پوجتے ہوئے صدیاں گزر گئی ہیں' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود ہی نہیں' کوئی بااختیار ہی نہیں۔

② دوسرے معنی ہیں کہ وہ اب تک اللہ کا قرب حاصل کر چکے ہوتے اور یہ مشرکین جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے وہ اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں' انہیں بھی وہ اللہ کے قریب کر چکے ہوتے۔



# دیکھو تو سہی' ان کے لیے کیا کیا مثالیں ہیں

﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝﴾

[بنی اسرائیل: ٤٨]

''دیکھیں تو سہی' آپ کے لیے کیا کیا مثالیں بیان کرتے ہیں' پس وہ بہک رہے ہیں۔ اب تو راہ پانا ان کے بس میں نہیں رہا۔''

**تفہیم**

کبھی شاعر کہتے' کبھی جادوگر' کبھی کاہن' کبھی مسحور یا مجنون' غرض بہکی بہکی باتیں کرتے رہتے ہیں کسی ایک بات پر جماؤ نہیں جس وقت جو منہ میں آیا بک دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ باوجود جدوجہد کے طعن وتشنیع کا کوئی ایسا راستہ انہیں نہیں مل سکتا جس پر چل کر وہ اپنے مقصد اِغواء والضلال میں کامیاب ہوسکیں۔



## قرآن کی مثل لانا ناممکن ہے

﴿ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝ ﴾[سورۃ بنی اسرائیل: ۸۸]

''کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے گو وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔''

**تفہیم**

① سو اس سے اس کتاب حکیم قرآن مجید کی عظمت شان واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ایسی عظیم الشان اور بے مثال کتاب ہے کہ اگر جن وانس سب مل کر بھی اس جیسی کوئی کتاب لانے کی کوشش کریں' تو ان کے بس میں نہیں کہ وہ ایسا کرسکیں۔ اگرچہ وہ سب مل کر بھی اس کے لیے زور لگالیں۔ سو اس سے یہ حقیقت ثابت اور واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کلام کسی انسان اور بشر کا کلام نہیں ہوسکتا۔ ورنہ ساری دنیا اس کے سامنے اس طرح عاجز نہ ہوتی۔ اور قرآن حکیم کا یہ عظیم الشان اور بے مثال چیلنج گزشتہ پندرہ سو برس سے موجود ہے۔ اور تمام عرب وعجم اور جن وانس اس کے مخاطب ہیں۔ مگر آج تک کوئی اس کو قبول کرنے کی جرأت نہیں کرسکا۔ اور اگر کبھی کسی نے ایسی حماقت کی بھی

تو اس نے خود اپنی مضحکہ خیزی اور تذلیل کا سامان کیا ہے۔ اور اس کلام معجز نظام کو اس نبی اُمّی نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا ہے جس نے زندگی بھر کبھی کسی انسان سے ایک حرف بھی نہیں پڑھا۔ تو پھر اس سے بڑھ کر اس کی صداقت وحقانیت کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟ سو آنجناب ﷺ کی صداقت وحقانیت کا بے مثال اور قطعی ثبوت ہے۔

② قرآن مجید سے متعلق یہ چیلنج اس سے قبل سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یہ چیلنج آج تک تشنۂ جواب ہے۔



## اس قرآن میں ہر قسم کی مثال موجود ہے

﴿ وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا۝ ﴾ [سورة بنی اسرائیل: ۸۹]

''ہم نے تو اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کے لیے ہر طرح سے مثالیں بیان کر دی ہیں، مگر اکثر لوگ انکار سے باز نہیں آتے۔''

**تفہیم**

''تصریف'' کے معنی پھیرنے بدلنے کے ہیں۔ اسی لیے منی ایکسچینج کرنے والے کو صراف کہا جاتا ہے کہ وہ ایک نقدی کو دوسری سے ادلنے بدلنے کا کاروبار کرتا ہے۔ اسی لیے اس لفظ کا استعمال ایک حقیقت کو مختلف انداز سے اور طرح طرح کے اسالیب میں بیان کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں پر یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اور ضرب مثل سے مراد حکمت ومعرفت کی بات کہنا ہے سو مطلب اس ارشاد کا یہ ہوا کہ اس کتاب حکمت نظام میں حکمت ومعرفت سے متعلق ہر عمدہ بات کو ہم نے گوناگوں اسلوبوں اور مختلف شکلوں میں بیان کیا، جس کے بعد لوگوں کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا، ان پر حجت کو تمام کر دیا گیا اب یہ اس طرح کی کوئی بات نہیں کر سکتے کہ ان کے پاس ہدایت نہیں آئی، یا راہ حق کی تعیین وتوضیح میں کوئی کسر باقی رہ گئی مگر ان لوگوں کے عناد اور ان کی ہٹ دھرمی کا عالم یہ ہے کہ ان کی اکثریت پھر بھی کفر وانکار ہی پر اڑی ہوئی ہے، اور ایسے لوگ حق

بات کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے' سو عناد و ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔



## اللہ ہر چیز کی مثل پیدا کرنے پر قادر ہے

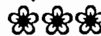
﴿ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ فَاَبَی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا۝ ﴾ [سورة بنی اسرائیل: ۹۹]

''آسمان وزمین کو پیدا کیا وہ ان جیسوں کی پیدائش پر پورا قادر ہے اسی نے ان کے لیے ایک ایسا وقت مقرر کر رکھا ہے جو شک وشبہ سے یکسر خالی ہے' لیکن ظالم لوگ انکار کیے بغیر رہتے ہی نہیں۔''

**تفہیم**

① اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا: کہ جو اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے' وہ ان جیسوں کی پیدائش یا دوبارہ انہیں زندگی دینے پر بھی قادر ہے' کیونکہ یہ تو آسمان وزمیں کی تخلیق سے زیادہ آسان ہے۔

② اس اجل (وقت مقرر) سے مراد موت یا قیامت ہے۔ یہاں سیاق کلام کے اعتبار سے قیامت مراد لینا زیادہ صحیح ہے یعنی ہم نے انہیں دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھانے کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔



## ان کے پہرے دار کی مثال سنو

﴿ وَ تَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ بِالْوَصِیْدِ لَوِاطَّلَعْتَ عَلَیْهِمْ لَوَلَّیْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا۝ وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِیَتَسَآءَلُوْا بَیْنَهُمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَی الْمَدِیْنَةِ فَلْیَنْظُرْ اَیُّهَآ اَزْكٰی طَعَامًا

فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَ لَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ﴾ [سورة الکہف: ۱۸-۱۹]

''آپ خیال کرتے کہ وہ بیدار ہیں' حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے خود ہم انہیں دائیں بائیں کروٹیں دلایا کرتے تھے ان کا کتا بھی چوکھٹ پر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا۔ اگر آپ جھانک کر انہیں دیکھنا چاہتے تو ضرور الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور ان کے رعب سے آپ پر دہشت چھا جاتی' اسی طرح ہم نے انہیں جگا کر اٹھا دیا کہ آپس میں پوچھ گچھ کر لیں۔ ایک کہنے والے نے کہا کہ کیوں بھئی تم کتنی دیر ٹھہرے رہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم' کہنے لگے کہ تمہارے ٹھہرے رہنے کا بخوبی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اب تم اپنے میں سے کسی کو اپنی یہ چاندی دے کر شہر بھیجو وہ خوب دیکھ بھال لے کہ شہر کا کون سا کھانا پاکیزہ تر ہے پھر اسی میں سے تمہارے کھانے کے لیے لے آئے' اور وہ بہت احتیاط اور نرمی برتے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔''

## تفہیم

① اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو نیک لوگوں سے تعلق رکھتا ہے اسے بھی اللہ کبھی بھولتا نہیں جیسا کہ مجلس ذکر میں بیٹھنے والے کو بھی اللہ معاف کر دیتے ہیں۔ واقعہ کے چند پہلوؤں کی جھلک ملاحظہ ہو۔

② ان کی ایک آنکھ بند اور ایک کھلی' یہ سو رہے ہیں لیکن دیکھنے والا انہیں بیدار سمجھتا ہے کیونکہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ مذکور ہے کہ بھیڑیا جب سوتا ہے تو ایک آنکھ بند رکھتا ہے' ایک کھلی ہوتی ہے پھر اسے بند کر کے اسے کھول دیتا ہے چنانچہ جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں اور دشمنوں سے بچانے کے لیے تو اللہ نے نیند میں بھی ان کی آنکھیں کھلی رکھی ہیں اور زمین نہ کھا جائے' کروٹیں گل نہ جائیں اس لیے اللہ تعالیٰ انہیں کروٹیں بدلوا دیتا ہے' کہتے ہیں سال بھر میں دو مرتبہ کروٹ بدلتے ہیں۔

③ ان کا کتا بھی انگنائی میں دروازے کے پاس مٹی میں چوکھٹ کے قریب بطور

پہریدار کے بازو زمین پر ٹکائے ہوئے بیٹھا ہوا ہے دروازے کے باہر اس لیے ہے کہ جس گھر میں کتا تصویر جنبی اور کافر شخص ہو اس گھر میں فرشتے نہیں جاتے۔ جیسے کہ ایک حدیث میں ہے۔①

اس کتے کو بھی اسی حالت میں نیند آ گئی ہے۔ سچ ہے بھلے لوگوں کی صحبت بھی بھلائی پیدا کرتی ہے دیکھیے نا اس کتے کی کتنی شان ہو گئی کہ کلام اللہ میں اس کا ذکر آیا۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے کسی کا یہ شکاری کتا پلا ہوا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بادشاہ کے باورچی کا یہ کتا تھا۔ چونکہ وہ بھی ان کے ہم مسلک تھے۔ ان کے ساتھ ہجرت میں تھے۔ ان کا کتا ان کے پیچھے لگ گیا تھا۔ (واللہ اعلم)

④ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں حضرت ذبیح اللہ کے بدلے جو مینڈھا ذبح ہوا اس کا نام جریر تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جس ہدہد نے ملکہ سبا کی خبر دی تھی اس کا نام عنفر تھا اور اصحاب کہف کے اس کتے کا نام قطیر تھا اور بنی اسرائیل نے جس بچھڑے کی پوجا شروع کی تھی اس کا نام یہموت تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام بہشت بریں سے ہند (سری لنکا) میں اترے تھے' حضرت حواء جدہ میں ابلیس دشت بیسان میں اور سانپ اصفہان میں۔ ایک قول ہے کہ اس کتے کا نام حمران تھا۔ نیز اس کتے کے رنگ میں بھی بہت سے اقوال ہیں یہاں وہ لائق بحث نہیں۔

⑤ نیز فرمایا کہ ہم نے انہیں وہ رعب دیا ہے کہ کوئی انہیں دیکھ ہی نہیں سکتا یہ اس لیے کہ لوگ ان کا تماشہ نہ بنا لیں کوئی جرأت کر کے ان کے پاس نہ چلا جائے کوئی انہیں ہاتھ نہ لگا سکے وہ آرام اور چین سے جب تک حکمت الٰہی مقتضی ہے با آرام سوتے رہیں۔ جو انہیں دیکھتا ہے مارے رعب کے کلیجہ تھر تھرا جاتا ہے۔ اسی وقت الٹے پیروں واپس لوٹتا ہے' انہیں نظر بھر کر دیکھنا بھی ہر ایک کے لیے محال ہے۔②



① سنن أبی داود، الطهارة، باب الجنب يؤخر الغسل، (۲۲۷) وسنن النسائی (۲۶۲)
② تفسير ابن كثير (۳/۳۲۰)

# انہیں ان دو شخصوں کی مثال سناؤ

﴿ وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّ جَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا○ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَ لَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّ فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا○ ﴾ [سورة الكهف: ٣٢-٣٣]

''اور انہیں ان دو شخصوں کی مثال بھی سنا دے جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ انگوروں کے دے رکھے تھے اور جنہیں کھجوروں کے درختوں سے ہم نے گھیر رکھا تھا اور دونوں کے درمیان کھیتی لگا رکھی تھی۔''

## تفہیم

① چونکہ اوپر مسکین مسلمانوں اور مالدار کافروں کا ذکر ہوا تھا یہاں ان کی ایک مثال بیان کی جاتی ہے کہ:

دو شخص تھے جن میں سے ایک مالدار تھا' انگوروں کے باغ' اردگرد کھجوروں کے درخت' درمیان میں کھیتی' درخت پھلدار' بیلیں ہری' کھیتی سرسبز' پھل پھول بھرپور' کسی قسم کا نقصان نہیں ادھر ادھر نہریں جاری تھیں۔ الغرض اس نے ایک دن اپنے ایک دوست سے فخر وغرور کرتے ہوئے کہ میں مال میں' عزت واولاد میں' جاہ وحشم میں' نوکر چاکر میں' تجھ سے زیادہ حیثیت والا ہوں ایک فاجر شخص کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ دنیا کی یہ چیزیں اس کے پاس بکثرت ہوں۔ یہ اپنے باغ میں گیا اپنی جان پر ظلم کرتا ہوا یعنی تکبر اکڑ انکارِ قیامت اور کفر کرتا ہوا۔ اس قدر مست تھا کہ اس کی زبان سے نکلا کہ ناممکن ہے میری یہ لہلہاتی کھیتیاں' یہ پھلدار درخت' یہ جاری نہریں' یہ سرسبز بیلیں' کبھی فنا ہو جائیں۔ حقیقت میں یہ اس کی کم عقلی بے ایمانی اور دنیا کی خرمستی اور اللہ کے ساتھ کفر کی وجہ تھی۔ اسی لیے کہہ رہا ہے کہ میرے خیال سے تو قیامت آنے والی نہیں۔ اور اگر بالفرض آ ئی تو ظاہر ہے کہ اللہ کا میں پیارا ہوں ورنہ وہ مجھے اس قدر مال ومتاع کیسے دے دیتا؟ تو وہاں بھی وہ مجھے اس سے بھی بہتر عطا

فرمائے گا۔ جیسے فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْٓ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰیۚ ﴾ [سورة حم السجدة: ٥٠] ''اگر میں لوٹایا گیا تو وہاں میرے لیے اوراچھائی ہوگی۔'' اور (مریم:۷۷) میں ارشاد ہے: ﴿اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ كَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًاؕ ﴾ یعنی ''تو نے اسے بھی دیکھا جو ہماری آیتوں کا کفر کر رہا ہے اور باوجود اس کے اس کی تمنا یہ ہے کہ مجھے قیامت کے دن بھی بکثرت مال واولاد ملے۔'' یہ اللہ کے سامنے دلیری کرتا ہے اوراللہ پر باتیں بناتا ہےاس آیت کا شان نزول عاص بن وائل ہے۔

② مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ دوشخص کون تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تفہیم کے لیے بطورِمثال ان کا تذکرہ کیا ہے یاواقع دوشخص ایسے تھے؟ اگر تھے تو یہ بنی اسرائیل میں گزرے ہیں یااہل مکہ میں تھے'ان میں ایک مومن اور دوسرا کافر تھا۔جس طرح چار دیواری کے ذریعے سے حفاظت کی جاتی ہے'اس طرح ان باغوں کے چاروں طرف کھجوروں کے درخت تھے'جو باڑ اور چاردیواری کا کام دیتے تھے۔



# دنیا کی زندگی کی مثال

﴿ وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِیْمًا تَذْرُوْهُ الرِّیٰحُ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴾ [الكهف: ٤٥]

''ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال (بھی) بیان کرو جیسے پانی جسے ہم آسمان سے اتارتے ہیں اوراس سے زمین کا سبزہ ملا جلا (نکلا) ہے' پھرآخر کار وہ چورا چورا ہو جاتا ہے جسے ہوائیں اڑائے لیے پھرتی ہیں۔اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

**تفہیم**

اس آیت میں دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو کھیتی کی مثال کے ذریعے واضح کیا گیا

ہے کہ کھیتی میں لگے پودوں اور درختوں پر جب آسمان سے بارش برستی ہے تو پانی سے ملکر کھیتی لہلہا اٹھتی ہے' پودے اور درخت حیات نو سے شاداب ہو جاتے ہیں. لیکن پھر ایک وقت آتا ہے کہ کھیتی سوکھ جاتی ہے۔ پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے یا فصل پک جانے کے سبب تو پھر ہوائیں اس کو اڑائے پھرتی ہیں۔ ہوا کا ایک جھونکا کبھی اسے دائیں اور کبھی بائیں جانب جھکا دیتا ہے۔ دنیا کی زندگی بھی ہوا کے ایک جھونکے یا اس پانی کے بلبلے یا کھیتی ہی کی طرح ہے' جو اپنی چند روزہ بہار دکھا کر فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔ اور یہ سارے تصرفات اس ہستی کے ہاتھ میں ہیں جو ایک ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مثال قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان فرمائی ہے۔

(مثلاً سورۂ یونس' ۲۵' سورۂ زمر ۲۱ سورۂ حدید' ۵۰' وغیرہا من الآیات)



## قرآن میں ہر طرح کی مثال موجود ہے

﴿ وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ [الكهف: ٥٤]

''ہم نے اس قرآن میں ہر ہر طریقے سے تمام کی تمام مثالیں لوگوں کے لیے بیان کر دی ہیں لیکن انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔''

**تفہیم**

یعنی ہم نے انسان کو حق کا راستہ سمجھانے کے لیے قرآن میں ہر طریقہ استعمال کیا' وعظ' نصیحت' امثال' واقعات اور دلائل' علاوہ ازیں انہیں بار بار اور مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ لیکن انسان چونکہ سخت جھگڑالو ہے' اس لیے وعظ نصیحت کا اس پر اثر ہوتا ہے اور نہ دلائل ونصیحت اس کے لیے کارگر۔



## اللہ کی حمد وثناء کے لیے سارے سمندر بھی کم ہیں

﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ

رَبِّیْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾ [سورۃ الکھف: ۱۰۹]

''کہہ دیجیے کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا' گو ہم اسی جیسا اور بھی اس کی مدد میں لے آئیں۔''

**تفہیم**

① ﴿کَلِمَاتٌ﴾ سے مراد' اللہ تعالیٰ کا علم' اس کی حکمتیں اور وہ دلائل ہیں جو اس کی وحدانیت دلیل ہیں۔ انسانی عقلیں ان سب کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔

② اللہ کی عظمت سمجھانے کے لیے ایک مثال: کہ اگر روئے زمین کے سمندروں کی سیاہی بن جائے اور پھر اللہ کے کلمات اللہ کی قدرتوں کے اظہار' اللہ کی باتیں' اللہ کی حکمتیں لکھنی شروع کی جائیں تو یہ تمام سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن اللہ کی تعریفیں ختم نہ ہوں گی۔ گو پھر ایسے ہی دریا لائے جائیں اور پھر لائے جائیں اور پھر لائے جائیں لیکن ناممکن کہ اللہ کی قدرتیں اس کی حکمتیں اس کی دلیلیں ختم ہو جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا فرمان ہے: ﴿وَ لَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ [لقمان: ۲۷] یعنی ''روئے زمین کے درختوں کی قلمیں بن جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہیاں بن جائیں پھر ان کے بعد سات سمندر اور بھی لائے جائیں لیکن ناممکن ہے کہ کلمات الٰہی پورے لکھ لیے جائیں اللہ کی عزت اور حکمت اس کا غلبہ اور قدرت وہی جانتا ہے۔'' تمام انسانوں کا علم اللہ کے علمی مقابلہ میں اتنا بھی نہیں جتنا سمندر کے مقابلے میں قطرہ۔ تمام درختوں کی قلمیں گھس گھس کر ختم ہو جائیں تمام سمندروں کی سیاہیاں ختم جائیں لیکن کلمات الٰہی ویسے ہی رہ جائیں گے جیسے تھے وہ ان گنت ہیں۔



# میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں

﴿قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ

يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا۠ ﴾

[سورة الكهف: ۱۱۰]

''آپ کہہ دیجیے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے' تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔''

**تفہیم**

① اس لیے میں بھی رب کی باتوں کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ البتہ مجھے یہ امتیاز حاصل ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ اسی وحی کی بدولت میں نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق اللہ کی طرف سے نازل کردہ وہ باتیں بیان کی ہیں جن گزرے دنوں کی تہہیں پڑی ہوی تھیں یا ان کی حقیقت افسانوں میں گم ہوگئی تھی۔ علاوہ ازیں اس وحی میں سب سے اہم حکم یہ دیا گیا ہے کہ تم سب کا معبود صرف ایک ہے۔ عمل صالح وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو' یعنی جو اپنے رب کی ملاقات کا یقین رکھتا ہے' اسے چاہیے کہ ہر عمل سنت نبوی کے مطابق کرے اور دوسرا اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے' اس لیے کہ بدعت اور شرک دونوں ہی ضبط اعمال کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔

② حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ یہ سب سے آخری آیت ہے جو حضور ﷺ پر اتری۔ حکم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں سے فرمائیں کہ میں تم جیسا ہی ایک انسان ہوں' تم بھی انسان ہو' اگر مجھے جھوٹا جانتے ہو تو لاؤ اس قرآن جیسا ایک قرآن تم بھی بنا کر پیش کر دو۔ دیکھو میں کوئی غیب داں تو نہیں تم نے مجھ سے ذوالقرنین کا واقعہ دریافت کیا۔ اصحاب کہف کا قصہ پوچھا تو میں نے ان کے صحیح واقعات تمہارے سامنے بیان کر دیئے جو نفس الامر کے مطابق ہیں اگر میرے پاس اللہ کی وحی نہ آتی تو میں ان گذشتہ واقعات کو جس طرح وہ ہوئے ہیں تمہارے سامنے کس طرح بیان کرسکتا؟ سنو تمام تر وحی کا خلاصہ یہ ہے کہ تم موحد بن جاؤ شرک

کو چھوڑ دو۔ میری دعوت یہی ہے جو بھی تم میں سے اللہ سے مل کر اجروثواب لینا چاہتا ہو اسے شریعت کے مطابق عمل کرنے چاہئیں اور شرک سے بالکل بچنا چاہیں ان دونوں ارکان کے بغیر کوئی عمل اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں' خلوص ہو اور مطابقت سنت ہو۔



## جبریل علیہ السلام مثل انسان

﴿ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا۝ ﴾ [سورة مريم: ۱۷]

''اور (مریم علیہا السلام) ان لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا' پھر ہم نے اس کے پاس اپنی روح (جبریل علیہ السلام) کو بھیجا پس وہ اس کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔''

**تفہیم**

① یہ علیحدگی اور حجاب (پردہ) اللہ کی عبادت کی غرض سے تھا تا کہ انہیں کوئی نہ دیکھے اور یکسوئی حاصل رہے یا طہارت حیض کے لیے۔ اور مشرقی مکان سے مراد بیت المقدس کی شرقی جانب ہے۔

② ﴿ رُوْح ﴾ سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں' جنہیں کامل انسانی شکل میں حضرت مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا گیا' حضرت مریم علیہا السلام نے جب دیکھا کہ ایک شخص بے دھڑک اندر آ گیا ہے تو ڈر گئیں کہ یہ بری نیت سے نہ آیا ہو۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا میں وہ نہیں ہوں جو تو گمان کر رہی ہے بلکہ تیرے رب کا قاصد ہوں اور یہ خوشخبری دینے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے لڑکا عطا فرمائے گا' بعض قراءتوں میں: ﴿لِيَهَبَ﴾ صیغہ غائب ہے۔ متکلم کا صیغہ (جو موجودہ قراءت میں ہے) اس لیے بولا کہ ظاہری اسباب کے لحاظ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری تھی جس سے باذن اللہ ان کو حمل ٹھہر گیا تھا۔ اس لیے ہبہ کا تناسب اپنی

طرف منسوب کرلیا۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کا قول ہو اور یہاں حکایتاً نقل ہوا ہو. اس اعتبار سے تقدیر کلام یوں ہوگی:

(( اَرْسَلَنِیْ یَقُوْلُ لَكِ: اَرْسَلْتُ رَسُوْلِیْ اِلَیْكِ لِاَھَبَ لَكِ ))

اللہ نے مجھے تیرے لیے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ میں نے تیری طرف اپنا قاصد یہ بتلانے کے لیے بھیجا ہے کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بچہ عطا کروں گا۔



## ہم بھی تیری مثل مقابلہ کے لیے تیار ہیں

﴿ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝ ﴾ [سورة طٰهٰ: ۵۸]

''اچھا ہم بھی تیرے مقابلے میں اسی جیسا جادو ضرور لائیں گے' پس تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدے کا وقت مقرر کر لے کہ نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تو' صاف میدان میں مقابلہ ہو۔''

**تفہیم**

تو اس ارادہ میں کامیاب نہیں ہوسکتا ہمارے یہاں بھی بڑے بڑے ماہر جادوگر موجود ہیں۔ بہتر ہوگا کہ ان سے مقابلہ ہو جائے۔ پس جس دن اور جس جگہ مقابلہ کرنا چاہو تجھے اس کی تعیین کا اختیار دیا جاتا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ جو وقت معین ہو جائے اس سے کوئی فریق گریز نہ کرے اور جگہ ایسی ہو جہاں فریقین کو آنے اور بیٹھنے میں یکساں سہولت حاصل ہو۔ نشست وغیرہ میں راعی و رعایا یا حاکم و محکوم اور بڑے چھوٹے کا کوئی سوال نہ ہو' ہر ایک فریق آزادی سے اپنی قوت کا مظاہرہ کر سکے اور میدان بھی کھلا' ہموار اور صاف ہو کہ تماشا دیکھنے والے سب بے تکلف مشاہدہ کر سکیں۔



## وہ تو تمہاری مثل انسان ہی ہے

﴿ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ڰ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ﴾ [الانبیاء: ۳]

''ان کے دل بالکل غافل ہیں اوران ظالموں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں کہ وہ تم جیسا انسان ہے' پھر کیا وجہ ہے جو تم آنکھوں دیکھتے جادو میں آ جاتے ہو۔''

**تفہیم**

① جب نصیحت سنتے سنتے تنگ آ گئے تو چند بے انصافوں نے خفیہ میٹنگ کر کے قرآن اور پیغمبر کے متعلق کہنا شروع کیا کہ یہ پیغمبر تو ہمارے جیسے ایک آدمی ہیں' نہ فرشتہ ہیں نہ ہم سے زیادہ کوئی ظاہری امتیاز رکھتے ہیں۔ البتہ ان کو جادو آتا ہے۔ جو کلام پڑھ کر سناتے ہیں وہ ہو نہ ہو جادو کا کلام ہے۔ پھر تم کو کیا مصیبت نے گھیرا کہ آنکھوں دیکھتے ان کے جادو میں پھنستے ہو۔ لازم ہے کہ ان کے قریب نہ جاؤ۔ قرآن کو جادو شاید اس کی قوت تاثیر اور حیرت انگیز تصرف کو دیکھ کر کہا۔ اور خفیہ میٹنگ اس لیے کی کہ آئندہ حق کے خلاف جو تدابیر کرنے والے تھے یہ اس کی تمہید تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ہوشیار دشمن اپنی معاندانہ کارروائیوں کو قبل از وقت طشت ازبام کرنا پسند نہیں کرتا اندر ہی اندر آپس میں پروپیگنڈا کیا کرتا ہے۔

② یعنی نبی کا بشر ہونا ان کے لیے ناقابل قبول ہے پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ تم دیکھ نہیں رہے کہ یہ جادوگر ہے' تم اس کے جادو میں دیکھتے بھالتے کیوں پھنستے ہو۔



## جیسے پہلے نبی آئے

﴿ بَلْ قَالُوٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ﴾ [سورۃ الأنبیاء: ۵]

''اتنا ہی نہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن حیران کن خوابوں کا مجموعہ ہے بلکہ اس نے ازخود اسے گھڑ لیا بلکہ یہ شاعر ہے' ورنہ ہمارے سامنے یہ کوئی ایسی نشانی لاتے جیسے اگلے پیغمبر بھیجے گئے تھے۔''

**تفہیم**

قرآن سن کر ضد اور ہٹ دھرمی سے ایسے بدحواس ہو جاتے تھے کہ کسی ایک رائے پر قرار نہ تھا، کبھی اسے جادو بتاتے، کبھی پریشان خواب کہتے، کبھی دعویٰ کرتے کہ آپ اپنے جی سے کچھ باتیں جھوٹ گھڑ لائے ہیں۔ جن کا نام قرآن رکھ دیا ہے۔ نہ صرف یہ ہی بلکہ آپ ایک عمدہ شاعر ہیں اور شاعروں کی طرح تخیل کی بلند پروازی سے کچھ مضامین مؤثر اور مسجع عبارت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اگر واقع میں ایسا نہیں تو چاہیے کہ آپ کوئی ایسا کھلا معجزہ دکھلائیں جیسے معجزات پہلے پیغمبروں نے دکھلائے تھے۔ (جس طرح ثمود کے لیے اونٹنی، موسیٰ علیہ السلام کے لیے عصا اور ید بیضا وغیرہ) یہ کہنا بھی محض عناد سے دق کرنے کے لیے تھا۔ کیونکہ اول تو مکہ کے یہ جاہل مشرک پہلے پیغمبروں اور ان کے معجزات کو کیا جانتے تھے، دوسرے آپ کے بیسیوں کھلے کھلے نشان دیکھ چکے تھے جو انبیائے سابقین کے نشانات سے کسی طرح کم نہ تھے جن میں سب سے بڑھ کر یہ ہی قرآن کا معجزہ تھا۔ وہ دل میں سمجھتے تھے کہ نہ یہ جادو کی مہمل عبارتیں ہیں، نہ بیہودہ خواب ہیں، نہ شاعری ہے۔ اسی لیے جب کوئی ایک بات چسپاں نہ ہوتی تو اسے چھوڑ کر دوسری بات کہنے لگتے تھے:

﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ ﴾

[سورة الفرقان: ۹]



## یہ تماثیل کیا ہیں

﴿ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ ﴾ [سورة الأنبياء: ۵۲]

"جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں سب نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔"

**تفہیم**

① ( تَمَاثِيْلُ تِمْثَال ) کی جمع ہے۔ یہ اصل میں کسی چیز کی ہو بہو نقل کو کہتے ہیں۔ جیسے پتھر کا مجسمہ یا کاغذ اور دیوار پر کی تصویر۔ یہاں مراد وہ مورتیاں ہیں جو قوم ابراہیم علیہ السلام نے اپنے معبودوں کی بنا رکھی تھیں اور جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔

② عاکف۔ عکوف سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کے معنی کسی چیز کو لازم پکڑنے اور اس پر جھک کر جم کر بیٹھ رہنے کے ہیں۔ اسی سے اعتکاف ہے جس میں انسان اللہ کی عبادت کے لیے جم کر بیٹھتا ہے اور یکسوئی اور انہماک سے اس کی طرف لو لگاتا ہے یہاں اس سے مراد بتوں کی تعظیم و عبادت اور ان کے تھانوں پر مجاور بن کر بیٹھنا ہے یہ تمثالیں (مورتیاں اور تصویریں) قبر پرستوں اور پیر پرستوں میں بھی آجکل عام ہیں اور ان کو بڑے اہتمام سے گھروں اور دکانوں میں بطور تبرک آویزاں کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھ عطا فرمائے۔



## ہم نے اسے وہ سبھی کچھ اور اس کی مثل اور بھی دیا

﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴾ [سورة الأنبياء: ٨٤]

”تو ہم نے اس کی سن لی اور جو دکھ انہیں تھا اسے دور کر دیا اور اس کو اہل و عیال عطا فرمائے بلکہ ان کے ساتھ ویسے ہی اور، اپنی خاص مہربانی سے تاکہ سچے بندوں کے لیے سبب نصیحت ہو۔“

**تفہیم**

① قرآن مجید میں حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر کہا گیا ہے، (سورۂ ص: ۴۴) حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سب طرح آسودہ رکھا تھا، کھیت، مواشی، لونڈی، غلام، اولاد صالح اور عورت مرضی کے موافق عطا کی تھی۔ حضرت ایوب علیہ السلام بڑے شکر گزار بندے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں ڈالا، کھیت جل گئے، مویشی

مر گئے' اور اولاد اکٹھی دب مری' دوست آشنا الگ ہو گئے' بدن میں آبلے پڑ کر کیڑے پڑ گئے ایک بیوی رفیق رہی' آخر وہ بیچاری بھی اکتانے لگتی۔ مگر حضرت ایوب علیہ السلام جیسے نعمت میں شاکر تھے ویسے ہی بلاء میں صابر رہے۔ جب تکلیف و اذیت اور دشمنوں کی شماتت حد سے گزر گئی۔ بلکہ دوست بھی کہنے لگے کہ یقیناً ایوب علیہ السلام نے کوئی ایسا سخت گناہ کیا ہے جس کی سزا ایسی ہی سخت ہو سکتی تھی' تب دعا کی: ﴿رَبِّ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ رب کو پکارنا تھا کہ دریائے رحمت امنڈ پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے مری ہوئی اولاد سے دگنی اولاد دی' زمین سے چشمہ نکالا۔ اسی سے پانی پی کر اور نہا کر تندرست ہوئے۔ بدن کا سارا روگ جاتا رہا۔ اور جیسا کہ حدیث میں ہے سونے کی ٹڈیاں برسائیں' غرض سب طرح درست کر دیا۔

② ایوب علیہ السلام پر یہ مہربانی ہوئی اور تمام بندگی کرنے والوں کے لیے ایک نصیحت اور یادگار قائم ہو گئی کہ جب کسی بندے پر دنیا میں برا وقت آئے تو ایوب علیہ السلام کی طرح صبر و استقلال دکھلانا اور صرف اپنے پروردگار سے فریاد کرنا چاہیے۔ حق تعالیٰ اس پر نظر عنایت فرمائے گا۔ اور محض ایسے ابتلاء کو دیکھ کر کسی شخص کی نسبت یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اللہ کے یہاں مبغوض ہے



## مشرک کی مثال

﴿حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ﴾ [سورة الحج: ۳۱]

''اللہ کی توحید کو مانتے ہوئے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوئے۔ سنو! اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا گویا آسمان سے گر پڑا' اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا کسی دور دراز کی جگہ پھینک دے گی۔''

**تفہیم**

① یہ شرک کی مثال بیان فرمائی' خلاصہ یہ ہے کہ توحید نہایت اعلیٰ اور بلند مقام ہے۔

اس کو چھوڑ کر جب آدمی کسی مخلوق کے سامنے جھکتا ہے تو خود اپنے کو ذلیل کرتا اور آسمانِ توحید کی بلندی سے پستی کی طرف گراتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قدر اونچے سے گر کر زندہ بچ نہیں سکتا۔ اب یا تو اہواء وافکار ردیہ کے مردار خور جانور چاروں طرف سے اس کی بوٹیاں نوچ کر کھائیں گے یا شیطان لعین ایک تیز ہوا کے جھکڑ کی طرح اس کو اڑا لے جائے گا اور ایسے گہرے کھڈ میں پھینکے گا جہاں کوئی ہڈی پسلی نظر نہ آئے۔

② یا یوں کہو کہ مثال میں دو قسم کے مشرکوں کا الگ الگ حال بیان ہوا ہے۔ جو مشرک اپنے شرک میں پوری طرح پکا نہیں مذبذب ہے کبھی ایک طرف جھک جاتا ہے کبھی دوسری طرف، وہ ﴿ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ ﴾ کا، اور جو مشرک اپنے شرک میں پوری طرح پکا اٹل ہو، وہ ﴿ تَهْوِىْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴾ کا مصداق ہے یا ﴿ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ ﴾ سے مراد لوگوں کے ہاتھوں مارا جانا اور ﴿ تَهْوِىْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ ﴾ سے طبعی موت مرنا مراد ہو، اکثر مفسرین نے وجہ تشبیہ کے بیان میں اسی طرح کے احتمالات ذکر کیے ہیں۔



# بدلہ مثل بمثل

﴿ ذٰلِكَ وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ ﴾ [سورة الحج: ٦٠]

''بات یہی ہے اور جس نے بدلہ لیا اسی کے برابر جو اس کے ساتھ کیا گیا تھا پھر اگر اس سے زیادتی کی جائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ خود اس کی مدد فرمائے گا بیشک اللہ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے۔''

**تفہیم**

① یعنی یہ کہ مہاجرین بطور خاص شہادت یا طبعی موت پر ہم نے جو وعدہ کیا ہے، وہ ضرور پورا ہوگا۔

② کسی نے اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے تو جس سے زیادتی کی گئی ہے' اسے بقدر زیادتی بدلہ لینے کا حق ہے۔ لیکن اگر بدلہ لینے کے بعد' جب کہ ظالم اور مظلوم دونوں برابر سرابر ہو چکے ہوں' ظالم' مظلوم پھر زیادتی کرے تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی ضرور مدد فرماتا ہے۔ یعنی یہ شبہ نہ ہو کہ مظلوم نے معاف کر دینے کی بجائے بدلہ لے کر غلط کام کیا ہے' نہیں' بلکہ اس کی بھی اجازت اللہ ہی نے دی ہے' اس لیے آئندہ بھی اللہ کی مدد کا مستحق رہے گا۔

③ اس میں پھر معاف کر دینے کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ درگزر کرنے والا ہے۔ تم بھی درگزر سے کام لو۔ ایک دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بدلہ لینے میں۔ جو بقدر ظلم ظالم ہوگا۔ جتنا ظلم کیا جائے گا' اس کی اجازت چونکہ اللہ کی طرف سے ہے' اس لیے اس پر مؤاخذہ نہیں ہوگا' بلکہ وہ معاف ہے۔ بلکہ اسے ظلم اور برائیاں بطور مشکلات کے کہا جاتا ہے' ورنہ انتقام سرے سے ظلم یا برائیاں ہی نہیں ہے۔



# اے لوگو! ایک مثال کو ذرا کان لگا کر سن لو

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَ إِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوبُ ۝ ﴾ [سورة الحج: ۷۳]

''لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے' ذرا کان لگا کر سن لو! اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے رہے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں' بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ تو اسے بھی اس سے چھین نہیں سکتے' بڑا بزدل ہے طلب کرنے والا اور بڑا بزدل ہے وہ جس سے طلب کیا جارہا ہے۔''

## تفہیم

① یعنی یہ معبودان باطل' جن کو تم' اللہ کو چھوڑ کر' مدد کے لیے پکارتے ہو' یہ سارے کے

سارے جمع ہو کر ایک نہایت حقیری مخلوق مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں، تو نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود بھی تم انہی کو حاجت روا سمجھو، تو تمہاری عقل قابل ماتم ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے، وہ صرف پتھر کی بے جان مورتیاں ہیں جو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتیں ہیں۔

② طالب سے مراد، خود ساختہ معبود اور مطلوب سے مراد مکھی یا بعض کے نزدیک طالب سے، پجاری اور مطلوب سے اس کا معبود مراد ہے، حدیث قدسی میں معبودان باطلہ کی بے بسی کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میری طرح پیدا کرنا چاہتا ہے اگر کسی میں واقع یہ قدرت ہے تو وہ ایک ذرہ یا ایک جو ہی پیدا کر کے دکھا دے۔ [1]



# یہ تو ہماری طرح کا ایک انسان ہے

﴿ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴾ [سورة المؤمنون: ٢٤]

''اس کی قوم کے کافر سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے، یہ تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اگر اللہ ہی کو منظور ہوتا تو کسی فرشتے کو اتارتا ہم نے تو اسے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانے میں سنا ہی نہیں۔''

**تفہیم**

یعنی یہ تو تمہارے جیسا ہی انسان ہے، یہ کس طرح نبی اور رسول ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ نبوت و رسالت کا دعویٰ کر رہا ہے تو اصل مقصد اس سے تم پر فضیلت اور بہتری حاصل کرنا ہے۔ اور اگر واقع اللہ اپنے رسول کے ذریعے سے ہمیں یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ عبادت کے

---

① صحیح البخاری، اللباس، باب نقض الصور، (۵۹۵۳) و صحیح مسلم (۲۱۱۱)

لائق صرف وہی ہے' تو وہ کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا نہ کہ کسی انسان کو' وہ ہمیں آ کر توحید کا مسئلہ سمجھاتا۔ یعنی اس کی دعوت توحید' ایک نرالی دعوت ہے' اس سے پہلے ہم نے اپنے باپ دادوں کے زمانے میں تو یہ سنی ہی نہیں۔



## یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے

﴿ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَاءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ ﴾ [المؤمنون: ۳۳]

''اور سردار قوم نے جواب دیا' جو کفر کرتے تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے انہیں دنیاوی زندگی میں خوشحال کر رکھا تھا کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے' تمہاری ہی خوراک یہ بھی کھاتا ہے اور تمہارے پینے کا پانی ہی یہ بھی پیتا ہے۔''

**تفہیم**

یہ سردار قوم ہی ہر دور میں انبیا و رسل اور اہل حق کو جھٹلاتے ہیں' جس کی وجہ سے قوم کی اکثریت ایمان لانے سے محروم رہتی۔ کیونکہ یہ نہایت بااثر لوگ ہوتے تھے' قوم انہیں کے پیچھے چلنے والی ہوتی تھی۔ یعنی عقیدۂ آخرت پر عدم ایمان اور دنیاوی آسائشوں کی فراوانی' یہ دو بنیادی سبب تھے' اپنے رسول پر ایمان نہ لانے کے۔ آج بھی باطل انہیں اسباب کی بنا پر اہل حق کی مخالفت اور دعوت حق سے گریز کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو ہماری ہی طرح کھاتا پیتا ہے۔ یہ اللہ کا رسول کس طرح ہو سکتا ہے؟



## کیا ہم اپنی مثل انسانوں پر ایمان لائیں

﴿فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝﴾ [سورۃ المؤمنون: ٤٧]

''کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو شخصوں پر ایمان لائیں؟ حالانکہ خود ان کی

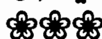
قوم (بھی) ہماری ماتحت ہے۔"



## انہوں نے بھی پہلوں کی مثل بات کہی

﴿ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ○ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ○ ﴾ [سورة المؤمنون: ٨١-٨٢]

"بلکہ ان لوگوں نے بھی ویسی ہی بات کہی جو اگلے کہتے چلے آئے' کہ کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے کیا پھر بھی ہم ضرور اٹھائے جائیں گے۔"



## اس جیسا پھر نہ کرنا

﴿ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ [سورة النور: ١٧]

"اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی بھی ایسا کام نہ کرنا اگر تم سچے مومن ہو۔"

**تفہیم**

اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لوگوں نے باتیں کیں اللہ تعالیٰ نے ان کی پاکدامنی بیان کرنے کے ساتھ بیان فرمایا کہ آج کے بعد تم میں سے کوئی بھی ایسا کلام نہ کرے کہ جس کی وجہ سے کسی معصوم پر کیچڑ اچھالا جائے۔



## ان لوگوں کی مثالیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں

﴿ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ ﴾ [سورة النور: ٣٤]

"ہم نے تمہاری طرف کھلی اور روشن آیتیں اتار دی ہیں اور ان لوگوں کی کہاوتیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت۔"



# نور کی مثل

﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ [سورة النور: ۳۵]

''اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے جس پر چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی طرح قندیل میں ہو اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو جو درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی خود وہ تیل قریب ہے کہ آپ ہی روشنی دینے لگے اگرچہ اسے آگ نہ بھی چھوئے نور پر نور ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسے چاہے لوگوں (کے سمجھانے) کو یہ مثالیں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے حال سے بخوبی واقف ہے۔''

**تفہیم**

یعنی اگر اللہ نہ ہوتا تو آسمان میں نور ہوتا نہ زمین میں' نہ آسمان وزمین میں کسی کو ہدایت نصیب ہوتی۔ پس وہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان وزمین کو روشن کرنے والا ہے اس کی کتاب نور ہے' اس کا رسول (بحیثیت صفات کے) نور ہے۔ یعنی ان دونوں کے ذریعے سے زندگی کی تاریکیوں میں رہنمائی اور روشنی حاصل کی جاتی ہے' جس طرح چراغ اور بلب سے انسان روشنی حاصل کرتا ہے۔ حدیث سے بھی اللہ کا نور ہونا ثابت ہے' پس اللہ' اس کی ذات نور ہے' اس کا حجاب نور ہے اور ہر ظاہری اور معنوی نور کا خالق' اس کا عطا کرنے والا اور اس کی طرف ہدایت کرنے والا صرف ایک اللہ ہے۔ نور سے مراد ایمان واسلام ہے' یعنی اللہ تعالیٰ مومن کے اندر ایمان کی رغبت اور اسے دیکھا ہے ان کی ان کی سطر کی مثال کی ما

دیتا ہے، جس سے دین ودنیا کی سعادتوں کے دروازے ان کے لیے کھل جاتے ہیں۔ جس طرح اللہ نے مثال بیان فرمائی، جس میں اس نے ایمان کو اور اپنے مومن بندے کے دل میں اس کے راسخ ہونے اور بندوں کے احوال قلوب کا علم رکھنے کو واضح فرمایا کہ کون ہدایت کا اہل ہے اور کون نہیں۔



# کافروں کے اعمال کی مثال

﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــــًٔـا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝﴾ [سورة النور: ٣٩-٤٠]

''اور کافروں کے اعمال مثل اس چمکتی ہوئی ریت کے ہیں جو چٹیل میدان میں جسے پیاسا شخص دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا، ہاں اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے جو اس کا حساب پورا پورا چکا دیتا ہے، اللہ بہت جلد حساب کر دینے والا ہے، یا مثل ان اندھیروں کے ہے جو نہایت گہرے سمندر کی تہ میں ہوں جسے اوپر تلے کی موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو پھر اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں۔ الغرض اندھیریاں ہیں جو اوپر تلے پے درپے ہیں۔ جب اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی قریب ہے کہ نہ دیکھ سکے اور بات یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ ہی نور نہ دے اس کے پاس کوئی روشنی نہیں ہوتی۔''

**تفہیم**

① یہ دو مثالیں ہیں اور دو قسم کے کافروں کی ہیں۔ جیسے سورۂ بقرہ کی شروع میں دو مثالیں دو قسم کی منافقوں کی بیان ہوئی ہیں۔ ایک آگ کی ایک پانی کی۔ اور جیسے کہ سورۂ

رعد میں ہدایت وعلم کی جو انسان کے دل میں جگہ پکڑ جائے۔ایسی ہی دو مثالیں ایک آگ کی ایک پانی کی بیان ہوئی ہیں۔ دونوں سورتوں میں ان آیتوں کی تفسیر کامل گزر چکی ہے۔(فالحمدللہ)

۲ یہاں پہلی مثال تو ان کافروں کی ہے جو کفر کی طرف دوسروں کو بھی بلاتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے ہیں حالانکہ وہ سخت گمراہ ہیں۔ ان کی تو ایسی مثال ہے جیسے کسی پیاسے کو جنگل میں دور سے ریت کا چمکتا ہوا تودہ دکھائی دیتا ہے اور وہ اسے پانی کا موج دریا سمجھ بیٹھتا ہے۔قیعہ جمع ہے قاع کی جیسے جار کی جمع جیرہ اور قاع واحد بھی ہوتا ہے اور جمع قیعان ہوتی ہے جیسے جار کی جمع جیران ہے۔معنی اس کے چٹیل وسیع پھیلے ہوئے میدان کے ہیں۔ ایسے ہی میدانوں میں سراب نظر آیا کرتے ہیں۔ دوپہر کے وقت بالکل یہی معلوم ہوتا ہے کہ پانی کا وسیع دریا لہریں لے رہا ہے۔جنگل میں جو پیاسا ہو' پانی کی تلاش میں اس کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور اسے پانی سمجھ کر جان توڑ کوشش کر کے وہاں تک پہنچتا ہے لیکن حیرت وحسرت سے اپنا منہ لپیٹ لیتا ہے۔دیکھتا ہے کہ وہاں پانی کا قطرہ چھوڑ نام ونشان بھی نہیں۔ اسی طرح یہ کفار ہیں کہ اپنے دل میں سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم نے بہت کچھ اعمال کیے ہیں' بہت سی بھلائیاں جمع کر لی ہیں لیکن قیامت کے دن دیکھیں گے کہ ایک نیکی بھی ان کے پاس نہیں یا تو ان کی بدنیتی سے وہ غارت ہو چکی ہے یا شرع کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے برباد ہو گئی ہے۔غرض ان کے یہاں پہنچنے سے پہلے ان کے کام جہنم رسید ہو چکے ہیں' یہاں یہ بالکل خالی ہاتھ رہ گئے ہیں۔حساب کے موقعہ پر اللہ خود موجود ہے اور ایک ایک عمل کا حساب لے رہا ہے اور کوئی عمل ان کا قابل ثواب نہیں نکلتا۔ چنانچہ بخاری ومسلم میں ہے کہ یہودیوں سے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے رہے؟ وہ جواب دیں گے کہ اللہ کے بیٹے عزیر کی۔کہا جائے گا کہ جھوٹے ہو اللہ کا کوئی بیٹا نہیں۔اچھا بتاؤ اب کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے اے اللہ ہم بہت پیاسے ہو رہے ہیں' ہمیں پانی پلوایا جائے تو ان سے کہا جائے گا کہ دیکھو وہ کیا نظر آ رہا ہے؟ تم وہاں کیوں نہیں جاتے؟ اب انہیں دور سے

جہنم ایسی نظر آئے گی جیسے دنیا میں سراب ہوتا ہے جس پر جاری پانی کا دھوکہ ہوتا ہے یہ وہاں جائیں گے اور دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ ①

③ کچھ لوگ تھے جو ائمہ کفر کی تقلید کرتے تھے اور آنکھیں بند کر کے ان کی آواز پر لگے ہوئے تھے کہ ان کی مثال گہرے سمندر کی تہہ کے اندھیروں جیسی ہے جسے اوپر سے تہہ بہ تہہ موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو اور پھر اوپر سے ابر ڈھانکے ہوئے ہوں۔ یعنی اندھیرے پر اندھیرا ہو۔ یہاں تک کہ ہاتھ کو ہاتھ بھی سجھائی نہ دیتا ہو۔ یہی حال ان سفلے جاہل کافروں کا ہے کہ نرے مقلد ہیں۔ یہاں تک کہ جس کی تقلید کر رہے ہیں لیکن معلوم نہیں کہ وہ انہیں کہاں لے جا رہا ہے؟ چنانچہ مثالاً کہا جاتا ہے کہ کسی جاہل سے پوچھا گیا کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا ان کے ساتھ جا رہا ہوں۔ پوچھنے والے نے پھر دریافت کیا کہ یہ کہاں جا رہے ہیں؟ اس نے کہا مجھے تو معلوم نہیں۔ پس جیسے اس سمندر پر موجیں اٹھ رہی ہیں' اسی طرح کافر کے دل پر' اس کے کانوں پر' اس کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر لگا دی ہے۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۝ ﴾ [سورة الجاثية: ٢٣]

''تو نے انہیں دیکھا؟ جنہوں نے خواہش پرستی شروع کر رکھی ہے اور اللہ نے انہیں علم پر بہکا دیا ہے اور ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔''

ابی بن کعب فرماتے ہیں ایسے لوگ پانچ اندھیروں میں ہوتے ہیں؛ ① کلام ② عمل ③ جانا ④ آنا ⑤ اور انجام سب اندھیروں میں ہیں۔ جسے اللہ اپنے نور کی طرف ہدایت نہ کرے وہ نورانیت سے خالی رہ جاتا ہے۔ جہالت میں مبتلا رہ کر ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔

① صحيح البخاري، التفسير (سورة النساء) باب قوله: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ﴾، (٤٥٨١) وصحيح مسلم (١٨٣)

جیسے فرمان الٰہی ہے:

﴿ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۝ ﴾ [سورة الأعراف: ۱۸٦]

''جسے اللہ گمراہ کرے اس کے لیے کوئی ہادی نہیں ہوتا۔''

یہ اس کے مقابل ہے جو مومنوں کی مثال کے بیان میں فرمایا تھا کہ اللہ اپنے نور کی ہدایت کرتا ہے جسے چاہے۔ اللہ تعالیٰ عظیم وکریم سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمارے دلوں میں نور پیدا کر دے اور ہمارے دائیں بائیں بھی نور عطا فرمائے اور ہمارے نور کو بڑھا دے اور اسے بہت بڑا اور زیادہ کرے۔ آمین۔ ①



## پہلوں کی مثل اسلام کو عروج ہوگا

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ ﴾ [سورة النور: ۵۵]

''تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کو وہ امن وامان سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے، اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہیں۔''

**تفہیم**

① اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے وعدہ فرما رہا ہے کہ آپ کی امت کو زمین کا مالک بنا دے گا، لوگوں کا سردار بنا دے گا، ملک ان کی وجہ سے آباد ہوگا، بندگان رب

---

① تفسیر ابن کثیر (۳/٦٧٤)

ان سے دل شاد ہوں گے۔ آج یہ لوگوں سے لرزاں وترساں ہیں کل یہ باامن واطمینان ہوں گے' حکومت ان کی ہوگی' سلطنت ان کے ہاتھوں میں ہوگی۔

② الحمدللہ یہی ہوا بھی۔ مکہ' خیبر' بحرین' جزیرہ عرب اور یمن تو خود حضرت محمد ﷺ کی موجودگی میں فتح ہوگیا۔ حجر کے مجوسیوں نے جزیہ دے کر ماتحتی قبول کر لی' شام کے بعض حصوں کا بھی یہی حال ہوا۔ شاہ روم ہرقل نے تحفے تحائف روانہ کیے۔ مصر کے والی نے بھی خدمت اقدس میں تحفے بھیجے' اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے' عمان کے شاہوں نے بھی یہی کیا اور اس طرح اپنی اطاعت گزاری کا ثبوت دیا۔ حبشہ کے بادشاہ اصحمہ رحمہ اللہ تو مسلمان ہی ہو گئے اور ان کے بعد جو والی حبشہ ہوا۔ اس نے بھی سرکار محمد ﷺ میں عقیدت مندی کے ساتھ تحائف روانہ کیے۔

③ پھر جب کہ اللہ تعالیٰ رب العزت نے اپنے محترم رسول اللہ ﷺ کو اپنی مہمانداری میں بلوالیا' آپ کی خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سنبھالی' جزیرہ عرب کی حکومت کو مضبوط اور مستقل بنایا اور ساتھ ہی ایک جرار لشکر سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں بلاد فارس کی طرف بھیجا جس نے وہاں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا' کفر کے درختوں کو چھانٹ دیا اور اسلامی پودے ہر طرف لگا دیئے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ وغیرہ امراء کے ماتحت شام کے ملکوں کی طرف لشکر اسلام کے جاں بازوں کو روانہ فرمایا۔ انہوں نے بھی یہاں محمدی جھنڈا بلند کیا اور صلیبی نشان اوندھے منہ گرائے' پھر مصر کی طرف مجاہدین کا لشکر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سرداری میں روانہ فرمایا۔ بصریٰ' دمشق' حران وغیرہ کی فتوحات کے بعد آپ بھی راہی ملک بقا ہوئے اور بہ الہام الٰہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے فاروق کے زبردست زور آور ہاتھوں میں سلطنت اسلام کی باگیں دے گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ آسمان تلے کسی نبی کے بعد ایسے پاک خلیفوں کا دور نہیں ہوا۔ آپ کی قوت' طبیعت' آپ کی نیکی' سیرت' آپ کے عدل کا کمال' آپ کی ترسی کی مثال دنیا میں آپ کے بعد تلاش کرنا محض بے سود اور بالکل لا حاصل ہے۔ تمام ملک شام' پورا علاقہ مصر' اکثر حصہ فارس آپ کی

خلافت کے زمانے میں فتح ہوا۔ سلطنت کسریٰ کے ٹکڑے اڑ گئے' خود کسریٰ کو منہ چھپانے کے لیے کوئی جگہ نہ ملی۔ کامل ذلت واہانت کے ساتھ بھاگتا پھرا۔ قیصر کو فنا کر دیا۔ مٹا دیا۔ شام کی سلطنت سے دست بردار ہونا پڑا۔ قسطنطنیہ میں جا کر منہ چھپایا ان سلطنتوں کی صدیوں کی دولت اور جمع کیے ہوئے بے شمار خزانے ان بندگان رب نے اللہ کے نیک نفس اور مسکین خصلت بندوں پر خرچ کیے اور اللہ کے وعدے پورے ہوئے جو اس نے حبیب اکرم ﷺ کی زبان سے کہلوائے تھے۔ علیہ السلام۔ پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور آتا ہے اور مشرق ومغرب کی انتہاء تک اللہ کا دین پھیل جاتا ہے۔ اللہ کا لشکر ایک طرف اقصیٰ مشرق تک اور دوسری طرف انتہاء مغرب تک پہنچ کر دم لیتے ہیں۔ اور مجاہدین کی آب دار تلواریں اللہ کی توحید کو دنیا کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں پہنچا دیتی ہیں۔ اندلس' قبرص' قیروان وسبتہ یہاں تک کہ چین تک آپ کے زمانے میں فتح ہوئے۔ کسریٰ قتل کر دیا گیا اس کا ملک تو ایک طرف نام ونشان تک کھود کر پھینک دیا گیا اور ہزار ہا برس کے آتش کدے بجھا دیئے گئے اور ہر اونچے ٹیلے سے صدائے اللہ اکبر آنے لگی۔ دوسری جانب مدائن' عراق' خراسان' اھواز سب فتح ہوگئے ترکوں سے جنگ عظیم ہوئی آخر ان کا بڑا بادشاہ خاقان خاک میں ملا ذلیل وخوار ہوا اور زمین کے مشرقی اور مغربی کونوں نے اپنے خراج بارگاہ خلافت عثمانی میں پہنچوائے۔ حق تو یہ ہے کہ مجاہدین کی ان جانبازیوں میں جان ڈالنے والی چیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تلاوت قرآن کی برکت تھی۔ آپ کو قرآن سے کچھ ایسا شغف تھا جو بیان سے باہر ہے۔ قرآن کے جمع کرنے' اس کے حفظ کرنے' اس کی اشاعت کرنے' اس کے سنبھالنے میں جو نمایاں خدمتیں خلیفہ ثالث نے انجام دیں وہ یقیناً عدیم المثال ہیں۔ آپ کے زمانے کو دیکھو اور اللہ کے رسول ﷺ کی اس پیش گوئی کو دیکھو کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میرے لیے زمین سمیٹ دی گئی یہاں تک کہ میں نے مشرق ومغرب دیکھ لی عنقریب میری امت کی سلطنت وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک اس وقت مجھے

دکھائی گئی ہے۔[1]

④ آپ ﷺ فرماتے ہیں لوگوں کا کام بھلائی سے جاری رہے گا یہاں تک کہ ان میں بارہ خلفاء ہوں گے پھر آپ نے ایک جملہ آہستہ بولا جو راوی حدیث حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سن نہ سکے تو انہوں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا کہ حضور ﷺ نے کیا فرمایا انہوں نے بیان کیا کہ یہ فرمایا ہے یہ سب کے سب قریشی ہوں گے۔[2]

آپ نے یہ بات اس شام کو بیان فرمائی تھی جس دن حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو رجم کیا گیا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ ان بارہ خلیفوں کا ہونا ضروری ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ وہ خلفاء نہیں جو شیعوں نے سمجھ رکھے ہیں کیونکہ شیعوں کے اماموں میں بہت سے وہ بھی ہیں جنہیں خلافت وسلطنت کا کوئی حصہ بھی پوری عمر میں نہیں ملا تھا اور یہ بارہ خلفاء ہوں گے۔ سب کے سب قریشی ہوں گے، حکم میں عدل کرنے والے ہوں گے' ان کی بشارت اگلی کتابوں میں بھی ہے اور یہ شرط نہیں ہے کہ یہ سب یکے بعد دیگرے ہوں گے بلکہ ان کا ہونا یقینی ہے خواہ پے در پے کچھ ہوں خواہ متفرق زمانوں میں کچھ ہوں۔ چنانچہ چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم تو بالترتیب ہوئے اول ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم ان کے بعد پھر سلسلہ ٹوٹ گیا پھر بھی ایسے خلیفہ ہوئے اور ممکن ہے آگے چل کر بھی ہوں۔ ان کے صحیح زمانوں کا علم اللہ ہی کو ہے ہاں اتنا یقینی ہے کہ امام مہدی علیہ السلام بھی انہی بارہ میں سے ہوں گے جن کا نام حضور ﷺ کے نام سے جن کی کنیت حضور ﷺ کی کنیت سے مطابق ہوگی تمام زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جیسے کہ وہ ظلم وناانصافی سے بھر گئی ہوگی۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر کاٹ کھانے والا ملک ہو جائے گا۔[3]

---

① صحيح مسلم، الفتن، باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض، (٢٨٨٩) وسنن أبى داود (٤٢٥٢) وجامع الترمذى (٢١٧٦)

② صحيح مسلم، الأمارة، باب الناس تبع لقريش والخلافة فى القريش، (١٨٢١) وأبوداود (٤٢٧٩)

③ سنن أبى داود، السنة، باب فى الخلفاء، (٤٦٤٦) وجامع الترمذى (٢٢٢٦) ومسند الإمام أحمد (٢٢١/٥) والمستدرك للحاكم (١٤٥/٣)

⑤ ابو العالیہ رحمۃ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم بیس سال تک مکے میں رہے اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف دنیا کو دعوت دیتے رہے لیکن یہ زمانہ پوشیدگی کا' ڈر خوف کا اور بے اطمینانی کا تھا' جہاد کا حکم نہیں آیا تھا۔ مسلمان بے حد کمزور تھے اس کے بعد ہجرت کا حکم ہوا۔ مدینے پہنچے اب جہاد کا حکم ملا جہاد شروع ہوا دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ اہل اسلام بہت خائف تھے۔ خطرے سے کوئی وقت خالی نہیں جاتا تھا صبح شام صحابہ ہتھیاروں سے آراستہ رہتے تھے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے کہا یارسول اللہ ﷺ کیا ہم اسی طرح خوف زدہ ہی رہیں گے؟ یارسول اللہ ﷺ کیا ہماری زندگی کی کوئی گھڑی بھی اطمینان سے نہیں گزرے گی؟ یارسول اللہ ﷺ کیا ہتھیار اتار کر بھی ہمیں کبھی آسودگی کا سانس لینا میسر آئے گا؟ آپ نے پورے سکون سے فرمایا کچھ دن اور صبر کرلو پھر تو اس قدر امن واطمینان ہوجائے گا کہ پوری مجلس میں' بھرے دربار میں چوکڑی بھر کر آرام سے بیٹھے ہوئے رہو گے۔ ایک کے پاس کیا کسی کے پاس بھی کوئی ہتھیار نہ ہوگا کیونکہ کامل امن وامان پورا اطمینان ہوگا۔ اسی وقت یہ آیت اتری۔ پھر تو اللہ کے نبی جزیرہ عرب پر غالب آ گئے عرب میں بھی کوئی کافر نہ رہا مسلمانوں کے دل خوف سے خالی ہوگئے اور ہتھیار ہر وقت لگائے رہنے ضروری نہ رہے۔ پھر یہی امن وراحت کا دور دورہ حضور ﷺ کے زمانے کے بعد بھی تین خلافتوں تک رہا یعنی ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے تک۔ پھر مسلمان ان جھگڑوں میں پڑ گئے جو رونما ہوئے پھر خوف زدہ رہنے لگے اور پہرے دار اور چوکیدار داروغے وغیرہ مقرر کیے اپنی حالتوں کو متغیر کیا تو متغیر ہوگئے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کی حقانیت کے بارے میں اس آیت کو پیش کیا۔ براء بن عازب کہتے ہیں جس وقت یہ آیت اتری ہے اس وقت ہم انتہائی خوف اور اضطراب کی حالت میں تھے جیسے فرمان ہے:

﴿ وَ اذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ ۝ ﴾ [سورة الأنفال: ٢٦]

''وہ وقت بھی تھا کہ تم بے حد کمزور اور تھوڑے تھے اور قدم قدم اور دم دم پر خوف زدہ رہتے تھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعداد بڑھادی تمہیں قوت وطاقت عنایت فرمائی اور امن وامان دیا۔''

پھر فرمایا کہ جیسے ان سے پہلے کے لوگوں کو اس نے زمین کا مالک کر دیا تھا جیسے کہ کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا:

﴿ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ ○ ﴾ [سورة الأعراف: ١٢٩]

''بہت ممکن ہے بلکہ بہت ہی قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دے اور تمہیں ان کا جانشین بنادے۔''

نیز سورہ قصص (٥،٦) میں ہے:

﴿ وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ ○ ﴾

''ہم نے ان پر احسان کرنا چاہا جو زمین بھر میں سب سے زیادہ ضعیف اور ناتوان تھے۔''

⑥ پھر فرمایا کہ ان کے دین کو جو اللہ کا پسندیدہ ہے جمادے گا اور اسے قوت وطاقت دے گا۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جب بطور وفد آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کیا تو نے حیرہ دیکھا ہے اس نے جواب دیا کہ میں حیرہ کو نہیں جانتا ہاں اس کا نام سنا ہے آپ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ میرے اس دین کو کامل طور پر پھیلائے گا یہاں تک کہ امن وامان قائم ہو جائے گا کہ حیرہ سے ایک سانڈنی سوار عورت تنہا نکلے گی اور وہ بیت اللہ تک پہنچ کر طواف سے فارغ ہو کر واپس ہوگی نہ خوف زدہ ہوگی نہ ہی اس کے ساتھ محافظ ہوگا۔ یقین مان کہ کسریٰ بن ھرمز کے خزانے مسلمانوں کی فتوحات میں آئیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں اسی کسریٰ بن ھرمز کے۔ سنو اس قدر مال بڑھ جائے گا کہ کوئی صدقہ قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اب تم دیکھ لو کہ فی الواقع حیرہ سے عورتیں بغیر کسی کی پناہ کی آتی جاتی ہیں۔ اس پیشین گوئی کو پورا

ہوتے ہوئے ہم نے دیکھ لیا دوسری پشین گوئی تو میری نگاہوں کے سامنے پوری ہوئی کسریٰ کے خزانے فتح کرنے والوں نے بتایا خود میں موجود تھا اور تیسری پشین گوئی یقیناً پوری ہو کر رہے گی کیونکہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔[1]

مسند احمد میں حضور ﷺ کا فرمان ہے اس امت کو ترقی اور بڑھوتری کی مدد اور دین کی اشاعت کی بشارت دو۔ ہاں جو شخص آخرت کا عمل دنیا کے حاصل کرنے کے لیے کرے وہ جان لے کہ آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ملے گا۔[2]

⑦ پھر فرماتا ہے کہ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ مسند میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک گدھے پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور آپ کے درمیان صرف پالان کی لکڑی تھی آپ نے میرے نام سے مجھے آواز دی میں نے لبیک وسعدیک کہا پھر تھوڑی سی دیر کے بعد چلنے کے بعد اسی طرح مجھے پکارا اور میں نے بھی اسی طرح جواب دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جانتے ہو اللہ کا حق اپنے بندوں پر کیا ہے؟'' میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔'' پھر تھوڑی سی دیر چلنے کے بعد مجھے پکارا اور میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جانتے ہو جب بندے اللہ کا حق ادا کریں تو اللہ کے ذمے بندوں کا حق کیا ہے؟'' میں نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول کو ہی پورا علم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کہ انہیں عذاب نہ کرے۔''[3]

پھر فرمایا اس کے بعد جو منکر ہو جائے وہ یقیناً فاسق ہے۔ یعنی اس کے بعد بھی جو میری فرمانبرداری چھوڑ دے اس نے میری حکم عدولی کی اور یہ گناہ سخت اور بہت بڑا ہے۔ شان

---

① صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، (٣٥٩٥) ومسند الإمام أحمد (٤/ ٢٥٧) البيهقي في دلائل النبوة (٥/ ٣٤٣، ٣٤٤)

② مسند الإمام أحمد (٥/ ١٣٤) والمستدرك للحاكم (٤/ ٣١١) ابن حبان (٤٠٥)

③ صحيح البخاري، اللباس، باب إرداف الرجل خلف الرجل، (٥٩٦٧) وصحيح مسلم (٣٠) ومسند الإمام أحمد (٥/ ٢٤٢)

الٰہی دیکھو جتنا جس زمانے میں اسلام کا زور رہا اتنی ہی مدد اللہ کی ہوئی۔ صحابہ اپنے ایمان میں بڑھے ہوئے تھے فتوحات میں بھی سب سے آگے نکل گئے جوں جوں ایمان کمزور ہوتا گیا دنیوی حالت سلطنت وشوکت بھی گرتی گئی۔

بخاری ومسلم میں ہے میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ برسر حق رہے گی اور وہ غالب اور نڈر رہے گی ان کے مخالف ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے قیامت تک یہ اسی طرح رہے گی۔ ①

اور روایت میں ہے یہاں تک اللہ کا وعدہ آ جائے گا۔ ②

ایک اور روایت میں ہے یہاں تک کہ یہی جماعت سب سے آخر دجال سے جہاد کرے گی۔ ③

اور حدیث میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے تک یہ لوگ کافروں پر غالب رہیں گے۔ ④

⑧ اے مسلمانو! رب کے اس وعدے کو پیغمبر کی اس پیش گوئی کو دیکھو پھر تاریخ کے اوراق پلٹو اور اپنی گزشتہ عظمت وشان کو دیکھو آؤ نظریں ڈالو کہ آج تک اسلام کا پرچم بحمد اللہ بلند ہے اور مسلمان ان مجاہدین کرام کی مفتوح زمینوں میں شاہانہ حیثیت سے چل پھر رہے ہیں اللہ اور اس کے رسول سچے ہیں مسلمانو! حیف اور صد حیف اس پر جو قرآن وحدیث کے دائرے سے باہر نکلے حسرت اور صد حسرت اس پر جو اپنے آبائی ذخیرے کو غیر کے حوالے کرے۔ اپنے آباؤ اجداد کے خون کے قطروں سے خریدی ہوئی چیز کو اپنی نالائقیوں اور بے دینیوں سے غیر کی بھینٹ چڑھاوے اور سکھ سے بیٹھا لیٹا رہے۔ اللہ ہمیں اپنا لشکری بنا لے۔ آمین آمین! ⑤



① صحیح البخاری، التوحید، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ ﴾، (٧٤٥٩) وصحیح مسلم (١٩٢٠)

② صحیح مسلم، الإمارة، حدیث (١٩٢٣)

③ المستدرك للحاكم (٥٤٤/٤) وسنن أبي داود (٢٤٨٤)

④ مسند الإمام أحمد (٣٨٤/٣) ومسند أبي يعلى (٢٠٧٨)

⑤ تفسير ابن كثير (٦٨٤/٣)

## یہ آپ کے لیے کیسی کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں

﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ ﴾

[سورۃ الفرقان: ۹]

"خیال تو کیجیے! کہ یہ لوگ آپ کی نسبت کیسی کیسی باتیں بناتے ہیں۔ پس جس سے خود ہی بہک رہے ہیں اور کسی طرح راہ پر نہیں آ سکتے۔"

**تفہیم**

یعنی کبھی کہتے ہیں کہ ان کی باتیں محض مفتریات ہیں۔ کبھی دعوے کرتے ہیں کہ نہیں دوسروں سے سیکھ کر اپنے سانچے میں ڈھال لی ہیں کبھی آپ ﷺ کو مسحور بتلاتے ہیں کبھی ساحر، کبھی کاہن، کبھی شاعر، کبھی مجنون، یہ اضطراب خود بتلاتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز آپ ﷺ پر منطبق نہیں ہوتی۔ اسی لیے کسی ایک بات پر قرار نہیں۔ اور الزام لگانے کا کوئی راستہ ہاتھ نہیں آتا۔ جو لوگ انبیاء کی جناب میں اس طرح کی گستاخیاں کر کے گمراہ ہوتے ہیں ان کے راہِ راست پر آنے کی کوئی توقع نہیں۔



## ہر مثال کا جواب ہم دیں گے

﴿ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ ﴾

[سورۃ الفرقان: ۳۳-۳۴]

"یہ آپ کے پاس جو کوئی مثال لائیں گے ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ دلیل آپ کو بتا دیں گے، جو لوگ اپنے منہ کے بل جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے وہی بدتر مکان والے اور گمراہ تر راستے والے ہیں۔"

**تفہیم**

یہ قرآن کے وقفے وقفے سے اتارے جانے کی حکمت وعلت بیان کی جا رہی ہے کہ

یہ مشرکین جب بھی کوئی مثال یا اعتراض اور شبہ پیش کریں گے تو قرآن کے ذریعے سے ہم اس کا جواب یا وضاحت پیش کر دیں گے اور یوں انہیں لوگوں کو گمراہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔



## ہم نے ہر طرح کی مثالیں بیان کر دیں

﴿ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ۝ ﴾ [سورة الفرقان: ۳۹]

''اور ہم نے ان کے سامنے مثالیں بیان کیں' پھر ہر ایک کو بالکل ہی تباہ برباد کر دیا۔''

**تفهیم**

① ضرب مثل سے یہاں پر مراد ہے کہ حقائق کو واضح کرنے کے لیے توضیح وتشریح کے تمام تقاضوں اور جملہ لوازم کو پورا کیا گیا اور ان کو اس طرح اور اس حد تک نکھار کر رکھ دیا گیا کہ ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کے سوا کوئی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ سو تمام انبیاء و رسل نے ایسے ہی کیا' اور حقائق کو انہوں نے پوری طرح واضح کر دیا۔ مگر ہٹ دھرموں نے پھر بھی نہ مانا۔ یہاں تک کہ قانون قدرت کے مطابق آخر کار عذاب الٰہی کا کوڑا ان پر برس کر رہا۔ جس کے نتیجے میں وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے۔

جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ ﴾ [سورة الفجر: ۱۳-۱٤]

''آخر کار تمہارے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا یقیناً تمہارا رب گھات میں ہے۔''



# وہ تو چوپایوں جیسے ہیں

﴿ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ ﴾ [سورة الفرقان: ٤٤]

''کیا آپ اسی خیال میں ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں۔ وہ تو نرے چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے۔''

**تفہیم**

یعنی آپ کیسی ہی نصیحتیں سنایئے' یہ تو چوپائے جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر' انہیں سننے یا سمجھنے سے کیا واسطہ چوپائے تو بہر حال اپنے پرورش کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں' نافع و مضر کی کچھ شناخت رکھتے ہیں۔ کھلا چھوڑ دو تو اپنی چراگاہ اور پانی پینے کی جگہ پہنچ جاتے ہیں' لیکن ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ نہ اپنے خالق و رازق کا حق پہچانا' نہ اس کے احسانات کو سمجھا۔ نہ بھلے برے کی تمیز کی' نہ دوست دشمن میں فرق کیا' نہ غذائے روحانی اور چشمہ ہدایت کی طرف قدم اٹھایا۔ بلکہ اس سے کوسوں دور بھاگے اور جو قوتیں اللہ نے عطا کی تھیں ان کو معطل کیے رکھا بلکہ بے موقع صرف کیا۔ اگر ذرا بھی عقل و فہم سے کام لیتے تو اس کارخانہ قدرت میں بیشمار نشانیاں موجود تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید و تنزیہ اور اصول دین کی صداقت وحقانیت کی طرف رہبری کر رہی ہیں جن میں سے بعض نشانیوں کا ذکر آئندہ آیات میں کیا گیا ہے۔



# وہ تو مثل بڑے پہاڑ کے ہو گیا

﴿ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝ ﴾ [سورة الشعرآء: ٦٣]

''ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر اپنی لاٹھی مارو پس اس وقت دریا

پھٹ گیا اور ہر ایک حصہ پانی کا مثل بڑے پہاڑ کے ہو گیا۔"

**تفہیم**

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ راہنمائی اور نشان دہی فرمائی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو' جس سے دائیں طرف کا پانی دائیں طرف اور بائیں طرف کا پانی بائیں طرف رک گیا اور دونوں کے بیچ راستہ بن گیا' کہا جاتا ہے کہ بارہ قبیلوں کے حساب سے بارہ راستے بن گئے تھے۔



## تو تو ہم جیسا ہی انسان ہے

﴿ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝ ﴾ [سورة الشعرآء: ١٥٤]

"تو تو ہم جیسا ہی انسان ہے۔ اگر تو سچوں سے ہے تو کوئی معجزہ لے آ۔"

**تفہیم**

یعنی وہی قدیمی اور مشترکہ غلط فہمی جو اس طرح کے سب ہی اصحاب زیغ و ضلال اور ٹیڑھے دماغ کے لوگوں کو ہمیشہ لاحق رہی ہے۔ یعنی یہ کہ جب تم ہم ہی جیسے بشر اور انسان ہو' تو پھر تم خدا کے رسول اور اس کے نمائندہ کس طرح ہو سکتے ہو؟ اور ایسے میں ہم تمہاری اطاعت کس طرح قبول کر لیں؟ یعنی وہی بات جس کو ہم نے کئی جگہ واضح کیا ہے کہ ایسے لوگوں کے نزدیک بشریت اور نبوت کے درمیان منافات ہے' پس جو بشر ہو گا وہ نبی اور رسول نہیں ہو سکتا۔ اور جو نبی و رسول ہو گا وہ بشر اور انسان نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے کل کے ان ٹیڑھے دماغوں نے حضرات انبیاء و رسل کی بشریت طاہرہ کو دیکھتے ہوئے ان کی نبوت و رسالت کا انکار کیا۔ اور اس کے برعکس آج کے کچھ ٹیڑھے دماغ ایسے ہیں جو ان کی نبوت و رسالت کے ماننے کے دعوے کی بناء پر ان کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ غلط فہمی دونوں کو بہر حال ایک ہی ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا' یعنی یہ کہ بشریت اور نبوت و رسالت باہم جمع نہیں ہو سکتیں' حالانکہ حق اور حقیقت بہر حال یہی ہے کہ حضرات انبیاء و رسل بیک وقت انسان اور بشر بھی ہوتے ہیں اور نبی و رسول بھی۔ بشریت پہلے ہوتی ہے اور اس کے

بعد ان کو شرف نبوت و رسالت سے نوازا جاتا ہے' اور یہی تقاضا ہے عقل و نقل دونوں کا اور اسی کا اظہار اقرار ہر مسلمان اپنے کلمہ شہادت میں وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سے کرتا ہے۔



## وہ ہم جیسا ہی انسان ہے

﴿ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ [سورة الشعراء: ۱۸۵-۱۸۷]

''انہوں نے کہا تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا جاتا ہے' انہوں نے کہا تو تو ہم جیسا ایک انسان ہے اور ہم تجھے جھوٹ بولنے والوں میں سے ہی سمجھتے ہیں' اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرادے۔''

**تفہیم**

① ثمودیوں نے جو جواب اپنے نبی کو دیا تھا وہی جواب ان لوگوں نے بھی اپنے رسولوں کو دیا کہ تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے تیری عقل ٹھکانے نہیں رہی۔ تو ہم جیسا ہی انسان ہے اور ہمیں تو یقین ہے کہ تو جھوٹا آدمی ہے۔ اللہ نے تجھے نہیں بھیجا۔ اچھا تو اگر اپنے دعوے میں سچا ہے تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرادے۔ آسمانی عذاب ہم پر لے آ جیسے قریشیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ ہم تجھ پر ایمان لانے کے نہیں جب تک کہ تو عرب کے اس ریتلی زمین میں دریا نہ بہادے یہاں تک کہا کہ یا تو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادے جیسے کہ تیرا خیال ہے یا تو اللہ تعالیٰ کو یا فرشتوں کو کھلم کھلا لے آ۔ اور آیت میں ہے کہ انہوں نے کہا اے اللہ اگر یہ تیرے پاس ہے اور حق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے اسی طرح ان جاہل کافروں نے کہا کہ تو ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرادے۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ اللہ کو تمہارے اعمال بخوبی معلوم ہیں جس لائق تم ہو وہ خود کردے گا۔ اگر تم اس کے نزدیک آسمانی عذاب

کے قابل ہو تو بلا تاخیر تم پر آسمانی عذاب آجائے گا اللہ ظالم نہیں کہ بیگناہوں کو سزا دے۔ بالآخر جس قسم کا عذاب یہ مانگ رہے تھے اسی قسم کا عذاب ان پر آیا۔ انہیں سخت گرمی محسوس ہوئی سات دن تک گویا زمین ابلتی رہی۔ کسی جگہ کسی سایہ میں ٹھنڈک یا راحت میسر نہ ہوئی۔ تڑپ اٹھے بے قرار ہو گئے سات دن کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ایک سیاہ بادل ان کی طرف آرہا ہے وہ آکر ان کے سروں پر چھا گیا یہ سب گرمی اور حرارت سے زچ ہو گئے تھے اس کے نیچے جا بیٹھے۔ جب سارے کے سارے اس کے سائے میں پہنچ گئے وہیں بادل میں سے آگ برسنے لگی ساتھ ہی زمین زور زور سے جھٹکے لینے لگی اور اس زور کی ایک آواز آئی جس سے ان کے دل پھٹ گئے جان نکل گئی اور سارے آنِ واحد میں تباہ و ویران ہو گئے۔ اس دن کے سائبان والے سخت عذاب نے ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا

② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ سخت گرج کڑک اور گرمی شروع ہوئی جس سے سانس گھٹنے لگے اور بے چینی حد کو پہنچ گئی۔ گھبرا کر شہر چھوڑ کر میدان میں جمع ہو گئے۔ یہاں بادل آیا جس کے نیچے ٹھنڈک اور راحت حاصل کرنے کے لیے سب جمع ہوئے۔ وہیں آگ برسی جل بھن گئے۔ یہ تھا سائبان والے بڑے بھاری دن کا عذاب جس نے ان کا نام و نشان مٹا دیا۔ یقیناً یہ واقعہ سراسر عبرت اور قدرت الٰہی کی ایک زبردست نشانی ہے۔ ان میں اکثر بے ایمان تھے اللہ تعالیٰ اپنے بد بندوں سے انتقام لینے میں غالب ہے۔ کوئی اسے مغلوب نہیں کر سکتا وہ اپنے نیک بندوں پر مہربان ہے انہیں بچا لیا کرتا ہے۔ [1]



## گویا وہ ایک سانپ ہے

﴿ وَاَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ ﴾ [سورة النمل: ١٠]

---

① تفسیر ابن کثیر (٤/٦٨)

''تو اپنی لاٹھی ڈال دے' موسیٰ نے جب اسے ہلتا جلتا دیکھا اس طرح کہ گویا وہ ایک سانپ ہے تو منہ موڑے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا' اے موسیٰ! خوف نہ کھا' میرے حضور میں پیغمبر ڈرا نہیں کرتے۔''

**تفہیم**

اللہ تعالیٰ کے نیک اور سلیم الفطرت بندوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب ان کو کسی اندیشے سے سابقہ پیش آتا ہے تو ان کا ذہن اپنی کسی غلطی اور کوتاہی ہی کی طرف جاتا ہے کہ مبادا یہ اسی کا نتیجہ وخمیازہ ہو' ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ کا ذہن بھی اس موقع پر قبطی کے قتل کے واقعے کی طرف منتقل ہوگیا ہو' اگرچہ حضرت موسیٰ نے بعد میں اس سے توبہ بھی کر لی تھی' اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ کو قبول بھی فرمالیا تھا لیکن انبیاء وصالحین اپنے محاسبے کے سلسلے میں بڑے حساس اور محتاط ہوتے ہیں اس لیے آپ کے تسلی وتسکین کے لیے اس موقع پر آپ سے فرمایا گیا ﴿ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴾ یعنی ''میرے یہاں میرے رسول ڈرا نہیں کرتے۔'' پس آپ کو کوئی خوف واندیشہ نہ کرو۔



## موسیٰ علیہ السلام اور قتل

﴿ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ یٰمُوْسٰٓی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَ مَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ۝ ﴾ [سورة القصص: ١٩]

''پھر جب اپنے اور اس کے دشمن کو پکڑنا چاہا' وہ فریادی کہنے لگا کہ' موسیٰ (علیہ السلام) کیا جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے' تو تو ملک میں ظالم وسرکش ہونا چاہتا ہے اور تیرا ارادہ ہی نہیں کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔''

**تفہیم**

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس قبطی کو پکڑنا چاہا جو کہ ان دونوں کا دشمن تھا لیکن اس

سے پہلے آپ نے اسرائیلی کو بھی جھڑکا کہ تو بڑا بیوقوف ہے جو روزانہ اس طرح سے جھگڑوں میں الجھا رہتا ہے تو اس وجہ سے وہ ڈر گیا کہ شاید کل جو گھونسہ قبطی کو لگا تھا' آج وہ مجھ پر پڑنے والا ہے' تو اس نے گھبراہٹ میں چلا کر کہا کہ کیا آپ مجھے بھی اسی طرح قتل کرنا چاہتے ہیں جس طرح کہ کل آپ نے اس شخص کو قتل کر دیا تھا؟ سو اس طرح اس شخص نے اپنی حماقت سے قبطی کے قتل کا راز کھول دیا۔ اور شہر میں جو چرچا ہو رہا تھا کہ قبطی کو کس نے قتل کیا اس کا معمہ حل ہو گیا' جس کے نتیجے میں قدرتی طور پر فرعونیوں کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف غیظ وغضب کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے منصوبے بنانے لگے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات تو ان لوگوں کی نظروں میں پہلے ہی کھٹک رہی تھی' اور اس واقعے کے بعد تو ان کو آنجناب کے قتل کے لیے ایک بہانہ بھی ہاتھ آ گیا۔



# لاٹھی سانپ بن گی

﴿ وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ۝ ﴾ [سورة القصص: ۳۱]

''اور یہ بھی آواز آئی کہ اپنی لاٹھی ڈال دے۔ پھر جب اس نے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح پھن پھیلا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس ہو گئے اور مڑ کر رُخ بھی نہ کیا' ہم نے کہا اے موسیٰ! آگے آ ڈرمت' یقیناً تو ہر طرح امن والا ہے۔''

**تفہیم**

یہ موسیٰ علیہ السلام کا وہ معجزہ ہے جو کوہ طور پر' نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد ان کو ملا۔ چونکہ اللہ کے حکم اور مشیت سے ظاہر ہوتا ہے کسی بھی انسان کے اختیار سے نہیں۔ چاہے وہ جلیل القدر پیغمبر اور نبی مقرب ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام بھی ڈر گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے بتلایا اور تسلی دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف دور ہوا اور یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صداقت کے لیے بطور دلیل یہ معجزہ انہیں عطا فرمایا ہے۔



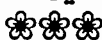
# انہیں موسیٰ علیہ السلام کی طرح کتاب کیوں نہیں دی گی

﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْ لَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی اَوَ لَمْ یَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا وَ قَالُوْا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ○ ﴾ [القصص: ٤٨]

''پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ پہنچا تو کہتے ہیں کہ یہ وہ کیوں نہیں دیا گیا جیسے دیئے گئے تھے موسیٰ (علیہ السلام) اچھا تو کیا موسیٰ (علیہ السلام) کو جو کچھ دیا گیا تھا اس کے ساتھ لوگوں نے کفر نہیں کیا تھا صاف کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور ہم تو ان سب کے منکر ہیں۔''

**تفہیم**

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سے معجزات' جیسے لاٹھی کا سانپ بن جانا اور ہاتھ کا چمکنا وغیرہ یعنی مطلوبہ معجزات' اگر دکھا بھی دیئے جائیں تو کیا فائدہ' جنہیں ایمان نہیں لانا' وہ ہر طرح کی نشانیاں دیکھنے کے باوجود ایمان سے محروم ہی رہیں گے۔ کیا موسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ معجزات دیکھ کر فرعونی مسلمان ہو گئے تھے' انہوں نے کفر نہیں کیا؟ یا یکفروا کی ضمیر قریش مکہ کی طرف ہے یعنی کیا انہوں نے نبوت محمد یہ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر نہیں کیا۔ پہلے مفہوم کے اعتبار سے دونوں سے مراد حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام ہوں گے اور دوسرا مفہوم اس سے قرآن اور تورات مراد ہوں گے یعنی دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور ہم سب کے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں۔ [1]



# اچھا اور برا برابر نہیں

﴿ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِیْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ هُوَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ○ وَ یَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ○ ﴾ [سورة القصص: ٦١-٦٢]

---

[1] فتح القدیر (٤٠٣/٢)

’’کیا وہ شخص جس سے ہم نے نیک وعدہ کیا ہے وہ قطعاً پانے والا ہے مثل اس شخص کے ہوسکتا ہے' جسے ہم نے زندگانی دنیا کی کچھ یونہی دے دی پھر بالآخر وہ قیامت کے روز پکڑا باندھا حاضر کیا جائے گا' اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں پکار کر فرمائے گا کہ تم جنہیں اپنے گمان میں میرا شریک ٹھہرا رہے تھے کہاں ہیں۔‘‘

**تفہیم**

① سو اس سے ملذات دنیا کے دلدادوں' اور آخرت سے غفلت میں پڑے ابناءِ دنیا کے دلوں پر ایک اور دستک دی گئی ہے' تاکہ ان کی آنکھیں کھل سکیں' اور وہ ہوش کے ناخن لے کر راہ راست پر آسکیں اور تلافی مافات کے لیے فکر و کوشش کرسکیں' سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایک طرف تو وہ لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے آخرت کی حقیقی اور ابدی بادشاہی کا وعدہ فرما رکھا ہے اور جس کو انہوں نے لازماً اور بہرحال پانا ہے کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جن کو حیاتِ دنیا کی چند روزہ متاع فانی تو ملی ہے مگر آخرت میں ان کو مجرموں کی طرح نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ گھسیٹ کھینچ کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا جائے گا' سو اب تم لوگ خود بتاؤ کہ ان دونوں فریقوں میں سے بہتر انجام والا کون ہے؟

﴿ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ [الأنعام: ۸۱]

’’ان دونوں فریقوں میں سے کونسا امن و امان کا حقدار ہے؟ اگر تم لوگ جانتے ہو؟‘‘

② مشرکوں کو قیامت کے دن پکار کر سامنے کھڑا کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا کہ دنیا میں جنہیں تم میرے سوا پوجتے رہے جن بتوں اور پتھروں کو مانتے رہے ہو وہ کہاں ہیں؟ انہیں پکارو اور دیکھو کہ وہ تمہاری کچھ مدد کرتے ہیں؟ یا وہ خود اپنی کوئی مدد کرسکتے ہیں؟ یہ صرف بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ہوگا۔ جیسے فرمان ہے:

﴿ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ

شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَ ضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ۝﴾

[الانعام: ٩٤]

''ہم تمہیں ویسے ہی تن تنہا اور ایک ایک کر کے لائیں گے جیسے ہم نے اول دفعہ پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں یاد دلایا تھا وہ سب تم اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے۔ ہم تو آج تمہارے ساتھ کسی سفارشی کو بھی نہیں دیکھتے جنہیں تم شریک الٰہی ٹھہرائے ہوئے تھے۔ تم میں ان میں کوئی لگاؤ نہیں رہا اور تمہارے گمان کردہ شریک سب آج تم سے کھوئے ہوئے ہیں۔''

جن پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی یعنی شیاطین اور سرکش لوگ اور کفر کے بانی اور شرک کی طرف لوگوں کو بلانے والے یہ سب بڑے بڑے لوگ اس دن کہیں گے کہ اے اللہ ہم نے انہیں گمراہ کیا اور انہوں نے ہماری کفریہ باتیں سنیں اور مانیں جیسے ہم بہکے ہوئے تھے انہیں بھی بہکایا۔ ہم ان کی عبادت سے تیرے سامنے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ جیسے سورۂ مریم میں ہے:

﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا۝ كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا۝﴾ [سورة مريم: ٨١-٨٢]

''انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لئے تا کہ وہ ان کے لیے باعث عزت بنیں لیکن ایسا نہیں ہونے کا یہ تو ان کی عبادت سے بھی انکار کر جائیں گے اور الٹے ان کے دشمن بن جائیں گے۔''

نیز سورۂ احقاف میں فرمایا:

﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ۝﴾[سورة الأحقاف: ٥-٦]

''اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتا ہے جو قیامت کی گھڑی تک انہیں جواب نہ دے سکیں اور وہ ان کی پکار سے بھی غافل ہوں

اور قیامت کے دن لوگوں کے حشر کے موقعہ پر ان کے دشمن بن جائیں۔"

اور اس بات سے صاف انکار کردیں کہ انہوں نے ان کی عبادت کی تھی۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ تم نے جن بتوں کی پوجا پاٹ شروع کر رکھی ہے ان سے صرف دنیا کی ہی دوستی ہے قیامت کے دن تو تم سب ایک دوسرے کے منکر ہو جاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے۔

نیز سورۂ بقرہ میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَ رَأَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝ ﴾ سورة البقرة: ۱۸۸]

"جو تابعداری کرنے والے تھے اور وہ ان کی پر جوش تابعداری کرتے رہے مگر یہ ان سے بری اور بیزار ہو جائیں گے یعنی عذابوں کو سامنے دیکھتے ہوئے سب تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔"

ان سے فرمایا جائے گا کہ دنیا میں جنہیں پوجتے رہے ہو آج انہیں کیوں نہیں پکارتے؟ اب یہ پکاریں گے لیکن کوئی جواب نہ پائیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ آگ کے عذاب میں جائیں گے اس وقت آرزو کریں گے کہ کاش ہم راہ یافتہ ہوتے؟ جیسے ارشاد ہے کہ:

﴿ وَ يَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝ وَ رَاَ الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ ﴾ [سورة الكهف: ۵۲-۵۳]

"جس دن فرمائے گا کہ میرے ان شریکوں کو آواز دو جنہیں تم بہت کچھ سمجھ رہے تھے یہ پکاریں گے لیکن وہ جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے اور ان کے درمیان آڑ کریں گے۔ مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے پھر باور کرائیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں لیکن اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔"

اسی قیامت والے دن ان سب کو سنا کر ایک سوال یہ بھی ہوگا کہ تم نے میرے انبیاء کو کیا

جواب دیا؟ اور کہاں تک ان کا ساتھ دیا؟ پہلے توحید کے متعلق باز پرس تھی اب رسالت کے متعلق سوال جواب ہو رہے ہیں۔ اسی طرح قبر میں بھی سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ مومن جواب دیتا ہے کہ میرا معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور میرے رسول حضرت محمد ﷺ ہیں جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے ﴿سَلَامٌ عَلَيْهِ﴾ ہاں کافر سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا وہ گھبراہٹ اور پریشانی سے کہتا ہے مجھے اس کی کوئی خبر نہیں۔ اندھا بہرا ہو جاتا ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿ وَ مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا۝ ﴾

[سورة بنی اسرائیل: ۷۲]

’’جو شخص یہاں اندھا ہے وہ وہاں بھی اندھا اور راہ بھولا رہے گا۔‘‘

تمام دلیلیں ان کی نگاہوں سے ہٹ جائیں گی رشتے ناتے حسب نسب کی کوئی قدر نہ ہوگی نسب ناموں کا کوئی سوال نہ ہوگا۔ ہاں دنیا میں توبہ کرنے والے ایمان اور نیکی کے ساتھ زندگی گزارنے والے تو بے شک فلاح اور نجات حاصل کر لیں گے یہاں ﴿عَسٰی﴾ یقین کے معنی میں ہے یعنی مومن ضرور کامیاب ہوں گے۔



# مشرک اپنے پیشواؤں کے ساتھ

﴿ قَالَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا اَغْوَیْنٰهُمْ كَمَا غَوَیْنَا تَبَرَّاْنَاۤ اِلَیْكَ مَا كَانُوْۤا اِیَّانَا یَعْبُدُوْنَ۝ ﴾ [سورة القصص: ٦٣]

’’جن پر بات آ چکی وہ جواب دیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! یہی وہ ہیں جنہیں ہم نے بہکا رکھا تھا ہم نے انہیں اس طرح بہکایا جس طرح ہم بہکے تھے ہم تیری سرکار میں اپنی دست برادری کرتے ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے۔‘‘

**تفہیم**

یہاں پر ﴿ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ ﴾ سے مراد وہ مشرکین ہیں جن کے بارے میں خداوند

قدوس کی طرف سے فیصلہ (عذاب) صادر ہو جائے گا سو اپنا ہولناک انجام دیکھ لینے کے بعد آخری عذر کے طور پر وہ اپنے ان لیڈروں' پلیڈروں' اور سربراہوں کھڑ پینچوں کی طرف اشارہ کر کے کہ جن کے پیچھے وہ دنیا میں چلتے رہے تھے' اور جن کے کہنے اور ورغلانے پر وہ کفر و شرک وغیرہ کی گمراہیوں میں مبتلا رہے تھے' اور حق بات سننے ماننے کو تیار نہیں ہو رہے تھے' اس موقع پر وہ ان کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا اگر یہ نہ ہوتے تو ہم کبھی گمراہ نہ ہوتے۔ بلکہ ہم ایمان لے آتے' جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا کہ وہ ان سے خطاب کر کے کہیں گے ﴿ لَوْلَآ أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴾ [سبا: ۳۱] یعنی ''اگر تم لوگ نہ ہوتے تو ہم یقیناً مومن ہوتے۔'' اس پر ان کے لیڈران سے کہیں گے: ﴿ أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ﴾ یعنی ''ہم نے ان کو ویسے ہی گمراہ کیا جیسے کہ ہم خود گمراہ تھے۔'' یعنی ہم جیسے خود تھے ویسے ہی ان کو بنایا۔ یہ خود بدبخت اور شامت زدہ تھے کہ انہوں نے ہماری پیروی کی ہم تیرے حضور اے ہمارے رب ان کے اعمال کی ذمہ داری سے اپنی براءت کا اعلان کرتے ہیں یہ لوگ ہماری پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ یہ دراصل اپنی خواہشات کے پجاری تھے۔ اسی لیے انہوں نے راہ حق کو چھوڑ کر ہماری پیروی کی راہ کو اپنایا تھا۔ کہ ان کو اتباع ہویٰ کا اپنا من بھاتا کھاجا۔ اسی صورت میں اور اسی طریقے سے مل سکتا تھا' سو سارا قصور ان کا خود اپنا ہے۔

''وَالْعِيَاذُ بِاللهِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّضَلَالٍ' وَسُوْءٍ وَّانْحِرافٍ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْأَحْوَالِ وَفِي كُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِي الْحَيَاةِ ''



## کاش کہ ہمیں بھی قارون کی مثل مل جاتا

﴿ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴾ [سورة القصص: ۷۹]

''پس قارون پوری آرائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا تو دنیاوی زندگی کے متوالے کہنے لگے کاش کہ ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دیا گیا

ہے' یہ تو بڑا ہی قسمت کا دھنی ہے۔''

**تفہیم**

یعنی زینت و آرائش کے ساتھ' یہ کہنے والے کون تھے؟ بعض کے نزدیک ایماندار ہی تھے جو اس کی امارت و شوکت کے مظاہرے سے متاثر ہو گئے تھے اور بعض کے نزدیک کافر تھے۔



## اللہ کے عذاب کی مانند

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَ لَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [سورة العنکبوت: ۱۰]

''اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو زبانی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن جب اللہ کی راہ میں کوئی مشکل آن پڑتی ہے تو لوگوں کی ایذا دہی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح بنا لیتے ہیں' ہاں اگر اللہ کی مدد آ جائے تو پکار اٹھتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھی ہی ہیں کیا دنیا جہان کے سینوں میں جو کچھ ہے' اس سے اللہ تعالیٰ جانتا نہیں ہے۔''

**تفہیم**

ان منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے جو زبانی ایمان کا دعویٰ کر لیتے ہیں لیکن جہاں مخالفین کی طرف سے کوئی دکھ پہنچا کہ یہ اسے اللہ کا عذاب سمجھ کر مرتد ہو جاتے ہیں۔ یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے کیے ہیں جیسے قرآن میں ہے: ﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ﴾ [سورة الحج: ۱۱] یعنی ''بعض لوگ ایک کنارے کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اگر راحت ملی تو مطمئن ہو گئے اور اگر مصیبت پہنچی تو منہ پھیر لیا۔'' یہاں بیان ہو رہا ہے کہ اگر حضور کو کوئی غنیمت ملی کوئی فتح ملی تو اپنا دیندار ہونا ظاہر کرنے لگتے ہیں۔ جیسے قرآن میں ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَ

اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [سورة النسآء: ١٤١] ''وہ تمہیں دیکھتے رہتے ہیں اگر فتح ونصرت ہوئی تو ہانک لگانے لگتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں ہیں؟ اور اگر کافروں کی بن آئی تو ان سے اپنی ساز جتانے لگتے ہیں کہ دیکھو ہم نے تمہارا ساتھ دیا اور تمہیں مومنوں سے بچالیا۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا بہت ممکن ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو بالکل ہی غالب کر دے پھر تو یہ اپنی اس چھپی ہوئی حرکت پر صاف نادم ہو جائیں۔ یہاں فرمایا کہ یہ کیا بات ہے کیا انہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ اللہ عالم الغیب ہے۔ وہ جہاں زبانی بات جانتا ہے وہاں قلبی بات بھی اسے معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ بھلائیاں برائیاں پہنچا کر نیک و بد کو مومن و منافق کو الگ الگ کر دے گا۔ نفس کے پرستار نفع کے خواہاں یکسو ہو جائیں گے اور نفع نقصان میں ایمان کو نہ چھوڑنے والے ظاہر ہو جائیں گے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَاۡ اَخْبَارَكُمْ﴾ [سورة محمد: ٣١] ''ہم تمہیں آزماتے رہا کریں گے یہاں تک کہ تم میں سے مجاہدین کو اور صابرین کو ہم دنیا کے سامنے ظاہر کر دیں اور تمہاری خبریں دیکھ بھال لیں۔'' اُحد کے امتحان کا ذکر کر کے فرمایا کہ اللہ مومنوں کو جس حالت پر وہ تھے رکھنے والا نہ تھا جب کہ خبیث وطیب کی تمیز نہ کریں۔ [1]



## مکڑی کی مثال

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾

[سورة العنكبوت: ٤١]

''جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز مقرر کر رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک گھر بنا لیتی ہے، حالانکہ تمام گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ہی ہے کاش! وہ جان لیتے۔''

---

[1] تفسیر ابن کثیر (١٦٧/٤)

**تفہیم**

یعنی جس طرح مکڑی کا جالا (گھر) نہایت' کمزور اور ناپائیدار ہوتا ہے' ہاتھ کے معمولی اشارے سے وہ نابود ہو جاتا ہے۔ اللہ کے سوا دوسروں کو معبود' حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا بھی بالکل ایسا ہی ہے' یعنی بے فائدہ ہے کیونکہ وہ بھی کسی کے کام نہیں آ سکتے۔ اس لیے غیر اللہ کے سہارے بھی مکڑی کے جالے کی طرح یکسر ناپائیدار ہیں۔



## اللہ کی مثالیں علم والے ہی سمجھتے ہیں

﴿ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ۝ ﴾ [سورة العنكبوت: ٤٣]

''ہم نے ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان فرما رہے ہیں انہیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔''

**تفہیم**

① مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ''مکڑی'' اور ''مکھی'' وغیرہ حقیر چیزوں کی مثالیں بیان کرتا ہے جو اس کی عظمت کے منافی ہیں اس کا جواب دیا' کہ مثالیں اپنے مواقع کے لحاظ سے نہایت موزوں اور ممثل لہ پر پوری منطبق ہیں۔ مگر سمجھدار ہی اس کا مطلب ٹھیک سمجھتے ہیں۔ جاہل بیوقوف کیا جانیں۔ مثال کا انطباق مثال دینے والے کی حیثیت پر نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ جس کی مثال ہے اس کی حیثیت کو دیکھو' اگر وہ حقیر و کمزور ہے تو تمثیل بھی ایسی ہی حقیر و کمزور چیزوں سے ہوگی۔ مثال دینے والے کی عظمت کا اس سے کیا تعلق۔

② حضرت عمرو بن مروۃ فرماتے ہیں کہ کلام اللہ شریف کی جو آیت میری تلاوت میں آئے اور اس کا تفصیلی معنوں کا مطلب میری سمجھ میں نہ آئے تو میرا دل دکھتا ہے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے اور میں ڈرنے لگتا ہوں کہ کہیں اللہ کے نزدیک میری گنتی جاہلوں میں تو نہیں ہوگئی کیونکہ فرمان اللہ یہی ہے کہ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے

سامنے پیش کرر ہے ہیں لیکن سوائے عالموں کے انہیں دوسرے سمجھ نہیں سکتے۔ ①



# اسی کے لیے بہترین مثالیں ہیں

﴿ وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ [سورة الروم: ۲۷]

”وہی ہے جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر سے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے۔ اسی کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے آسمانوں میں اور زمین میں بھی اور وہی غلبے والا حکمت والا ہے۔“

**تفہیم**

① ﴿ مَثَل ﴾ کا لفظ یہاں پر صفت کے معنی ومفہوم میں ہے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات میں تمام اعلیٰ صفات کا اصل حقدار اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے۔ اس میں دوسری کوئی بھی ہستی کسی بھی درجے میں اور کسی بھی اعتبار سے اس کی شریک وسہیم نہیں، اور وہی ہے جو عزیز یعنی سب پر غالب اور زبردست ہے، اس لیے وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے، نہ اس کے لیے کوئی مشکل ہے اور نہ کوئی اس کے ارادے میں حائل اور مزاحم ہوسکتا ہے۔ اور وہ جو بھی کچھ کرتا ہے نہایت حکمت کے ساتھ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ عزیز ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے اس لیے اس کا ہر کام حکمت ہی پر مبنی ہوتا ہے اور جب اس کی ان صفات وشؤون میں کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں تو پھر اس کی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک وسہیم کس طرح ہوسکتا ہے؟ پس اس کا نہ کوئی شریک اور سہیم ہے نہ ہوسکتا ہے بلکہ وہ ہر لحاظ واعتبار سے یکتا اور وحدہ لاشریک ہے اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل اسی کا اور صرف اسی کا حق ہے۔

حضرت محمد بن منکدر فرماتے ہیں کہ: ﴿ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ﴾ سے مراد ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا

① تفسیر ابن کثیر (۱۸۱/٤)

اللہ﴿﴾ ہے۔ ①



② یعنی اتنے کمالات اور عظیم قدرتوں کا مالک ہے' تمام مثالوں سے اعلیٰ اور برتر ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾

❀❀❀

## اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک مثال خود تمہاری ہی بیان فرمائی ہے

﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ [سورة الروم: ٢٨]

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک مثال خود تمہاری ہی بیان فرمائی ہے' جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے کیا اس میں تمہارے غلاموں میں سے بھی کوئی تمہارا شریک ہے؟ کہ تم اور وہ اس میں برابر درجے کے ہوں؟ اور تم ان کا ایسا خطرہ رکھتے ہو جیسا خود اپنوں کا ہم عقل رکھنے والوں کے لیے اسی طرح کھول کھول کر آیتیں بیان کرتے ہیں۔''

**تفہیم**

① مشرکین مکہ اپنے بزرگوں کو شریک اللہ جانتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ بھی مانتے تھے کہ یہ سب اللہ کے غلام اور اس کے ماتحت ہیں۔ چنانچہ وہ حج وعمرے کے موقعہ پر لبیک پکارتے ہوئے کہتے تھے کہ:

"لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَ مَا مَلَكَ"

''ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ کہ وہ خود اور جس چیز کا وہ مالک ہے سب تیری ملکیت میں ہے۔''

یعنی ہمارے شریکوں کا اور ان کی ملکیت کا تو ہی اصلی مالک ہے۔ پس یہاں انہیں ایک ایسی مثال سے سمجھایا جا رہا ہے جو خود یہ اپنے نفس ہی میں پائیں۔ اور بہت

① تفسیر ابن کثیر (٤/٢١١)

اچھی طرح غور وخوض کرسکیں۔ فرماتا ہے کہ کیا تم میں سے کوئی بھی اس امر پر رضا مند ہوگا کہ اس کے کل مال وغیرہ میں اس کے غلام اس کے برابر کے شریک ہوں اور ہر وقت اسے یہ دھڑکا رہتا ہو کہ کہیں وہ تقسیم کر کے میری جائیداد اور ملکیت آدھوں آدھ بانٹ نہ لے جائیں۔ پس جس طرح تم یہ بات اپنے لیے پسند نہیں کرتے اللہ کے لیے بھی نہ چاہو جس طرح غلام آقا کی ہمسری نہیں کرسکتا اسی طرح اللہ کا کوئی بندہ اللہ کا شریک نہیں ہوسکتا۔ یہ عجب ناانصافی ہے کہ اپنے لیے جس بات سے چڑیں اور نفرت کریں اللہ کے لیے وہی بات ثابت کرنے بیٹھ جائیں۔ خود بیٹیوں سے جلتے تھے اتنا سنتے ہی کہ تیرے ہاں لڑکی ہوئی ہے منہ کالے پڑ جاتے تھے اور اللہ کے مقرب فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں کہتے تھے۔ اسی طرح خود اس بات کے کبھی روادار نہیں ہوتے کہ اپنے غلاموں کو اپنا برابر کا شریک وسہیم سمجھیں لیکن اللہ کے غلاموں کو اللہ کا شریک سمجھ رہے ہیں کس قدر انصاف کا خون ہے۔؟



## ہم نے قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان کردی ہے

﴿ وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَ لَىٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰیَةٍ لَّیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ۝ ﴾ [سورة الروم: ۵۸]

”بیشک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سامنے ہر طرح کی مثالیں بیان کر دی ہیں آپ ان کے پاس کوئی بھی نشانی لائیں یہ کافر تو یہی کہیں گے کہ تم (بیہودہ گو) بالکل جھوٹے ہو“

**تفہیم**

جن سے اللہ کی توحید کا اثبات اور رسولوں کی صداقت واضح ہوتی ہے اور اسی طرح شرک کی تردید اور اس کا باطل ہونا نمایاں ہوتا ہے۔ وہ قرآن کریم کی پیش کردہ کوئی دلیل ہو یا ان کی خواہش کے مطابق کوئی معجزہ وغیرہ۔



# مشرک کی مثال

﴿ وَ اِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝ ﴾

[سورة لقمان: ۳۲]

''اور جب سمندر پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ (نہایت خلوص کے ساتھ اعتقاد کر کے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں پھر جب وہ (باری تعالیٰ) انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچاتا ہے تو کچھ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہوں۔''

**تفہیم**

یعنی جب ان کی کشتیاں ایسی طوفانی موجوں میں گھر جاتی ہیں جو بادلوں اور پہاڑوں کی طرح ہوتی ہیں اور موت کا آہنی پنجہ انہیں اپنی گرفت میں لے لینا نظر آتا ہے تو پھر سارے زمینی معبود ان کے ذہنوں سے نکل جاتے ہیں اور صرف ایک آسمانی اللہ کو پکارتے ہیں جو واقع اور حقیقی معبود ہے۔



# مومن اور فاسق کی مثال

﴿ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ ۝ ﴾ [سورة السجدة: ۱۸]

''کیا جو مومن ہو مثل اس کے ہے جو فاسق ہو؟ یہ برابر نہیں ہو سکتے۔''

**تفہیم**

① نیک و بد دونوں ایک دوسرے کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے:

اللہ تعالیٰ کے عدل و کرم کا بیان ان آیتوں میں ہے کہ اس کے نزدیک نیک کار اور بدکار برابر نہیں۔ جیسے فرمان ہے: ﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا

یَحْكُمُوْنَ﴾ [سورة الجاثية: ٢١] یعنی ''کیا ان لوگوں نے جو برائیاں کر رہے ہیں یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں ایمان اور نیک عمل والوں کی مانند کر دیں گے؟ ان کی موت زیست برابر ہے۔ یہ کیسے برے منصوبے بنا رہے ہیں۔'' دوسری جگہ ہے: ﴿ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ﴾ [سورة صٓ: ٢٨] یعنی ''ایماندار نیک عمل لوگوں کو کیا ہم زمین کے فسادیوں کے ہم پلہ کر دیں؟ پرہیزگاروں کو گنہگاروں کے برابر کر دیں؟'' مزید فرمایا: ﴿ لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ [سورة الحشر: ٢٠] دوزخی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے۔ یہاں بھی فرمایا کہ مومن اور فاسق قیامت کے دن ایک مرتبہ کے نہیں ہوں گے۔ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1]

② یعنی اللہ کے ہاں مومن اور کافر برابر نہیں ہیں بلکہ ان کے درمیان بڑا فرق و تفاوت ہوگا مومن اللہ کے مہمان ہوں گے اور اعزاز و اکرام کے مستحق اور فاسق و کافر تعزیر و عقوبت کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے جہنم کی آگ میں جھلسیں گے۔



# تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو

﴿ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ [سورة الأحزاب: ٣٢]

''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو تو نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو۔''

**تفہیم**

① یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کا سا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ نے تمہیں رسول اللہ

---

[1] تفسیر ابن کثیر (٢٥٨/٤)

ﷺ کی زوجیت کا جو شرف عطا فرمایا ہے‘ اس کی وجہ سے تمہیں ایک امتیازی مقام حاصل ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرح تمہیں بھی امت کے لیے ایک نمونہ بننا چاہیے چنانچہ انہیں ان کے مقام و مرتبے سے اگاہ کر کے انہیں کچھ ہدایت دی جا رہی ہے۔

② اللہ تعالیٰ نے جس طرح عورت کے وجود کے اندر مرد کے لیے جنسی کشش رکھی ہے (جس کی حفاظت کے لیے بھی خصوصی ہدایت دی گئی ہے تاکہ عورت مرد کے لیے فتنے کا باعث نہ بنے۔) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی آواز میں بھی فطری طور پر دلکشی‘ نرمی اور نزاکت رکھی ہے جو مرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے‘ بنا بریں اس آواز کے لیے بھی یہ ہدایت دی گئی ہے کہ مردوں سے گفتگو کرتے وقت قصداً ایسا لب و لہجہ اختیار کرو کہ نرمی اور لطافت کی جگہ قدرے سختی اور روکھا پن ہو‘ تاکہ کوئی بدظن لہجے کی نرمی سے تمہاری طرف مائل نہ ہو اور اس کے دل میں برا خیال پیدا نہ ہو۔

③ یعنی روکھا پن‘ صرف لہجے کی حد ہی ہو‘ زبان سے ایسا لفظ نہ نکالنا جو معروف قائدے اور اخلاق کے منافی ہو۔ ﴿ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ ﴾ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ بات اور دیگر ہدایات جو آگے آ رہی ہیں‘ کیونکہ انہیں ہی یہ فکر ہوتی ہے کہ ان کی آخرت برباد نہ ہو جائے۔ جن کے دل خوف الٰہی سے عاری ہیں‘ انہیں ان ہدایات سے کیا تعلق؟ اور وہ کب ان ہدایات کی پرواہ کرتی ہیں؟



# موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح نہ ہو جاؤ

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ۝ ﴾ [سورة الأحزاب: ٦٩]

”اے ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی پس جو بات انہوں نے کہی تھی اللہ نے انہیں اس سے بری فرما دیا اور اللہ کے نزدیک باعزت تھے۔“

**تفہیم**

① صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت ہی شرمیلے اور بڑے لحاظ دار تھے۔[1] یہی مطلب ہے قرآن کی اس آیت کا۔ کتاب التفسیر میں تو امام بخاری اس حدیث کو اتنا ہی مختصر لائے ہیں، لیکن احادیث انبیاء کے بیان میں اسے مطول لائے ہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ وہ بوجہ سخت حیا و شرم کے اپنا بدن کسی کے سامنے ننگا نہیں کرتے تھے۔ بنو اسرائیل آپ کو ایذا دینے کے درپے ہو گئے اور یہ افواہ اڑا دی کہ چونکہ ان کے جسم پر برص کے داغ ہیں یا ان کے بیضے بڑھ گئے ہیں یا کوئی اور آفت ہے اس وجہ سے یہ اس قدر پردے داری کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ یہ بدگمانی آپ سے دور کر دے۔ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں ننگے نہا رہے تھے، ایک پتھر پر آپ نے کپڑے رکھ دیئے تھے، جب غسل سے فارغ ہو کر آئے، کپڑے لینے چاہے تو پتھر آگے کو سرک گیا۔ آپ اپنی لکڑی لیے اس کے پیچھے گئے وہ دوڑنے لگا۔ آپ بھی ''اے پتھر! میرے کپڑے، میرے کپڑے۔'' کرتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑے۔ بنی اسرائیل کی جماعت ایک جگہ بیٹھی ہوئی تھی۔ جب آپ وہاں تک پہنچ گئے تو اللہ کے حکم سے پتھر ٹھہر گیا۔ آپ نے اپنے کپڑے پہن لیے۔ بنو اسرائیل نے آپ کے تمام جسم کو دیکھ لیا اور جو فضول باتیں ان کے کانوں میں پڑی تھیں ان سے اللہ نے اپنے نبی کو بری کر دیا۔ غصے میں حضرت موسیٰ نے تین یا چار یا پانچ لکڑیاں پتھر پر ماری تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں واللہ لکڑیوں کے نشان اس پتھر پر پڑ گئے۔ اسی براءت وغیرہ کا ذکر اس آیت میں ہے۔[2]

② حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پہاڑ پر گئے جہاں حضرت ہارون کا انتقال ہو گیا لوگوں نے حضرت موسیٰ کی طرف بدگمانی کی اور آپ کو ستانا شروع کیا۔ پروردگار عالم نے فرشتوں کو حکم دیا اور وہ اسے اٹھا

---

[1] صحیح البخاری، الأذان، باب الدعا قبل السلام، (٨٣٤، ٦٣٢٦) وصحیح مسلم (٢٧٠٥)

[2] صحیح البخاری، أحادیث الانبیاء، (٣٤٠٤) وجامع الترمذی (٣٢٢١)

لائے اور بنو اسرائیل کی مجلس کے پاس سے گزرے اللہ نے اسے زبان دی اور قدرتی موت کا اظہار کیا۔ ان کی قبر کا صحیح نشان نامعلوم ہے صرف اس ٹیلے کا لوگوں کو علم ہے اور وہی ان کی قبر کی جگہ جانتا ہے لیکن بے زبان ہے۔ تو ہوسکتا ہے کہ ایذا یہی ہو اور ہوسکتا ہے کہ وہ ایذا ہو جس کا بیان پہلے گزرا۔ لیکن میں کہتا ہوں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اور یہ دونوں ہوں بلکہ ان کے سوا اور بھی ایذائیں ہوں۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ لوگوں میں کچھ تقسیم کیا اس پر ایک شخص نے کہا اس تقسیم سے اللہ کی رضامندی کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے جب یہ سنا تو میں نے کہا اے اللہ کے دشمن میں تیری اس بات کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ضرور پہنچاؤں گا۔ چنانچہ میں نے جا کر حضور ﷺ سے خبر کر دی آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا پھر فرمایا اللہ کی رحمت ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وہ اس سے بہت زیادہ ایذا دیئے گئے لیکن صبر کیا۔[1]



## جن سلیمان علیہ السلام کے لیے قلعے اور تماثیل بناتے تھے

﴿ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِن مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ ۚ اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا ۚ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ﴾ [سورۃ سبا: ۱۳]

''جو کچھ سلیمان چاہتے وہ جنات تیار کر دیتے مثلاً قلعے اور اور مجسمے اور حوضوں کے برابر لگن اور چولہوں پر جمی ہوئی مضبوط دیگیں اے داود اس کے شکریہ میں نیک عمل کرو، میرے بندوں میں سے شکرگزار بندے کم ہی ہوتے ہیں۔''

**تفہیم**

① سو اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تسخیر جنات کی حقیقت اور ان سے لیے جانے والے تعمیری تمدنی اور اصلاحی کاموں کی حیثیت اور حقیقت کو واضح فرما دیا گیا۔ یہود

---

[1] صحیح البخاری، المغازی، باب غزوۃ الطائف... (۴۳۳۵) وصحیح مسلم (۱۰۶۲) وابن حبان (۲۹۱۷)

بے بہبودا پنے دورِ زوال میں جب سفلی علوم کے کاروبار میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے ان خرافات کو رواج دینے کے لیے ان کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا اور اسی کے اثرات آج ہمارے یہاں کے مسلم معاشرے میں بھی پائے جاتے ہیں' چنانچہ سلیمانی جادو سلیمانی ٹوپی' سلیمانی انگوٹھی' اور نقش سلیمانی' وغیرہ جیسے الفاظ آج بھی ہمارے معاشرے میں مشہور ہیں حالانکہ حضرت سلیمان علیہ السلام خود ایک عظیم الشان پیغمبر اور ایک عظیم الشان پیغمبر کے بیٹے تھے۔ ان کا اس طرح کے سفلی علوم سے نہ کوئی تعلق تھا' نہ ہو سکتا تھا اولاً تو آپ کو تسخیر جنات کی جس امتیازی شان سے نوازا گیا تھا' وہ سب کی سب قرآن پاک کی تصریح کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی۔ آپ کی طرف سے کس طرح کی چلہ کشی یا جنی عملیات وغیرہ سے اس کا سرے سے کوئی تعلق تھا ہی نہیں بلکہ وہ محض ایک عطاء ربانی اور فیض خداوندی تھا' جس سے آنجناب کو نوازا گیا تھا پھر آپ نے جنوں کو کسی طرح کے جادو ٹونے وغیرہ جیسے کسی سفلی کام میں نہیں لگایا تھا۔ بلکہ ان سے آپ نے بڑے بڑے اصلاحی اور تعمیری کام کرائے تھے۔ جن میں سے کچھ اہم کاموں کا ذکر و بیان یہاں فرمایا گیا ہے' چنانچہ ان میں سب سے پہلے محاریب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس سے مراد ہیں بڑی بڑی عمارتیں' قلعے' اور محل وغیرہ جو اس وقت کے تعمیری آرٹ کا ایک عظیم الشان نمونہ و مظہر تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعمیر کرائی ہوئی ان بڑی بڑی عمارتوں میں سے ہیکل اور ان کے محل کا ذکر تفصیل کے ساتھ کتاب سلاطین میں موجود ہے' سو ان محاریب کے تعمیری آرٹ پر کمال فن کا بڑی عمدگی سے مظاہر کیا گیا تھا۔ اور ان پر نہایت خوبصورت پھولوں اور عمدہ نقش و نگار کو ابھارا گیا تھا۔ دوسری چیز جو اس ضمن میں یہاں ذکر فرمائی گئی' وہ ہے تماثیل جو کہ جمع ہے تمثال کی' اور تمثال عربی زبان میں ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی قدرتی چیز کے مشابہ بنائی جائے' قطع نظر اس سے کہ وہ کسی ذی روح چیز کی ہو' جیسے کوئی انسان اور حیوان وغیرہ' یا کسی غیر ذی روح چیز کی' جیسے کوئی پہاڑ یا درخت' یا دریا وغیرہ' خواہ وہ کسی چیز کی کوئی مصور یا کندہ کی ہوئی صورت اور اس کی شبیہ ہو۔ یا اسی طرح کا کوئی پیکر او

مجسمہ۔ سو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جو تماثیل بنائی جاتی تھیں، ضروری نہیں کہ وہ ذی روح چیزوں ہی کی ہوں، جیسے انسانوں اور حیوانوں کی تصویریں۔ بلکہ یہ غیر ذی روح چیزوں کی تصویریں، اور انہی کے نقش ونگار بھی ہوسکتے ہیں، جن سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی عمارتوں وغیرہ کو آراستہ کیا ہو۔ اور یہی بات قرین قیاس اور لائق اعتبار ہے۔ اور یہی آنجناب کی پیغمبرانہ شان کے لائق ہے، کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام شریعت موسوی کے متبع اور پیروکار تھے۔ اور شریعت موسوی میں انسانی اور حیوانی مجسمے اور تصاویر وغیرہ اسی طرح حرام تھے جس طرح کہ شریعت محمدیہ میں حرام ہیں۔ پس جن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ چیزیں گزشتہ شریعتوں میں حرام نہیں بلکہ جائز تھیں ان کا یہ قول بالکل غلط اور بے خبری پر مبنی ومحمول ہے اور اس طرح کی جن چیزوں کا ذکر حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے کیا گیا، وہ سراسر جھوٹ اور افتراء ہے جو ایسے لوگوں نے ان کے بارے میں گھڑا ہے اور یہ ان لوگوں کی طرف سے گھڑا گیا ہے جن کو حضرت سلیمان سے عداوت ودشمنی اور خدا واسطے کا بیر تھا، والعیاذ باللہ، اور تورات میں حیوانوں اور انسانوں کے مجسمے بنانے کی حرمت کا ذکر کئی جگہ موجود ہے اور پوری صراحت کے ساتھ موجود ومذکور ہے جیسے استثناء باب ۴۔ آیت نمبر ۱۶۔ ۱۸۔ نیز باب ۲۷ آیت نمبر ۱۵، احبار باب ۲۶ آیت نمبر ۱ اور خروج باب ۲۰۔ آیت، ۴ وغیرہ، سو ان تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کہنا لاعلمی اور بے خبری پر مبنی ہے کہ گزشتہ شریعتوں میں تصویر اور مجسمہ سازی جائز تھی، اور یہ بھی غلط ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ تصویریں جانداروں کی بنوائی تھیں، اس کے بعد ﴿ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ ﴾ کے الفاظ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان جود وسخا کو واضح فرمایا گیا ہے، جفان جمع ہے جفنہ کی جس کے معنی تھال، لگن، اور پیالے، وغیرہ کے آتے ہیں اور جواب جمع ہے جابیہ کی جس کے معنی حوض کے آتے ہیں۔ اور قدور جمع ہے قدر کی، جس کے معنی ہانڈی اور دیگ وغیرہ کے آتے ہیں اور راسیات کے معنی ہوتے ہیں گڑھی ہوئی اور ٹھکی ہوئی۔ یہ لفظ اصل میں پہاڑوں کی صفت کے لیے آتا ہے، یہاں پر یہ

ان بھاری بھرکم دیگوں کے لیے استعمال فرمایا گیا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے مہمانوں کے لیے کھانے پکانے کے لیے تیاری کروائی تھیں سو وہ اتنی بھاری بھرکم تھیں کہ ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ آسانی سے منتقل نہیں کیا جا سکتا تھا' وہ خاص خاص چولہوں پر ایک ہی جگہ نصیب رہتی تھیں۔ جن میں بیک وقت منوں کے حساب سے کھانا پکتا تھا۔ سو پہلے ٹکڑے میں تمدن سلیمانی کے آرٹ کے پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے' اور اس دوسرے ٹکڑے میں ان کی شان جود وکرم کو واضح فرمایا گیا۔ سو جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے حوضوں جیسے بڑے بڑے لگن بناتے' اور ایسی بڑی بڑی دیگیں' جو ایک ہی جگہ ٹھکی رہتی تھیں۔ جس سے آنجناب کی مہمان نوازی' خدمت خلق' شان کرم وعطا' اور جذبہ جود وسخا' کا اظہار ہوتا ہے۔

② یعنی ان عظیم الشان انعامات واحسانات کا شکر ادا کرتے رہو' محض زبان سے نہیں بلکہ عمل سے وہ کام کرو جن سے حق تعالیٰ کی شکر گزاری ٹپکتی ہو۔ بات یہ ہے کہ احسان تو خدا کم وبیش سب پر کرتا ہے لیکن پورے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں' جب تھوڑے ہیں تو قدر زیادہ ہوگی۔ لہٰذا کامل شکر گزار بن کر اپنی قدر ومنزلت بڑھاؤ۔ یہ خطاب داؤد کے کنبے اور گھرانے کو ہے' کیونکہ علاوہ مستقل احسانات کے داؤد پر احسان من وجہ سب پر احسان۔ کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام نے تمام گھر والوں پر اوقات تقسیم کر دیئے تھے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت ایسا نہ تھا جب ان کے گھر میں کوئی نہ کوئی شخص عبادت الٰہی میں مشغول نہ رہتا ہو۔



## آپ کو اللہ کی مثل کوئی بھی خبر نہیں دے گا

﴿ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَ لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ۝ ﴾ [سورة الفاطر: ١٤]

''اگر تم انہیں پکارو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریاد رسی نہیں کریں گے (بلکہ قیامت کے دن تمہارے شریک اس

شرک کا صاف انکار کر جائیں گے آپ کو کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبر دار خبریں نہ دے گا۔‘‘

**تفہیم**

① یعنی اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں ہیں‘ کیونکہ جمادات ہیں پتھر کی مورتیاں۔ یعنی اگر بالفرض وہ سن بھی لیں تو بے فائدہ‘ اس لیے کہ تمہاری التجاؤں کے مطابق تمہارا کام نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ اس جیسا کامل علم کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ وہی تمام امور کی حقیقت سے پوری طرح باخبر ہے جس میں ان کے پکارے جانے والوں کی بے اختیاری‘ پکار کو نہ سننا اور قیامت کے دن اس کا انکار کرنا بھی شامل ہے۔



## بستی والوں کی مثال

﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ مَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝ ﴾ [سورة يٰسين: ١٣-١٥]

’’اور آپ ان کے سامنے ایک مثال (یعنی ایک) بستی والوں کی مثال (اس وقت کا) بیان کیجیے جبکہ اس بستی میں (کئی) رسول آئے‘ جب ہم نے ان کے پاس دو کو بھیجا سو ان لوگوں نے (اول) دونوں کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے سے تائید کی سو ان تینوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں‘ ان لوگوں نے کہا تم تو ہماری طرح معمولی آدمی ہو اور رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تم نرا جھوٹ بولتے ہو۔‘‘

**تفہیم**

① تاکہ اہل مکہ یہ سمجھ لیں کہ آپ کوئی انوکھے رسول نہیں ہیں‘ بلکہ رسالت ونبوت کا

یہ سلسلہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔

② یہ تین رسول کون تھے؟ مفسرین نے ان کے مختلف بیان کیے ہیں' لیکن نام مستند ذریعے سے ثابت نہیں ہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے تھے' جو انہوں نے اللہ کے حکم سے ایک بستی میں تبلیغ و دعوت کے لیے بھیجے تھے۔ بستی کا نام انطاکیہ تھا۔



# چاند ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے

﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ○ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ○ ﴾ [سورة يٰسين: ٣٨-٤٠]

''اور سورج کے لیے جو مقررہ راہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے یہ ہے مقرر کردہ غالب' باعلم اللہ تعالیٰ کا۔ اور چاند کی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے' نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں۔''

**تفہیم**

① چاند کی ۲۸ منزلیں ہیں' روزانہ ایک منزل طے کرتا ہے' پھر غائب رہ کر تیسری رات کو نکل آتا ہے۔

② یعنی جب آخری منزل پر پہنچتا ہے تو بالکل باریک اور چھوٹا ہو جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی ہو' جو سوکھ کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ چاند کی انہی گردشوں سے اپنے دنوں مہینوں اور سالوں کا حساب اور اپنے اوقات عبادات کا تعین کرتے ہیں۔

③ یعنی سورج کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے جس سے اس کی روشنی ختم

ہو جائے بلکہ دونوں کا اپنا اپنا راستہ اور الگ الگ حد ہے۔ سورج دن ہی کو اور چاند رات ہی کو طلوع ہوتا ہے اس کے برعکس کبھی نہیں ہوا' جو ایک مدبر کائنات کے وجود پر ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

④ ﴿ كُلٌّ ﴾ سے سورج' چاند یا اس کے ساتھ دوسرے کواکب مراد ہیں' سب اپنے اپنے مدار پر گھومتے ہیں' ان کا باہمی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔



# مردہ کو زندہ کرنے کی مثال

﴿ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ○ ﴾ [سورة يٰسين: ۷۸-۷۹]

''اور اس نے ہمارے لیے مثال بیان کی اور اپنی (اصل) پیدائش کو بھول گیا' کہنے لگا ان کی گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ آپ جواب دیجیے! کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے اول مرتبہ پیدا کیا ہے جو سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے۔''

**تفہیم**

① یعنی جو اللہ تعالیٰ انسان کو ایک حقیر نطفے سے پیدا کرتا ہے' وہ دوبارہ اس کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔



# قادر مطلق صرف اللہ ہے

﴿ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ○ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ ﴾

[سورة يٰسين: ۸۱-۸۲]

جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ ہم جیسوں کے پیدا کرنے پر

قادر نہیں' بیشک قادر ہے۔ اور وہی پیدا کرنے والا دانا (بینا) ہے۔ وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے اتنا فرما دینا (کافی ہے) کہ ہو جا' تو وہ اسی وقت ہو جاتی ہے"

**تفہیم**

یعنی انسانوں جیسے۔ مطلب' انسانوں کا دوبارہ پیدا کرنا جس طرح انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا' آسمان وزمین کی پیدائش سے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ﴾ [سورة الأحقاف: ٣٣]

"آسمان وزمین کی پیدائش (لوگوں کے نزدیک) انسانوں کی پیدائش سے زیادہ مشکل کام ہے۔"



## حوریں پوشیدہ انڈوں کی مانند

﴿ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۝ ﴾ [سورة الصافات: ٤٨-٤٩]

"اور ان کے پاس نیچی نظروں' بڑی بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی' ایسی جیسے چھپائے ہوئے انڈے۔"

**تفہیم**

یہاں اہل جنت کی ایک اور خاص نعمت کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ اور وہ ہے "حُورانِ جنت کی نعمت" جس سے ان خوش نصیبوں کو وہاں پر بطور خاص نوازا جائے گا۔ کیونکہ اللہ نے انسان کی فطرت کو ایسا بنایا ہے کہ عورت کے بغیر اس کی کوئی بھی لذت وخوشی مکمل نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے یہاں پر اہل جنت کی خاص نعمتوں کے ذکر کے بعد ان حوروں اور ان کی بعض خاص اور امتیازی صفات کو بیان فرمایا گیا ہے جن سے ان کو وہاں پر نوازا جائے گا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے پاس وہاں پر نگاہیں بچائے رکھنے والی۔ بڑی خوبصورت آنکھوں

والی ایسی عظیم الشان عورتیں ہوں گی جو گویا کہ انڈے ہوں پردوں میں چھپا کر رکھے گئے سو وہ شرم وحیا اور عفت و پاکدامنی کے ایسے عظیم الشان اور بے مثال پیکر ہوں گی کہ ان کی نگاہیں اپنے شوہروں کے سوا اور کسی پر پڑنے ہی نہیں پائیں گی۔ قاصرات الطرف سے اس کا صرف ظاہری اور لغوی مفہوم ہی مراد نہیں' بلکہ اس سے دراصل ان کی عفت و پاکدامنی' شرم وحیا' اور ان کی غیرت و وفاشعاری' جیسی سب عمدہ اور امتیازی صفات و خصال کی عکاسی فرما دی گئی' اسی لیے ہم نے اس کا ترجمہ نگاہیں بچائے رکھنے والی کے الفاظ سے کیا۔ تاکہ اس کے اصل مفہوم کا بقدر امکان اظہار ہو سکے۔ اور عورت کا اصل حسن اس کی عفت و پاکدامنی اور اس کے شرم وحیا اور ان کی غیرت و وفا شعاری جیسی عمدہ صفات ہی سے ہے' اس لیے ہر لفظ کے استعمال سے دراصل ایسی سب ہی عمدہ اور امتیازی صفات و خصال کی عکاسی فرما دی گئی ہے' پھر ان کی دوسری خاص صفت جو یہاں پر بیان فرمائی گئی ہے وہ ہے عِیْنٌ جو کہ جمع ہے عَیْنَاء کی جس کے معنی موٹی اور خوبصورت آنکھ والی کے آتے ہیں جس کو آہو چشم بھی کہا جاتا ہے۔ اور تیسری صفت ان کی یہ بیان فرمائی گئی کہ وہ ایسی ہوں گی کہ گویا کہ انڈے ہیں جن کو چھپا کر رکھا گیا ہو پردوں میں۔ پس وہ اپنی عفت' صیانت اور رنگت تینوں میں بے مثال ہوں گی' سو وہ حسن ظاہر و باطن دونوں کے اعتبار سے بے مثال ہوں گی۔ اور جس طرح جنت کی ہر نعمت عظیم الشان اور بے مثال ہوگی' اسی طرح اہل جنت کی رفاقت و زوجیت کے لیے پیدا کی جانے والی حورانِ جنت کی یہ نعمت بھی عظیم الشان اور بے مثال ہوگی۔



## ایسے ہی عمل کرو

﴿ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ○ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ○ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ○ ﴾ [سورة الصافات: ٦١-٦٣]

''ایسی (کامیابی) کے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے' کیا یہ مہمانی اچھی ہے یا (زقوم) کا درخت' جسے ہم نے ظالموں کے لیے سخت آزمائش

بنا رکھا ہے۔''

**تفہیم**

① یعنی اس جیسی نعمت اور اس جیسے فضل عظیم ہی کے لیے محنت کرنے والوں کو محنت کرنی چاہیے' اس لیے کہ یہی سب نفع بخش تجارت ہے۔ نہ کہ دنیا کے لیے جو عارضی ہے' اور خسارے کا سودا ہے۔

② زَقُّوْمٌ ' تَزَقُّمْ سے نکلا ہے' جس کے معنی بدبودار اور کریہ چیز کے نکلنے کے ہیں۔ اس درخت کا پھل بھی کھانا اہل جہنم کے کے لیے سخت ناگوار ہوگا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب جہنمی بھوک کی شکایت کریں گے تو زقوم کھلایا جائے گا جس سے ان کے چہرے کی کھالیں بالکل الگ ہو کر گر پڑیں گی۔ اس طرح انہیں پہچاننے والا اس میں ان کے منہ کی پوری کھال دیکھ کر پہچان سکتا ہے کہ یہ فلاں ہے۔ پھر پیاس کی شدت سے بیتاب ہو کر وہ ہائے وائے پکاریں گے تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے جیسا گرم پانی دیا جائے گا جو چہرے کے سامنے آتے ہی چہرے کے گوشت کو جھلس دے گا اور تمام گوشت گر پڑے گا اور پیٹ میں جا کر آنتوں کو کاٹ دے گا۔ اوپر سے لوہے کے ہتھوڑے مارے جائیں گے اور ایک ایک عضو بدن الگ الگ جھڑ جائے گا' بری طرح چیختے پیٹتے ہوں گے۔ فیصلہ ہوتے ہی ان کا ٹھکانا جہنم ہو جائے گا جہاں طرح طرح کے عذاب ہوتے رہیں گے۔ جیسے اور سورۂ الرحمٰن میں ہے:

﴿يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ۝﴾ [سورة الرحمن: ٤٤]

''جہنم اور آگ جیسے گرم پانی کے درمیان چکر کھاتے رہیں گے۔''[1]

③ آزمائش' اس لیے کہ اس کا پھل کھانا بجائے خود ایک بہت بڑی آزمائش ہے۔ بعض نے اسے اس اعتبار سے آزمائش کہا کہ اس کے وجود کا انہوں نے انکار کیا کہ جہنم میں جب ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی تو وہاں درخت کس طرح موجود رہ سکتا ہے؟ یہاں ظالمین سے مراد اہل جہنم ہیں جن پر جہنم واجب ہوگی۔

---

① تفسیر ابن کثیر (٢٣/٤)

## کیا نیک اور بد برابر ہیں..؟

﴿ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝ ﴾ [سورة صٓ: ۲۸]

''کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے برابر کر دیں گے جو (ہمیشہ) زمین میں فساد مچاتے رہے یا پرہیز گاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟''

**تفہیم**

ہمارے عدل وحکمت کا اقتضاء یہ نہیں کہ نیک ایماندار بندوں کو شریروں اور مفسدوں کے برابر کر دیں یا ڈرنے والوں کے ساتھ بھی وہ ہی معاملہ کرنے لگیں جو ڈھیٹ اور نڈر لوگوں کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اسی لیے ضرور ہوا کہ کوئی وقت حساب وکتاب اور جزاء سزا کا رکھا جائے۔ لیکن دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے نیک اور ایماندار آدمی قسم قسم کی مصائب وآفات میں مبتلا رہتے ہیں اور کتنے ہی بدمعاش بے حیا مزے چین اڑاتے ہیں۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ موت کے بعد دوسری زندگی کی جو خبر مخبر صادق نے دی ہے عین مقتضائے حکمت ہے۔ وہاں ہی ہر نیک وبد کو اس کے برے بھلے کام کا بدلہ ملے گا۔ پھر ''یوم الحساب'' کی خبر کا انکار کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔



## ہم نے ایوب علیہ السلام کو سابقہ کنبہ اور اس کی مثل بھی دیا

﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ ﴾

[سورة صٓ: ۴۳]

''اور ہم نے اسے اس کا پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اتنا ہی اور بھی اس کے ساتھ اپنی (خاص) رحمت سے اور عقلمندوں کی نصیحت کے لیے۔''

**تفہیم**

بعض کہتے ہیں کہ پہلا کنبہ جو بطور آزمائش ہلاک کر دیا گیا تھا' اسے زندہ کر دیا گیا اور اس کی مثل اور مزید کنبہ عطا کر دیا گیا۔ لیکن یہ بات کسی مستند ذریعے سے ثابت نہیں ہے' زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ نے پہلے سے زیادہ مال واولاد سے انہیں نواز دیا جو پہلے سے دگنا تھا۔ یعنی ایوب علیہ السلام کو سب کچھ دوبارہ عطا کیا' تو اپنی رحمت خاص کے اظہار کے علاوہ اس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اہل دانش اس سے نصیحت حاصل کریں اور وہ بھی ابتلا وشدائد پر اسی طرح صبر کریں جس طرح ایوب علیہ السلام نے کیا۔



## قرآن میں ہر قسم کی مثالیں ہیں

﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾

[سورة الزمر: ٢٧]

''اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کرلیں۔''

**تفہیم**

یعنی لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں باتیں بیٹھ جائیں اور وہ نصیحت حاصل کریں۔



## غلام کی مثال

﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [سورة الزمر: ٢٩]

''اللہ تعالیٰ مثال بیان فرما رہا ہے کہ ایک وہ شخص جس میں بہت سے باہم ضد رکھنے والے ساجھی ہیں' اور دوسرا وہ شخص جو صرف ایک ہی کا (غلام) ہے' کیا

یہ دونوں صفت میں یکساں ہیں' اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سب تعریف ہے' بات یہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔''

**تفہیم**

① اس میں مشرک (اللہ کا شریک ٹھہرانے والے) اور مخلص (صرف ایک اللہ کے لیے عبادت کرنے والے) کی مثال بیان کی گئی ہے یعنی ایک غلام ہے جو کئی شخصوں کے درمیان مشترکہ ہے' چنانچہ وہ آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں اور ایک غلام ہے جس کا مالک صرف ایک ہی شخص ہے' اس کی ملکیت میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ کیا یہ دونوں غلام برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں یقیناً نہیں۔ اسی طرح وہ مشرک جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی بھی عبادت کرتا ہے اور وہ مخلص مومن' جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا برابر نہیں ہو سکتے۔ اس بات پر کہ اس نے حجت قائم کر دی۔ اسی لیے اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

② یعنی سب خوبی اللہ کے لیے ہے کہ کیسے اعلیٰ مطالب وحقائق کو کیسی صاف اور دلنشین امثال وشواہد سے سمجھا دیتے ہیں۔ مگر اس پر بھی بہت بدنصیب ایسے ہیں جو ان واضح مثالوں کے سمجھنے کی توفیق نہیں پاتے۔



## ظالموں کو زمین اور اس کی مثل بھی نہیں بچا سکتی

﴿ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝ ﴾

[سورة الزمر: ٤٧]

''اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو روئے زمین پر ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو' تو بھی بدترین سزا کے بدلے میں قیامت کے دن یہ سب کچھ دے دیں' اور ان کے سامنے اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہوگا جس کا

گمان بھی انہیں نہ ہوگا۔"

**تفہیم**

لیکن پھر بھی وہ قبول نہیں ہوگا جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے: ﴿ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ﴾ [آل عمران: ۹] "وہ زمین بھر سونا بھی بدلے میں دے دیں' تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔"

## اے میری قوم تم پر بھی پہلی قوموں کی مثل عذاب آئے گا

﴿ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴾

[سورة المؤمن: ۳۰]

"اس مومن نے کہا اے میری قوم! (کے لوگو) مجھے تو اندیشہ ہے کہ تم پر بھی ویسا ہی روز (بدعذاب) نہ آئے جو اور امتوں پر آیا۔"

**تفہیم**

اس مومن کی نصیحت کا آخری حصہ بیان ہو رہا ہے کہ اس نے فرمایا دیکھو اگر تم نے اللہ کے رسول کی نہ مانی اور اپنی سرکشی پر اڑے رہے تو مجھے ڈر یہ ہے کہ کہیں سابقہ قوموں کی طرح تم پر بھی عذاب اللہ کا برس نہ پڑے۔ قوم نوح اور قوم عاد ثمود کو دیکھ لو کہ پیغمبروں کی نہ ماننے کے وبال میں ان پر کیسے عذاب آئے؟ اور کوئی نہ تھا جو انہیں ٹالتا یا روکتا۔ اس میں اللہ کا کچھ ظلم نہ تھا اس کی ذات بندوں پر ظلم کرنے سے پاک ہے ان کے اپنے کرتوت تھے جو ان کے لیے وبال جان بن گئے' مجھے تم پر قیامت کے دن کے عذاب کا بھی ڈر ہے۔ جو ہانک پکار کا دن ہے۔ مزید تفصیل آگلی آیات میں ذکر ہے۔[1]



## نوح علیہ السلام کی قوم کی مثل

﴿ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴾ [سورة المؤمن: ۳۱]

[1] تفسیر ابن کثیر (٥٦١/٤)

"جیسے امت نوح اور عاد وثمود اور ان کے بعد والوں کا (حال ہوا) اللہ اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا۔"

یہ اس مومن آدمی نے دوبارہ اپنی قوم کو ڈرایا کہ اگر اللہ کے رسول کی تکذیب (جھٹلایا) پر ہم اڑے رہے تو خطرہ ہے کہ گزشتہ قوموں کی طرح عذاب الٰہی کی گرفت میں آجائیں گے۔

**تفہیم**

یعنی اگر تم اسی طرح تکذیب وعداوت پر جمے رہے تو سخت اندیشہ ہے کہ تم کو بھی کہیں وہ ہی دن دیکھنا نہ پڑے جو پہلی قومیں اپنے انبیاء کا مقابلہ کر کے دیکھ چکی ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ہاں بے انصافی نہیں۔ اگر ایسے سخت جرائم پر تم کو یا دوسری قوموں کو اس نے تباہ کیا تو وہ عین عدل وانصاف کے تقاضا سے ہوگا۔ کون سی حکومت ہے جو اپنے سفراء کو قتل اور رسوا ہوتے دیکھتی رہے۔ اور قاتلین ومعاندین سے انتقام نہ لے۔



## اسے اسی کی مثل بدلہ دیا جائے گا

﴿ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ﴾ [سورة المؤمن: ٤٠]

"جس نے گناہ کیا ہے پس اسے اسی کی مثل بدلہ دیا جائے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایماندار ہو تو یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور وہاں بے شمار روزی پائیں گے۔"

**تفہیم**

① یعنی بغیر اندازے اور حساب کے نعمتیں ملیں گی اور ان کے ختم ہونے کا بھی اندیشہ نہیں ہوگا۔

② یہ اخروی زندگی کی تھوڑی سی تفصیل بتلا دی کہ وہ کس طرح درست ہو سکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ وہاں ایمان اور عمل صالح درکار ہیں۔ مال ومتاع کو کوئی نہیں پوچھتا اور یہ بھی

ظاہر ہوا کہ اللہ کی رحمت غضب پر غالب ہے۔ عقلمند کو چاہیے کہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دے۔



## میں تم ہی جیسا انسان ہوں

﴿ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْۤا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴾ [سورة حم السجدة: ٦]

''آپ کہہ دیجیے! کہ میں تم ہی جیسا انسان ہوں مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے سو تم اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے گناہوں کی معافی چاہو اور ان مشرکوں کے لیے (بڑی ہی) خرابی ہے۔''

**تفہیم**

اللہ کا حکم ہو رہا ہے کہ ان جھٹلانے والے مشرکوں کے سامنے اعلان کر دیجیے کہ میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ مجھے بذریعہ وحی الٰہی کے حکم دیا گیا ہے کہ تم سب کا معبود ایک اکیلا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم جو متفرق اور کئی ایک معبود بنائے بیٹھے ہو یہ طریقہ سراسر گمراہی والا ہے۔ تم ساری عبادتیں اسی ایک اللہ کے لیے بجا لاؤ۔ اور ٹھیک اسی طرح جس طرح تمہیں اس کے رسول سے معلوم ہو۔ اور اپنے اگلے گناہوں سے توبہ کرو۔ ان کی معافی طلب کرو۔ یقین مانو کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ہلاک ہونے والے ہیں۔ [1]



## میں تمہیں مثل عادیوں اور ثمودیوں کے عذاب سے ڈراتا ہوں

﴿ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴾

[سورة حم السجدة: ١٣]

''اب یہ روح گردان ہوں تو کہہ دیجیے! کہ میں تمہیں اس کڑک (عذاب آسمانی) سے اتارتا ہوں جو مثل عادیوں اور ثمودیوں کی کڑک کے ہوگی۔''

---

[1] تفسیر ابن کثیر (٥٨٤/٤)

**تفہیم**

حکم ہوتا ہے کہ جو آپ کو جھٹلا رہے ہیں اور اللہ کے ساتھ کفر کر رہے ہیں آپ ان سے فرما دیجیے کہ میری تعلیم سے روگردانی تمہیں کسی نیک نتیجے پر نہیں پہنچائے گی۔ یاد رکھو کہ جس طرح انبیاء کی مخالف امتیں تم سے پہلے زیروزبر کر دی گئیں کہیں تمہاری شامت اعمال بھی تمہیں انہی میں سے نہ کر دے۔ قوم عاد اور قوم ثمود کے اور ان جیسے اوروں کے حالات تمہارے سامنے ہیں۔ ان کے پاس پے در پے رسول آئے اِس گاؤں میں اُس گاؤں میں اِس بستی میں اُس بستی میں اللہ کے پیغمبر اللہ کی منادی کرتے پھرتے لیکن ان کی آنکھوں پر وہ چربی چڑھی ہوئی تھی اور دماغ میں وہ گند ٹھسا ہوا تھا کہ کوئی ایک بھی نہ مانا۔ اپنے سامنے اللہ والوں کی بہتری اور دشمنان رسول ﷺ کی بدحالی دیکھتے تھے لیکن پھر بھی تکذیب سے باز نہ آئے۔ حجت بازی اور کج بحثی سے نہ ہٹے اور کہنے لگے اگر اللہ کو رسول بھیجنا ہوتا تو کسی اپنے فرشتے کو بھیجتا تم انسان ہو کر رسول کریم بن بیٹھے؟ ہم تو اسے ہرگز باور نہ کریں گے؟

قوم عاد نے زمین میں فساد پھیلا دیا ان کی سرکشی ان کا غرور حد کو پہنچ گیا۔ ان کی لاابالیاں اور بے پرواہیاں یہاں تک پہنچ گئیں کہ پکار اٹھے ہم سے زیادہ زور آور کوئی نہیں۔ ہم طاقتور مضبوط اور ٹھوس ہیں اللہ کے عذاب ہمارا کیا بگاڑ لیں گے؟ اس قدر بھولے کہ اللہ کو بھول گئے۔ یہ بھی خیال نہ رہا کہ ہمارا پیدا کرنے والا تو اتنا قوی ہے کہ اس کی زور آوری کا اندازہ بھی ہم نہیں کر سکتے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴾ [الذاریات: ۴۷] ''ہم نے اپنے ہاتھوں آسمان کو پیدا کیا اور ہم بہت ہی طاقتور اور زور آور ہیں۔'' پس ان کے اس تکبر پر اور اللہ کے رسولوں کے جھٹلانے پر اور اللہ کی نافرمانی کرنے اور رب کی آیتوں کے انکار پر ان پر عذاب الٰہی آ پڑا۔ تیز و تند' سرد' دہشت ناک' سرسراتی ہوئی سخت آندھی آئی۔ تا کہ ان کا غرور ٹوٹ جائے اور ہوا سے وہ تباہ کر دیئے جائیں۔



# نیکی اور بدی برابر نہیں

﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ ﴾ [سورة حم السجدة: ٣٤]

''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔''

**تفہیم**

ان آیات میں ایک سچے داعی الی اللہ کو جس حسن اخلاق کی ضرورت ہے' اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ یعنی خوب سمجھ لو' نیکی بدی کے اور بدی نیکی کے برابر نہیں ہو سکتی۔ دونوں کی تاثیر جداگانہ ہے۔ بلکہ ایک نیکی دوسری نیکی سے اور ایک بدی دوسری بدی سے اثر میں بڑھ کر ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مومن قانت اور خصوصاً داعی الی اللہ کا مسلک یہ ہونا چاہیے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ جہاں تک گنجائش ہو برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئے۔ اگر کوئی اسے سخت بات کہے یا برا معاملہ کرے تو اس کے مقابل وہ طرز اختیار کرنا چاہیے جو اس سے بہتر ہو۔ مثلاً غصہ کے جواب میں بردباری' گالی کے جواب میں تہذیب وشائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی اور مہربانی سے پیش آئے۔ اس طرز عمل کے نتیجہ میں تم دیکھ لو گے کہ سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا۔ اور گو دل سے دوست نہ بنے تاہم ایک وقت آئے گا جب وہ ظاہر میں ایک گہرے اور گرمجوش دوست کی طرح تم سے برتاؤ کرنے لگے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ کچھ دنوں بعد سچے دل سے دوست بن جائے اور دشمنی و عداوت کے خیالات یکسر قلب سے نکل جائیں۔ کما قال: ﴿ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً ﴾ [سورة الممتحنة: ٧] ہاں کسی شخص کی طبیعت کی افتاد ہی سانپ بچھو کی طرح ہو کہ کوئی نرم خوئی اور خوش اخلاقی اس پر اثر نہ کرے وہ دوسری بات ہے مگر ایسے افراد بہت کم ہوتے ہیں۔ بہر حال دعوت الی اللہ کے منصب پر فائز ہونے والوں کو بہت زیادہ صبر واستقلال اور حسن خلق کی ضرورت ہے۔



# اس جیسی کوئی چیز نہیں

﴿ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَّذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝﴾

[سورة الشوریٰ: ۱۱]

''وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس کے جوڑے بنا دیئے ہیں اور چوپایوں کے جوڑے بنائے ہیں تمہیں وہ اس میں پھیلا رہا ہے اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔''

**تفہیم**

① یعنی یہ اس کا احسان ہے کہ تمہاری جنس سے ہی اس نے تمہارے جوڑے بنائے ورنہ اگر تمہاری بیویاں انسانوں کی بجائے کسی اور مخلوق سے بنائی جاتیں تو تمہیں یہ سکون حاصل نہ ہوتا جو اپنی ہم جنس اور ہم شکل بیوی سے ملتا ہے۔

② یعنی نہ ذات میں اس کا کوئی مماثل ہے نہ صفات میں' نہ اس کے احکام اور فیصلوں کی طرح کسی کا حکم اور فیصلہ ہے نہ اس کے دین کی طرح کوئی دین ہے' نہ اس کا کوئی جوڑا ہے نہ ہمسر نہ ہم جنس' بیشک ہر چیز کو دیکھتا سنتا ہے' مگر اس کا دیکھنا بھی مخلوق کی طرح نہیں۔ کمالات اس کی ذات میں سب ہیں' پر کوئی کمال ایسا نہیں جس کی کیفیت بیان کی جا سکے۔ کیونکہ اس کی نظیر کہیں موجود نہیں۔ وہ مخلوق کی مشابہت و مماثلت سے بالکلیہ پاک اور مقدس و منزہ ہے۔ پھر اس کی صفات کی کیفیت کس طرح سمجھ میں آئے۔ پس وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے' واحد اور بے نیاز۔



# جیسا آپ کو حکم ملا ہے

﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَّاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝﴾

[سورة الشوریٰ: ۱۵]

''پس آپ لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہیں اور جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے اس پر مضبوطی سے جم جائیں' اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیں اور کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہوں ہمارا اور تم سب کا پروردگار اللہ ہی ہے ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں ہم تم میں کوئی کٹ حجتی نہیں اللہ تعالیٰ ہم (سب) کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔''

**تفہیم**

① اس آیت میں ایک لطیف نکتہ ہے جو قرآن کریم کی صرف ایک اور آیت میں پایا جاتا ہے باقی کسی اور آیت میں نہیں وہ یہ کہ اس میں دس کلمے ہیں جو سب مستقل ہیں الگ الگ ایک ایک کلمہ اپنی ذات میں ایک مستقل حکم ہے یہی بات دوسری آیت یعنی آیت الکرسی میں بھی ہے۔

② پہلا حکم تو یہ ہوتا ہے کہ جو وحی تجھ پر نازل کی گئی ہے اور وہی وحی تجھ سے پہلے کے تمام انبیاء پر آتی رہی ہے اور جو شرع تیرے لیے مقرر کی گئی ہے اور وہی تجھ سے پہلے تمام انبیاء کرام کے لیے بھی مقرر کی گئی تھی تو تمام لوگوں کو اس کی دعوت دے ہر ایک کو اسی کی طرف بلا اور اسی کے منوانے اور پھیلانے کی کوشش میں لگا رہ۔

③ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و وحدانیت پر تو آپ استقامت کر اور اپنے ماننے والوں سے استقامت کروا۔

④ مشرکین نے جو کچھ اختلاف کر رکھے ہیں جو تکذیب و افتراء ان کا شیوہ ہے جو عبادت غیر اللہ ان کی عادت ہے خبردار تو ہرگز ہرگز ان کی خواہش اور ان کی چاہتوں میں نہ آ جانا۔ ان کی ایک بھی نہ ماننا۔

⑤ اور علی الاعلان اپنے اس عقیدے کی تبلیغ کر کے اللہ کی نازل کردہ تمام کتابوں پر میرا ایمان ہے میرا یہ کام نہیں کہ ایک کو مانوں اور دوسری سے انکار کروں' ایک کو لے لوں اور دوسری کو چھوڑ دوں۔

⑥ میں تم میں بھی وہی احکام جاری کرنا چاہتا ہوں جو اللہ کی طرف سے میرے پاس پہنچائے گئے ہیں اور جو سراسر عدل اور یکسر انصاف پر مبنی ہیں۔

⑦ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے ہمارا تمہارا معبود برحق وہی ہے اور وہی سب کا پالنہار ہے گو کوئی اپنی خوشی سے اس کے سامنے نہ جھکے لیکن دراصل ہر شخص بلکہ ہر چیز اس کے آگے جھکی ہوئی ہے اور سجدے میں پڑی ہوئی ہے۔

⑧ ہمارے عمل ہمارے ساتھ۔ تمہاری کرنی تمہیں بھرنی۔ ہم تم میں کوئی تعلق نہیں جیسے اور آیت میں ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لیے میرے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ تم میرے اعمال سے بری اور میں تمہارے اعمال سے بیزار۔'' [یونس:۴۱]

⑨ ہم تم میں کوئی خصومت اور جھگڑا نہیں۔ کسی بحث مباحثے کی ضرورت نہیں۔ حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حکم تو مکہ میں تھا لیکن مدینے میں جہاد کے احکام اترے۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور جہاد کی آیتیں ہجرت کے بعد کی ہیں۔

⑩ قیامت کے دن اللہ ہم سب کو جمع کرے گا جیسے قرآن میں ہے: ﴿ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَ هُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴾ [سورة السبا: ٢٦] یعنی ''تو کہہ دے کہ ہمیں ہمارا رب جمع کرے گا پھر ہم میں حق کے ساتھ فیصلے کرے گا اور وہی فیصلے کرنے والا اور علم والا ہے۔''

⑪ پھر فرماتا ہے ''لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے۔''[1]



## پہلوں کی مثال گزر چکی ہے

﴿فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ۝﴾ [سورة الزخرف: ٨]

''پس ہم نے ان سے زیادہ زور آوروں کو تباہ کر ڈالا اور اگلوں کی مثال گزر چکی ہے۔''

---

[1] تفسیر ابن کثیر (٢٤/٥)

**تفہیم**

① بیان کردہ مضمون جو اس آیت مبارکہ سے پہلے بھی بیان ہو رہا تھا جس میں ایک طرف تو پیغمبر علیہ السلام کے لیے تسلی و تسکین کا سامان ہے۔ اور دوسری طرف اس میں منکرین و مکذبین کے لیے تنبیہ و تذکیر بھی' سو پیغمبر علیہ السلام کی تسکین و تسلی کے لیے ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے اس سے پہلے کے لوگوں میں کتنے ہی پیغمبر بھیجے' مگر ان لوگوں کا طریقہ اور وطیرہ اپنے پیغمبروں کے ساتھ ہمیشہ یہی رہا کہ جب بھی ان کے پاس کوئی پیغمبر آیا تو انہوں نے اس کا مذاق ہی اڑایا۔ سو آج آپ کے ساتھ اے پیغمبر! منکرین و مکذبین انکار و تکذیب اور استہزاء و مذاق کا جو معاملہ کر رہے ہیں یہ کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں' بلکہ آپ سے پہلے بھی ایسے ہی ہوتا آیا ہے' جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ [حٰم السجدة: ٤٣] یعنی ''آپ کو بھی وہی کچھ کہا جا رہا ہے جو آپ سے پہلے کے رسولوں کو کہا گیا۔'' سو اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ بھی اسی طرح صبر سے کام لیں جس طرح کہ آپ سے پہلے کے ان اولوالعزم رسولوں نے صبر سے کام لیا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: ﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۝ ﴾ [الاحقاف: ٣٥] یعنی ''آپ بھی اسی طرح صبر و برداشت ہی سے کام لیں جس طرح کہ آپ سے پہلے کے رسولوں نے بھی اس سے کام لیا۔ اور (ان منکروں کے بارے میں) کہیں جلد بازی سے کام نہ لیں۔'' دوسری طرف اس میں منکرین و مکذبین کے لیے تنبیہ و تذکیر ہے کہ حضرات انبیاء و رسل علیہم السلام کی تکذیب و انکار اور استہزاء و مذاق کا نتیجہ و انجام بہر حال ہلاکت و تباہی ہے' چنانچہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جن لوگوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی اور ان کا مذاق اڑایا آخر کار ان کو ایسا تباہ و برباد کر دیا گیا کہ وہ قصہ پارینہ بن کر رہ گئیں۔ حالانکہ وہ موجودہ منکرین و مکذبین سے کہیں بڑھ کر قوت اور طاقت کی مالک تھیں ﴿ وَمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ سے واضح فرما دیا کہ تاریخ میں ان کی مثالیں موجود ہیں۔ جیسے قوم نوح' قوم عاد اور قوم ثمود وغیرہ جن کی داستانوں میں ... اور سامان عبرت و بصیرت کا سامان ... تقیں ...

لیکن غافل دنیا ہے کہ ان قوموں کی تاریخ اور ان کے حالات و واقعات سے متعلق سب کچھ جاننے کے باوجود کوئی درس عبرت نہیں لیتی۔ سو غفلت ولا پرواہی محرومیوں کی محرومی ہے۔

② یعنی اہل مکہ سے زیادہ زور آور تھے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ كَانُوٓا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً ﴾ وہ ان سے تعداد اور قوت میں کہیں زیادہ تھے۔



## جس کی مثال اس نے رحمٰن کے لیے پیش کی ہے

﴿ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُۥ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ ﴾ [سورة الزخرف: ١٧]

''(حالانکہ) ان میں سے کسی کو جب اس چیز کی خبر دی جائے جس کی مثال اس نے (اللہ) رحمٰن کے لیے بیان کی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غمگین ہو جاتا ہے۔''

**تفہیم**

یعنی وہ اللہ کے لیے بیٹیاں ثابت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں لیکن جب اپنی باری آتی تو جل بُن کر رہ جاتے تھے۔



## اسے پچھلوں کے لیے مثال بنا دیا

﴿ فَجَعَلْنَٰهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْءَاخِرِينَ ۝ ﴾ [سورة الزخرف: ٥٦]

''پس ہم نے انہیں قصہ ماضی بنا دیا اور بعد والوں کے لیے مثال بنا دی۔''

**تفہیم**

یعنی ان کو بعد میں آنے والوں کے لیے نصیحت اور مثال بنا دیا۔ کہ وہ اس طرح کفر و ظلم اور فساد نہ کریں جس طرح فرعون نے کیا تا کہ وہ اس جیسے عبرت ناک حشر سے محفوظ رہیں۔

# جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو.....

﴿ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ۝ ﴾

[سورة الزخرف: ۵۷]

"اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو اس سے تیری قوم (خوشی سے) چیخنے لگی ہے۔"

**تفہیم**

① ﴿ يَصِدُّونَ ﴾ کے معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد عکرمہ اور ضحاک رحمہم اللہ نے کیے ہیں کہ "وہ ہنسنے لگے۔" یعنی اس سے انہیں تعجب معلوم ہوا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "گھبرا کر بول پڑے۔" ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے منہ پھیرنے لگے اس کی وجہ جو امام محمد بن اسحاق نے اپنی سیرت میں بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولید بن مغیرہ وغیرہ قریشیوں کے پاس تشریف فرما تھے تو نضر بن حارث آ گیا اور آپ سے کچھ باتیں کرنے لگا جس میں وہ لاجواب ہو گیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی آیت ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۝﴾ [سورة الأنبياء: ۹۸] پڑھ کر سنائیں یعنی "تم اور تمہارے معبود سب جہنم میں جھونک دیئے جاؤ گے۔" پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے چلے گئے تھوڑی ہی دیر میں عبداللہ بن زبیری تمیمی آیا تو ولید بن مغیرہ نے اس سے کہا نضر بن حارث تو ابن عبدالمطلب سے ہار گیا اور بالآخر ابن عبدالمطلب ہمیں اور ہمارے معبودوں کو جہنم کا ایندھن کہتے ہوئے چلے گئے۔ اس نے کہا اگر میں ہوتا تو خود انہیں لاجواب کر دیتا جاؤ ذرا ان سے پوچھو تو کہ جب ہم اور ہمارے سارے معبود دوزخی ہیں تو لازم آیا کہ سارے فرشتے اور حضرت عزیر اور حضرت مسیح بھی جہنم میں جائیں گے کیونکہ ہم فرشتوں کو پوجتے ہیں یہود حضرت عزیر علیہ السلام کی پرستش کرتے ہیں نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں۔ اس پر مجلس کے کفار بہت خوش ہوئے اور کہا ہاں یہ جواب بہت ٹھیک ہے۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: "ہر وہ شخص جو غیر اللہ کی عبادت

کرے اور ہر وہ شخص جو اپنی عبادت اپنی خوشی سے کرائے یہ دونوں عابد و معبود جہنمی ہیں۔ فرشتوں یا نبیوں نے نہ اپنی عبادت کا حکم دیا نہ وہ اس سے خوش۔ ان کے نام سے دراصل یہ شیطان کی عبادت کرتے ہیں وہی انہیں شرک کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ بجالاتے ہیں۔'' اس پر آیت ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ ﴾ [سورة الأنبياء: ۱۰۱] نازل ہوئی یعنی حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر علیہما السلام اور ان کے علاوہ جن احبار و رہبان کی پرستش یہ لوگ کرتے ہیں اور خود وہ اللہ کی اطاعت پر تھے شرک سے بیزار اور اس سے روکنے والے تھے اور ان کے بعد گمراہوں جاہلوں نے انہیں معبود بنالیا تو وہ محض بے قصور ہیں اور فرشتوں کو جو مشرکین اللہ کی بیٹیاں مان کر پوجتے تھے ان کی تردید میں آیت ﴿ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۙ ﴾ [سورة الأنبياء: ۲٦] سے کئی آیتوں تک نازل ہوئیں اور ان کے اس باطل عقیدے کی پوری تردید کر دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس نے جو جواب دیا تھا جس پر مشرکین خوش ہوئے تھے یہ آیتیں اتریں کہ اس قول کو سنتے ہی کہ معبودان باطلہ بھی اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے انہوں نے جھٹ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات گرامی کو پیش کر دیا اور یہ سنتے ہی مارے خوشی کے آپ کی قوم کے مشرک اچھل پڑے اور بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگے کہ ہم نے دبا لیا۔ ان سے کہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کسی سے اپنی یا کسی اور کی پرستش نہیں کرائی وہ تو خود برابر ہماری غلامی میں لگے رہے اور ہم نے بھی انہیں اپنی بہترین نعمتیں عطا فرمائیں۔ ان کے ہاتھوں جو معجزات دنیا کو دکھائے وہ قیامت کی دلیل تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن جریر میں ہے کہ مشرکین نے اپنے معبودوں کا جہنمی ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سن کر کہا کہ پھر آپ ابن مریم علیہما السلام کی نسبت کیا کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اب کوئی جواب ان کے پاس نہ رہا تو کہنے لگے واللہ یہ تو چاہتے ہیں کہ جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ مان لیا ہے ہم بھی انہیں رب مان لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ تو

صرف بکواس ہے کھسیانے ہو کر بے تکی باتیں کرنے لگے ہیں۔ ①

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن میں ایک آیت ہے مجھ سے کسی نے اس کی تفسیر نہیں پوچھی۔ میں نہیں جانتا کہ کیا ہر ایک اسے جانتا ہے یا نہ جان کر پھر بھی جاننے کی کوشش نہیں کرتے؟ پھر اور باتیں بیان فرماتے رہے یہاں تک کہ مجلس ختم ہوئی اور آپ چلے گئے۔ اب ہمیں بڑا افسوس ہونے لگا کہ وہ آیت تو پھر بھی رہ گئی اور ہم میں سے کسی نے دریافت ہی نہ کیا۔ اس پر ابن عقیل انصاری کے مولیٰ ابو یحییٰ نے کہا کہ اچھا کل صبح جب تشریف لائیں گے تو میں پوچھ لوں گا۔ دوسرے دن جو آئے تو میں نے ان کی کل کی بات دہرائی اور ان سے دریافت کیا کہ وہ کونسی آیت ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں سنو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قریش سے فرمایا: ''کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت اللہ کے سوا کی جاتی ہو اور اس میں خیر ہو۔'' اس پر قریش نے کہا کیا عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت نہیں کرتے؟ اور کیا آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا نبی اور اس کا برگزیدہ نیک بندہ نہیں مانتے؟ پھر اس کا کیا مطلب ہوا کہ اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے وہ خیر سے خالی ہے؟ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ کہ جب عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا ذکر آیا تو لوگ ہنسنے لگے۔ وہ قیامت کا علم ہے یعنی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا قیامت کے دن سے پہلے نکلنا۔ ②



## ہم نے اسے بنی اسرائیل کی مثل بنا دیا

﴿ وَقَالُوٓا ءَالِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ○ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيٓ اِسْرَآئِيْلَ ○ ﴾

[سورۃ الزخرف: ۵۸-۵۹]

''اور انہوں نے کہا کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ؟ تجھ سے ان کا یہ کہنا محض

① تفسیر ابن کثیر (٥/٦٤) ...... اس کی سند میں عطیہ عوفی ضعیف ہے مگر شواھد کی بناء پر روایت حسن درجہ کی ہے۔

② مسند الإمام أحمد (۱/۳۱۸)

جھگڑے کی غرض سے ہے' بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو' عیسیٰ (علیہ السلام) بھی صرف بندہ ہی ہے جس پر ہم نے احسان کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لیے نشان قدرت بنایا۔"

**تفہیم**

① حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان کے اس قول کا کہ "کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ۔" مطلب یہ ہے کہ ہمارے معبود محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر ہیں یہ تو اپنے آپ کو پجوانا چاہتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی قراءت میں (اَمْ هٰذَا) ہے۔[1]

اللہ فرماتا ہے یہ ان کا مناظرہ نہیں بلکہ مجادلہ اور مکابرہ ہے یعنی بے دلیل جھگڑا اور بے وجہ حجت بازی ہے خود یہ جانتے ہیں کہ نہ یہ مطلب ہے نہ ہمارا یہ اعتراض اس پر وارد ہوتا ہے۔ اس لیے اولاً تو آیت میں لفظ (ما) ہے جو غیر ذوی العقول کے لیے ہے دوسرے یہ کہ آیت میں خطاب کفار قریش سے ہے جو اصنام و انداد یعنی بتوں اور پتھروں کو پوجتے تھے وہ مسیح کے پجاری نہ تھے جو یہ اعتراض برمحل مانا جائے پس یہ صرف جدل ہے یعنی وہ بات کہتے ہیں جس کے غیر صحیح ہونے کو ان کے اپنے دل کو بھی یقین ہے۔ ترمذی وغیرہ میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ہلاک نہیں ہوتی جب تک بے دلیل حجت بازی اس میں نہ آجائے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔[2]

ابن جریر میں ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں آئے اس وقت وہ قرآن کی آیتوں میں بحث کر رہے تھے۔ آپ سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا اس طرح اللہ کی کتاب کی آیتوں کو ایک دوسری کے ساتھ ٹکراؤ نہیں یاد رکھو جھگڑے کی اسی عادت نے اگلے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ﴿ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ۝ ﴾ [سورۃ الزخرف: ۵۸] کی تلاوت فرمائی۔[3]

---

① تفسیر الطبری (۱۱/۲۰۲)

② المستدرك الحاكم (۲/۴۴۸) ومسند الإمام أحمد (۵/۲۵۲) وجامع الترمذی (۳۲۵۳) ...... امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

③ تفسیر الطبری (۱۱/۲۰۳) ...... اس کی سند میں جعفر بن زبیر متروک الحدیث ہے۔

۲ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ عزوجل کے بندوں میں سے ایک بندے تھے۔ جن پر نبوت و رسالت کا انعامِ باری تعالیٰ ہوا تھا اور انہیں اللہ کی قدرت کی نشانی بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تھا تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ جو چاہے اس پر قادر ہے۔



## جہنمیوں کا کھانا مثل تلچھٹ کے ہے

﴿ اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ۝ كَالْمُهْلِ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ۝ كَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ۝ ﴾ [سورة الدخان: ٤٣-٤٦]

''بیشک زقوم (تھوہر) کا درخت' گنہگار کا کھانا ہے' جو مثل تلچھٹ کے ہے اور پیٹ میں کھولتا رہتا ہے' مثل تیز گرم پانی کے۔''

**تفہیم**

منکرین قیامت کو جو سزا وہاں دی جائے گی اس کا بیان ہو رہا ہے کہ ان مجرموں کو جو اپنے قول اور فعل کو نافرمانی سے ملوث کیے ہوئے تھے آج زقوم کا درخت کھلایا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ابوجہل ہے۔ گو دراصل وہ بھی اس آیت کی وعید میں داخل ہے لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ آیت صرف اسی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ ایک شخص کو یہ آیت پڑھا رہے تھے مگر اس کی زبان سے لفظ "اَثِیْم" ادا نہیں ہوتا تھا اور وہ بجائے اس کے یتیم کہہ دیا کرتا تھا تو آپ نے اسے "طَعَامُ الْفَاجِر" پڑھوایا یعنی اسے اس کے سوا کھانے کو اور کچھ نہ دیا جائے گا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی زمین میں ٹپک جائے تو تمام زمین والوں کی معاش خراب کر دے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے' یہ مثل تلچھٹ کے ہوگا۔ اپنی حرارت بدمزگی اور نقصان کے باعث پیٹ میں جوش مارتا رہے گا اللہ تعالیٰ جہنم کے داروغوں سے فرمائے گا کہ اس کافر کو پکڑ لو وہیں ستر ہزار فرشتے دوڑیں گے اسے اوندھا کر کے منہ کے بل گھسیٹ لے جاؤ اور بیچ جہنم میں ڈال دو پھر اس کے سر پر جوش مارتا گرم پانی ڈالو۔ جیسے

فرمایا: ﴿ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ○ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ○ ﴾ [سورۃ الحج: ۱۹--۲۰] یعنی ''ان کے سروں پر جہنم کا جوش مارتا گرم پانی بہایا جائے گا جس سے ان کی کھالیں اور پیٹ کے اندر کی تمام چیزیں سوخت ہو جائیں گی۔'' اور یہ بھی ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ فرشتے انہیں لوہے کے ہتھوڑے ماریں گے جن سے ان کے دماغ پاش پاش ہو جائیں گے پھر اوپر سے یہ حمیم ان پر ڈالا جائے گا یہ جہاں جہاں پہنچے گا ہڈی کو کھال سے جدا کر دے گا یہاں تک کہ اس کی آنتیں کاٹتا ہوا پنڈلیوں تک پہنچ جائے گا۔ (اللہ ہمیں محفوظ رکھے) پھر انہیں شرمسار کرنے کے لیے اور زیادہ پشیمان کرنے کے لیے کہا جائے گا کہ لو مزہ چکھو تم ہماری نگاہوں میں نہ عزت والے ہو نہ بزرگی والے۔ [1]



## نیک اور بد برابر نہیں

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ○ ﴾ [سورۃ الجاثیۃ: ۲۱]

''کیا ان لوگوں کا جو برے کام کرتے ہیں یہ گمان ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کا مرنا جینا یکساں ہو جائے برا ہے وہ فیصلہ وہ جو کر رہے ہیں۔''

### تفہیم

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ مومن و کافر برابر نہیں جیسے اور آیت میں ہے کہ دوزخی اور جنتی برابر نہیں جنتی کامیاب ہیں یہاں بھی فرماتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کفر و برائی والے اور ایمان و اچھائی والے موت و زیست میں دنیا و آخرت میں برابر ہو جائیں۔ یہ تو ہماری ذات اور ہماری صفت عدل کے ساتھ پرلے درجے کی بدگمانی ہے۔ مسند ابو یعلیٰ میں ہے حضرت ابوذر فرماتے ہیں چار چیزوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی بنا رکھی ہے جو ان سے ہٹ جائے اور ان پر عامل نہ بنے وہ اللہ سے فاسق ہو کر ملاقات کرے

[1] تفسیر ابن کثیر (۸۸/۵)

گا پوچھا گیا کہ وہ چاروں چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا یہ کہ کامل عقیدہ رکھے کہ حلال حرام حکم و ممانعت یہ چاروں صرف اللہ کی اختیار میں ہیں اس کے حلال کو حلال اس کے حرام بتائے ہوئے کو حرام ماننا' اس کے حکموں کو قابل تعمیل اور لائق تسلیم جاننا' اس کے منع کیے ہوئے کاموں سے باز آ جانا اور حلال حرام امر و نہی کا مالک صرف اسی کو جاننا بس یہ دین کی اصل ہے۔ حضرت ابو القاسم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس طرح ببول کے درخت سے انگور پیدا نہیں ہو سکتے اسی طرح بدکار لوگ نیک کاروں کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے۔ سیرۃ محمد بن اسحاق (۱/۱۹۶) میں ہے کہ کعبۃ اللہ کی بنیاد میں سے ایک پتھر نکلا تھا جس پر لکھا ہوا تھا کہ ''تم برائیاں کرتے ہوئے نیکیوں کی امید رکھتے ہو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی خاردار درخت میں سے انگور چننا چاہتا ہو۔'' طبرانی میں ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ رات بھر تہجد میں اسی آیت کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ [1]



# سچا علم ہونے کے بعد سرکشی

﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝﴾ [سورة الأحقاف: ١٠]

''آپ کہہ دیجیے! اگر یہ (قرآن) اللہ ہی کی طرف سے ہو اور تم نے اسے نہ مانا ہو اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس جیسی کی گواہی بھی دے چکا ہو اور ایمان بھی لا چکا ہو اور تم نے سرکشی کی ہو تو بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔''

## تفہیم

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان مشرکین کافرین سے کہو کہ اگر یہ قرآن سچ مچ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور پھر بھی تم اس کا انکار کر رہے ہو تو بتاؤ تمہارا کیا حال ہو گا؟ وہ اللہ جس نے مجھے حق کے ساتھ تمہاری طرف یہ پاک کتاب دے کر بھیجا ہے وہ تمہیں کیسی

[1] تفسیر ابن کثیر (۵/۹۷)

کیسی سزائیں کرے گا؟ تم اس کا انکار کرتے ہوا سے جھوٹا بتاتے ہو حالانکہ اس کی سچائی اور شہادت وہ کتابیں بھی دے رہی ہیں جو اس سے پہلے وقتاً فوقتاً اگلے انبیاء پر نازل ہوتی رہیں اور بنی اسرائیل کے جس شخص نے اس کی سچائی کی گواہی دی اس نے حقیقت کو پہچان کراسے مانا اوراس پر ایمان لایا۔ لیکن تم نے اس کی اتباع سے جی چرایا اور تکبر کیا یہ بھی مطلب بیان ہوگیا ہے کہ اس شاہد نے اپنے نبی پر اوراس کی کتاب پر یقین کرلیا لیکن تم نے اپنے نبی اور اپنی کتاب کے ساتھ کفر کیا اللہ تعالیٰ ظالم گروہ کو ہدایت نہیں کرتا۔

(شاھد) کا لفظ اسم جنس ہے اور یہ اپنے معنی کے لحاظ سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ سب کو شامل ہے یہ یادر ہے کہ یہ آیت مکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اسلام سے پہلے کی ہے اسی جیسی آیت یہ بھی ہے: ﴿ وَ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ۝ ﴾ [سورة القصص: ۵۳] یعنی ”جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو اقرار کرتے ہیں کہ یہ ہمارے رب کی جانب سے سراسر برحق ہے ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان ہیں۔“ اور فرمان الٰہی ہے: (الاسراء:۱۰۷۔۱۰۸) ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا۝ وَّ یَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا۝ ﴾ [سورة بنی اسرائیل: ۱۰۷-۱۰۸] یعنی ”جن لوگوں کو اس سے پہلے علم عطا فرمایا گیا ہے ان پر جب تلاوت کی جاتی ہے تو وہ بلا پس وپیش سجدے میں گر پڑتے ہیں اور زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے اس کے وعدے یقیناً سچے اور ہو کر رہنے والے ہیں۔“ مسروق اور شعبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہاں اس آیت سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نہیں اس لیے کہ آیت مکہ میں اتری ہے اور آپ مدینہ کی ہجرت کے بعد اسلام قبول کرتے ہیں حضرت سعد فرماتے ہیں کسی شخص کے بارے میں جو زندہ ہو اور زمین پر چل پھر رہا ہو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اس کا جنتی ہونا نہیں سنا بجز حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے انہی کے بارے میں ﴿ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ۝ ﴾ نازل ہوئی ہے۔ بخاری، مناقب الانصار (۳۸۱۲) ومسلم (۲۴۸۳) حضرت عبداللہ بن عباس، قتادہ رضی اللہ عنہم اور مجاہد، ضحاک، عکرمہ، یوسف بن عبداللہ بن سلام، ہلال بن بشار، سدی، ثوری، مالک بن انس، ابن زبیر رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ کفار کہا کرتے ہیں کہ اگر قرآن بہتری کی چیز ہوتی تو ہم جیسے شریف انسان جو اللہ کے مقبول بندے ہیں ان پر بھلا یہ نچلے درجے کے لوگ جیسے بلال' عمار'صہیب' خباب رضی اللہ عنہم اور انہی جیسے اور گرے پڑے لونڈی غلام کیسے سبقت کر جاتے۔ پھر تو اللہ سب سے پہلے ہمیں ہی نوازتا ہے۔

حالانکہ قول بالبداہت باطل ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۝ ﴾ [سورة الأنعام: ۵۳] یعنی ''ہم نے اسی طرح بعض کو بعض کے ساتھ فتنے میں ڈالا تاکہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے انہی پر اللہ نے اپنا احسان کیا؟'' یعنی انہیں تعجب معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کیسے ہدایت پا گئے؟ اگر یہ چیز بھلی ہوتی تو ہم اس کی طرف لپک کر جاتے پس یہ ان کی خام خیالی تھی لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ نیک سمجھ والے سلامت روی والے ہمیشہ بھلائی کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ اسی لیے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جو قول و فعل صحابہ رضی اللہ عنہم اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے اس لیے کہ اگر اس میں بہتری ہوتی تو وہ پاک جماعت جو کسی چیز میں پیچھے رہنے والی نہ تھی وہ اسے ترک نہ کرتی۔ چونکہ اپنی بدقسمتی کے باعث یہ گروہ قرآن پر ایمان نہیں لایا اس لیے یہ اپنی خجالت دفع کرنے کو قرآن کی اہانت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تو پرانے لوگوں کی پرانی غلط باتیں ہیں یہ کہہ کر وہ قرآن اور قرآن والوں کو طعنہ دیتے ہیں۔ یعنی تکبر ہے جس کی بابت حدیث میں ہے کہ تکبر حق کو ہٹا دینے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام ہے۔ (1)



# پہلے رسولوں کی طرح صبر کرو

﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ ﴾ [سورة الأحقاف: ۳۵]

(1) صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم الكبر وبيانه، (۹۱) ومسند الإمام أحمد (۱/ ۳۸۵)

''پس (اے پیغمبر!) تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا اور ان کے لیے (عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کرو یہ جس دن اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں تو (یہ معلوم ہونے لگے گا کہ دن کی ایک گھڑی ہی دنیا میں) ٹھہرے تھے یہ ہے پیغام پہنچا دینا' پس بدکاروں کے سوا کوئی ہلاک نہ کیا جائے گا۔''

**تفهيم**

① یعنی جب معلوم ہو چکا کہ منکرین کو سزا ضرور ملتی ہے۔ آخرت میں ملے یا دنیا میں بھی تو آپ ان کے معاملہ میں جلدی نہ کریں۔ بلکہ ایک معیادِ معین تک صبر کرتے رہیں جیسے اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا۔ (تنبیہ) بعض سلف نے کہا کہ سب رسول اولوالعزم (ہمت والے) ہیں اور عرف میں پانچ پیغمبر خصوصی طور پر اولوالعزم کہلاتے ہیں۔ حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ۔

② یعنی ہم نے نصیحت کی بات پہنچا دی اور سب نیک و بد سمجھا دیا۔ اب جو نہ مانیں گے وہ ہی تباہ و برباد ہوں گے۔ ہماری طرف سے حجت تمام ہو چکی اور کسی کو بے قصور ہم نہیں پکڑتے اسی کو غارت کرتے ہیں جو غارت ہونے ہی پر کمر باندھ لے۔



# کافروں کے لیے ایسی ہی سزائیں ہیں

﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا۝ ﴾ [سورة محمد: ١٠]

''کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر اس کا معائنہ نہیں کیا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیا نتیجہ ہوا؟ اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اور کافروں کے لیے اسی طرح کی سزائیں ہیں۔''

**تفہیم**

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے جو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کے رسول کو جھٹلا رہے ہیں زمین کی سیر نہیں کی؟ جو یہ معلوم کر لیتے اور اپنی آنکھوں دیکھ لیتے کہ ان سے اگلے جو ان جیسے تھے ان کے انجام کیا ہوئے؟ کس طرح وہ تخت و تاراج کر دیئے گئے اور ان میں سے صرف اسلام و ایمان والے ہی نجات پا سکے کافروں کے لیے اسی طرح کے عذاب آیا کرتے ہیں۔



## جنت کی مثال

﴿ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۝ ﴾ [سورة محمد: ۱۵]

''اس جنت کی مثال (صفت) جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے' یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بدبو کرنے والا نہیں اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ نہیں بدلتا اور شراب کی نہریں ہیں اور شہد کی جو بہت صاف ہیں ان کے لیے ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے' کیا یہ مثل اس کے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے؟ اور جنہیں گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔''

**تفہیم**

① یعنی جن کو جنت میں وہ اعلیٰ درجے نصیب ہوں گے جو مذکور ہوئے کیا وہ ایسے جہنمیوں کے برابر ہیں جن کا یہ حال ہو گا؟ ظاہر بات ہے ایسا نہیں ہو گا' بلکہ ایک درجات میں ہو گا اور دوسرا درکات (جہنم) میں۔ ایک نعمتوں میں داد و طرب و عیش لے رہا ہو گا' دوسرا عذاب جہنم کی سختیاں جھیل رہا ہو گا۔ ایک اللہ کا مہمان ہو گا جہاں

انواع اقسام کی چیزیں اس کی تواضع اور اکرام کے لیے ہوں گی اور دوسرا اللہ کا قیدی' جہاں اس کو کھانے کے لیے زقوم جیسا تلخ وکسیلہ کھانا اور پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔



## محمد ﷺ کے ساتھیوں کی مثال تورات وانجیل میں

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۝ ﴾ [سورة الفتح: ۲۹]

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں' تو انہیں دیکھے گا رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں' ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے' ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے مثل اس کھیتی کے جس نے انگوری نکالی' پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا' تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے' ان ایمان والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔''

**تفہیم**

① ان آیتوں میں پہلے نبی ﷺ کی صفت وثنا بیان ہوئی کہ آپ اللہ کے برحق رسول ہیں پھر آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی صفت وثنا بیان ہو رہی ہے کہ وہ مخالفین پر سختی کرنے والے اور مسلمانوں پر نرمی کرنے والے ہیں جیسے قرآن میں ہے: ﴿ اَذِلَّةٍ عَلَى

الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ [سورة المآئدة: ٥٤] ''مومنوں کے سامنے نرم کفار کے مقابلہ میں گرم۔'' ہر مومن کی یہی شان ہونی چاہیے کہ وہ مومنوں سے خوش خلقی اور متواضع رہے اور کفار پر سختی کرنیوالا اور کفر سے ناخوش رہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً ۝ ﴾ [سورة التوبة: ١٢٣] ''ایمان والو اپنے پاس کے کافروں سے جہاد کرو وہ تم میں سختی محسوس کریں۔'' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں آپس کی محبت اور نرم دلی میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ اگر کسی ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم بیقرار ہو جاتا ہے کبھی بخار چڑھ آتا ہے کبھی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں مومن مومن کے لیے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا ہے اور مضبوط کرتا ہے' پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ملا کر بتائیں پھر ان کا اور وصف بیان فرمایا کہ نیکیاں بکثرت کرتے ہیں خصوصاً نماز جو تمام نیکیوں سے افضل و اعلیٰ ہے پھر ان کی نیکیوں میں چار چاند لگانے والی چیز کا بیان یعنی ان کے خلوص اور اللہ طلبی کا کہ یہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے متلاشی ہیں۔ یہ اپنے اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں جو جنت ہے اور اللہ کے فضل سے انہیں ملے گی اور اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی بھی انہیں عطا فرمائے گا جو بہت بڑی چیز ہے جیسے فرمایا: ﴿ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۝ ﴾ [سورة التوبة: ٧٢] اللہ تعالیٰ کی ذرا سی رضا بھی سب سے بڑی چیز ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''چہروں پر سجدوں کے اثر سے علامت ہونے سے مراد اچھے اخلاق ہیں۔'' [1]

مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں خشوع اور تواضع ہے' حضرت منصور رحمہ اللہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے کہتے ہیں میرا تو یہ خیال تھا کہ اس سے مراد نماز کا نشان ہے جو ماتھے پر پڑ جاتا ہے آپ نے فرمایا یہ تو ان کی پیشانیوں پر بھی ہوتا ہے جن کے دل فرعون سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔

[1] تفسیر الطبری (٣٧٠/١١)

حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نماز ان کے چہرے اچھے کر دیتی ہے۔
بعض سلف سے منقول ہے جو رات کو بکثرت نماز پڑھے گا اس کا چہرہ دن کو خوبصورت ہوگا۔
بعض بزرگوں کا قول ہے کہ نیکی کی وجہ سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے چہرے پر روشنی آتی ہے روزی میں کشادگی ہوتی ہے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔
امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے اندرونی پوشیدہ حالات کی اصلاح کرے اور بھلائیاں پوشیدگی سے کرے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کی سلوٹوں پر اور اس کی زبان کے کناروں پر ان نیکیوں کو ظاہر کر دیتا ہے الغرض دل کا آئینہ چہرہ ہے جو اس میں ہوتا ہے اس کا اثر چہرہ پر ہوتا ہے پس مومن جب اپنے دل کو درست کر لیتا ہے اپنا باطن سنوار لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی لوگوں کی نگاہوں میں سنوار دیتا ہے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''جو شخص اپنے باطن کی اصلاح کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی آراستہ و پیراستہ کر دیتا ہے۔''
الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نیتیں خالص تھیں اعمال اچھے تھے پس جس کی نگاہ ان کے پاک چہروں پر پڑتی تھی اسے ان کی پاکبازی جچ جاتی تھی اور وہ ان کے چال چلن اور ان کے اخلاق اور ان کے طریقہ کار پر خوش ہوتا تھا حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے شام کا ملک فتح کیا جب وہاں کے نصرانی ان کے چہرے دیکھتے تو بے ساختہ پکار اٹھتے: ''اللہ کی قسم یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے بہت ہی بہتر وافضل ہیں۔'' فی الواقع ان کا یہ قول سچا ہے اگلی کتابوں میں اس امت کی فضیلت وعظمت موجود ہے اور اس امت کی صف اول ان کے بہتر بزرگ اصحاب رسول ہیں اور خود ان کا ذکر بھی اگلی اللہ کی کتابوں میں اور پہلے کے واقعات میں موجود ہے۔ پس فرمایا یہی مثال ان کی توراۃ میں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
اور ان کی مثال انجیل میں مانند کھیتی کے بیان کی گئی ہے جو اپنا سبزہ نکالتی ہے پھر اسے مضبوط اور قوی کرتی ہے پھر وہ طاقتور اور موٹا ہو جاتا ہے اور اپنی بال پر سیدھا کھڑا ہو

جاتا ہے اب کھیتی والے کی خوشی کا کیا پوچھنا ہے؟ اسی طرح اصحاب رسول ﷺ ہیں کہ انہوں نے آپ کی تائید ونصرت کی پس وہ آپ کے ساتھ وہی تعلق رکھتے ہیں جو پٹھے اور سبزے کو کھیتی سے تھا یہ اس لیے کہ کفار جھینپیں۔ ①

② پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کے گناہ معاف اور انکا اجر عظیم اور رزق کریم ثواب جزیل اور بدلہ کبیر ثابت یاد رہے کہ ( منھم ) میں جو ( من ) ہے وہ یہاں بیان جنس کے لیے ہے اللہ کا یہ سچا اور اٹل وعدہ ہے جو نہ بدلے نہ خلاف ہو ان کے قدم بقدم چلنے والوں ان کی روش پر کاربند ہونے والوں سے بھی اللہ کا یہ وعدہ ثابت ہے لیکن فضیلت اور سبقت کمال اور بزرگی جو انہیں ہے امت میں سے کسی کو حاصل نہیں' اللہ ان سے خوش' اللہ ان سے راضی' یہ جنتی ہو چکے اور بدلے پالئے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں میرے صحابہ کو برا نہ کہو ان کی بے ادبی اور گستاخی نہ کرو اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے تین پاؤ اناج بلکہ ڈیڑھ پاؤ اناج کے اجر کو بھی نہیں پا سکتا۔ ①



## یہ اسی کی مثل ہے

﴿ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ۝ ﴾

[سورة الذاريات: ۲۳]

''آسمانوں اور زمین کے پروردگار کی قسم! کہ یہ بالکل برحق ہے ایسا ہی جیسے کہ تم باتیں کرتے ہو۔''

**تفہیم**

اِنَّهٗ میں ضمیر کا مرجع (یہ) وہ امور وآیات ہیں جو مذکور ہوئیں۔

① تفسير ابن كثير (١٨٦/٥-١٨٧)

① صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب تحريم سب الصحابة، (٢٥٤٠) ومسند الإمام أحمد (٥٤١١/٣)

# نبی کریم سے اونچی آواز مت کرو

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ [سورة الحجرات: ۲]

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو' کہیں (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔''

**تفہیم**

یعنی حضور ﷺ کی مجلس میں شور نہ کرو اور جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو' حضور ﷺ کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلافِ ادب ہے۔ آپ سے خطاب کرو تو نرم آواز سے تعظیم و احترام کے لہجہ میں ادب و شائستگی کے ساتھ۔ دیکھو ایک مہذب بیٹا اپنے باپ سے' لائق شاگرد استاد سے' مخلص مرید پیرو مرشد سے' اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے پیغمبر کا مرتبہ تو ان سب سے کہیں بڑھ کر ہے۔ آپ ﷺ سے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھنی چاہیے۔ مبادا بے ادبی ہو جائے اور آپ کو تکدر پیش آئے تو حضور ﷺ کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانا کہاں ہے۔ ایسی صورت میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت اکارت جانے کا اندیشہ ہے (تنبیہ) حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی احادیث سننے اور پڑھنے کے وقت بھی یہی ادب چاہیے اور جو قبر شریف کے پاس حاضر ہو وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھے۔ نیز آپ ﷺ کے خلفاء علمائے ربانیین اور اولوالامر کے ساتھ درجہ بدرجہ اسی ادب سے پیش آنا چاہیے تاکہ جماعتی نظام قائم رہے۔ فرق مراتب نہ کرنے سے بہت مفاسد اور فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔



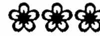
# بوسیدہ ہڈی کی طرح چورا چورا کر دیا

﴿ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ۝﴾[سورة الذاريات: ٤٢]

''وہ جس چیز پر گرتی تھی اسے بوسیدہ ہڈی کی طرح (چورا چورا) کر دیتی تھی۔''

**تفہیم**

یعنی عذاب کی آندھی آئی جو خیر و برکت سے یکسر خالی تھی۔ اس نے مجرموں کی جڑ کاٹ ڈالی اور جس چیز پر گزری اس کا چورا کر کے رکھ دیا۔



# انہیں بھی اسی کے مثل بدلہ ملے گا

﴿ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ ﴾

[سورة الذاريات: ٥٩]

''پس جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انہیں بھی ان کے ساتھیوں کے حصہ کے مثل حصہ ملے گا لہٰذا وہ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں' لیکن یہ حصۂ عذاب انہیں کب پہنچے گا؟ یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے' اس لیے طلب عذاب میں جلدی نہ کریں۔''

**تفہیم**

یعنی اگر یہ ظالم بندگی کی طرف نہیں آتے تو سمجھ لو کہ دوسرے ظالموں کی طرح ان کا ڈول بھی بھر چکا ہے۔ بس اب ڈوبا چاہتا ہے۔ خواہ مخواہ سزا میں جلدی نہ مچائیں۔ جیسے دوسرے کافروں کو خدائی سزا کا حصہ پہنچا' ان کو بھی پہنچ کر رہے گا۔



# اس کی مثل لے کر تو آؤ

﴿فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ [سورة الطور: ٣٤]

''اچھا اگر یہ سچے ہیں تو بھلا اس جیسی ایک (ہی) بات یہ (بھی) تو لے آئیں۔''

**تفہیم**

یعنی اگر یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کا اپنا گھڑا ہوا ہے تو پھر یہ بھی اس جیسی کتاب بنا کر پیش کر دیں جو نظم' اعجاز' حسن بیان' حقائق کے مسائل میں اس کا مقابلہ کر سکیں۔



## نافرمانوں کی حالت

﴿ اِنَّآ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوۡا كَهَشِيۡمِ الۡمُحۡتَظِرِ ۝ ﴾ [سورة القمر: ۳۱]

''ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی پس ایسے ہو گئے جیسے باڑ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس۔''

**تفہیم**

باڑ جو خشک جھاڑیوں اور لکڑیوں سے جانوروں کی حفاظت کے لیے بنائی جاتی ہے' خشک لکڑیاں اور جھاڑیاں مسلسل روندے جانے کی وجہ سے چورا چورا ہو جاتی ہیں وہ بھی اس باڑ کی مانند ہمارے عذاب سے چورا ہو گئے۔



## جیسے آنکھ کا جھپکنا

﴿ اِنَّا كُلَّ شَىۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ وَمَاۤ اَمۡرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمۡحٍۢ بِالۡبَصَرِ ۝ ﴾

[سورة القمر: ۴۹-۵۰]

''بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے سے پیدا کیا ہے اور ہمارا حکم صرف ایک دفعہ (کا ایک کلمہ) ہی ہوتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا۔''



# وہ ٹھیکری کی طرح ہے

﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝﴾ [سورة الرحمن: ١٤-١٥]

''اس نے انسان کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری کی طرح تھی اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔''

**تفہیم**

① یہاں بیان ہو رہا ہے کہ انسان کی پیدائش بجنے والی ٹھیکری جیسی مٹی سے ہوئی ہے اور جنات کی پیدائش آگ کے شعلے سے ہوئی ہے جو خالص اور احسن تھا مسند کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں فرشتے نور سے جنات نار سے اور انسان اس مٹی سے جس کا ذکر تمہارے سامنے ہو چکا ہے پیدا کیے گئے ہیں۔[1]

② ﴿صَلْصَال﴾ خشک مٹی جس میں آواز ہو۔ ﴿فَخَّار﴾ آگ میں پکی ہوئی مٹی، جسے ٹھیکری کہتے ہیں۔ انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جن کا پہلے مٹی کا پتلا بنایا گیا اور پھر اس میں اللہ نے روح پھونکی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حوا کو پیدا فرمایا، اور پھر دونوں سے نسل انسانی چلی۔



# جہاز کی مثال

﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝﴾ [سورة الرحمن: ٢٤]

''اور اللہ ہی کی (ملکیت میں) ہیں جہاز جو سمندروں میں پہاڑ کی طرح بلند (چل پھر رہے) ہیں۔''

**تفہیم**

ارشاد ہوتا ہے کہ سمندر میں چلنے والے بڑے بڑے بادبانوں والے جہاز جو دور سے نظر

---

① مسند الإمام أحمد (١٥٣/٦) وصحيح مسلم (٢٩٩٦،٦٠) وابن حبان (٦١٥٥)

پڑتے ہیں اور پہاڑوں کی طرح کھڑے دکھائی دیتے ہیں جو ہزاروں من مال اور سینکڑوں انسانوں کو ادھر سے ادھر لے آتے ہیں یہ بھی تو اس اللہ کی ملکیت میں ہیں اس عالیشان نعمت کو یاد دلا کر پھر پوچھتا ہے کہ اب بتاؤ انکار کرو گے تو کیسے بن آئے گی؟ حضرت عمیر بن سوید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں اللہ کے شیر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے پر تھا ایک بلند و بالا بڑا جہاز آ رہا تھا اسے دیکھ کر آپ نے اس کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے پہاڑوں جیسی ان کشتیوں کو امواج سمندر میں جاری کیا ہے نہ میں نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا نہ ان کے قتل کا ارادہ کیا نہ قاتلوں کے ساتھ شریک ہوا نہ ان سے خوش نہ ان پر نرم۔ [1]



# آسمان سرخ چمڑے کی طرح

﴿ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۝ ﴾ [سورة الرحمن: ۳۷]

''پس جب کہ آسمان پھٹ کر سرخ ہو جائے جیسے کہ سرخ چمڑہ۔''

**تفہیم**

آسمان کا پھٹ جانا اور آیتوں میں بھی بیان ہوا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝ ﴾ [سورة الحاقة: ١٦] ایک اور جگہ ہے: ﴿ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝ ﴾ [سورة الفرقان: ٢٥] اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝ ﴾ [سورة الإنشقاق: ١-٢] وغیرہ۔ جس طرح چاندی وغیرہ پگھلائی جاتی ہے یہی حالت آسمان کی ہو جائے گی رنگ پر رنگ بدلے گا کیونکہ قیامت کی ہولناکی اس کی شدت و دہشت ہے ہی ایسی۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سرخ چمڑے کی طرح ہو جائے گا۔ ایک روایت میں گلابی رنگ گھوڑے کے رنگ جیسا آسمان کا رنگ ہو جائے گا۔

ابو صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلے گلابی رنگ ہوگا پھر سرخ ہو جائے گا۔ گلابی رنگ

---

[1] تفسیر ابن کثیر (۲۹٦/٥)

گھوڑے کا رنگ موسم بہار میں تو زردی مائل نظر آتا ہے اور جاڑے میں بدل کر سرخ چھتا ہے جوں جوں سردی بڑھتی ہے اس کا رنگ متغیر ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح آسمان بھی رنگ پر رنگ بدلے گا پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔ جیسے روغن گلاب کا رنگ ہوتا ہے اس رنگ کا آسمان ہو جائے گا آج وہ سبز رنگ ہے لیکن اس دن اس کا رنگ سرخی لیے ہوئے ہو گا زیتون کی تلچھٹ جیسا ہو جائے گا۔ جہنم کی آگ تپش اسے پگھلا کر تیل جیسا کر دے گی۔



## حوریں مثل یاقوت ہیں

﴿ كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ○ ﴾ [سورة الرحمن: ٥٨]

''وہ حوریں مثل یاقوت اور مونگے کے ہوں گی۔''

**تفہیم**

یعنی صفائی میں یاقوت اور سفیدی و سرخی میں موتی یا مونگے کی طرح ہوں گی جس طرح صحیح حدیث میں بھی ان کے حسن و جمال کو ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے ان کے حسن و جمال کی وجہ سے ان کی پنڈلی کا گودا' گوشت اور ہڈی کے باہر نظر آئے گا' ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ جنتیوں کی بیویاں اتنی حسین وجمیل ہوں گی کہ اگر ان میں سے ایک عورت اہل ارض کی طرف جھانک لے تو آسمان و زمین کے درمیان کا سارا حصہ چمک اٹھے اور خوشبو سے بھر جائے۔ اور اس کے سر کا دوپٹہ اتنا قیمتی ہوگا کہ وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ [1]



## حوریں چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں

﴿ وَحُورٌ عِينٌ ○ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ○ ﴾ [سورة الواقعة: ٢٢-٢٣]

''اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں' جو چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں۔''



---

[1] صحيح البخاری، الجهاد، باب الحور العين، - ومسند الإمام أحمد (٣٤٥/٢) وجامع الترمذی (٢٥٣٣)

# ہم تم جیسے اور پیدا کرنے پر قادر ہیں

﴿ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِيْنَ○ عَلَى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○ ﴾ [سورة الواقعة: ٦٠-٦١]

''ہم ہی نے تم میں موت کو معین کر دیا اور ہم اس سے ہارے ہوئے نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور پیدا کر دیں اور تمہیں نئے سرے سے اس عالم میں پیدا کریں جس سے تم (بالکل) بے خبر ہو۔''

**تفہیم**

یعنی تمہاری صورتیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیں اور تمہاری جگہ تمہاری شکل وصورت کی کوئی اور مخلوق پیدا کر دیں۔



# اہل کتاب کی طرح نہ ہو جاؤ

﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ○ ﴾ [سورة الحديد: ١٦]

''کیا اب تک ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الٰہی سے اور جو حق اتر چکا ہے اس سے نرم ہو جائیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی پھر جب زمانہ دراز گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں بہت سے فاسق ہیں۔''

**تفہیم**

پروردگار عالم فرماتا ہے کیا مومنوں کے لیے اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ذکر اللہ وعظ نصیحت آیات قرآنی اور احادیث نبوی سن کر ان کے دل موم ہو جائیں؟ سنیں اور مانیں احکام بجا لائیں ممنوعات سے پرہیز کریں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قرآن

نازل ہوتے ہی تیرہ سال کا عرصہ نہ گذرا تھا کہ مسلمانوں کے دلوں کو اس طرف نہ جھکنے کی دیر کی شکایت کی گئی' ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں چار ہی سال گذرے تھے جو ہمیں یہ عتاب ہوا۔ [1]

پھر فرمایا: تم یہود و نصاریٰ کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کتاب اللہ کو بدل دیا تھوڑے تھوڑے مول پر اسے فروخت کر دیا۔ پس کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر رائے و قیاس کے پیچھے پڑھ گئے اور از خود ایجاد کردہ اقوال کو ماننے لگ گئے اور اللہ کے دین میں دوسروں کی تقلید کرنے لگے' اپنے علماء اور درویشوں کی بے سند باتیں دین میں داخل کر لیں' ان بد اعمالیوں کی سزا میں اللہ نے ان کے دل سخت کر دیئے کتنی ہی اللہ کی باتیں کیوں نہ سناؤ ان کے دل نرم نہیں ہوتے کوئی وعظ و نصیحت ان پر اثر نہیں کرتا کوئی وعدہ وعید ان کے دل اللہ کی طرف موڑ نہیں سکتا' بلکہ ان میں کے اکثر و بیشتر فاسق اور کھلے بدکار بن گئے' دل کے کھوٹے اور اعمال کے بھی کچے' جیسے قرآن میں ہے: ﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۝ ﴾ [سورة المائدة: ۱۳] ''ان کی بدعہدی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت نازل کی اور ان کے دل سخت کر دیئے یہ کلمات کو اپنی جگہ سے تحریف کر دیتے ہیں اور ہماری نصیحت کو بھلا دیتے ہیں۔'' یعنی ان کے دل فاسد ہو گئے اللہ کی باتیں بدلنے لگ گئے نیکیاں چھوڑ دیں برائیوں میں منہمک ہو گئے۔



# دنیا اور آخرت کی مثال

﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَّفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ ﴾ [سورة الحديد: ۲۰]

---

[1] صحيح مسلم، التفسير (۳۰۲۸)

''خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشہ زینت اور آپس میں فخر (وغرور) اور مال اولاد میں ایک دوسرے سے اپنے آپ کو زیادہ بتلانا ہے' جیسے بارش اور اس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو زرد رنگ میں اس کو تم دیکھتے ہو پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب اور اللہ کی مغفرت اور رضا مندی ہے اور دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔''

## تفہیم

اس مقام پر دنیا کی تحقیر وتوہین بیان ہو رہی ہے کہ اہل دنیا کو سوائے لہو ولعب زینت و فخر اور اولاد و مال کی کثرت کی چاہت کے اور ہے بھی کیا؟ جیسے قرآن میں ہے: ﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ ﴾ [سورة آل عمران: ١٤] یعنی ''لوگوں کے لیے ان کی خواہش کی چیزوں کو مزین کر دیا گیا ہے جیسے عورتیں بچے۔'' پھر حیات دنیا کی مثال بیان ہو رہی ہے کہ اس کی تازگی فانی ہے اور یہاں کی نعمتیں زوال پذیر ہیں۔

غیث کہتے ہیں اس بارش کو جو لوگوں کی نا امیدی کے بعد برسے۔ جیسے فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ﴾ [سورة الشورى: ٢٨]

''اللہ وہ ہے جو لوگوں کی نا امیدی کے بعد بارش برساتا ہے۔'' پس جس طرح بارش کی وجہ سے زمین سے کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں اور وہ لہلہاتی ہوئی کسان کی آنکھوں کو بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں' اسی طرح اہل دنیا اسباب دنیوی پر پھولتے ہیں' لیکن نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہی ہری بھری کھیتی خشک ہو کر زرد پڑ جاتی ہے پھر آخر سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح دنیا کی تر و تازگی اور یہاں کی بہبودی اور ترقی بھی خاک میں مل جانے والی ہے' دنیا کی بھی یہی صورتیں ہوتی ہیں کہ ایک وقت جوان ہے پھر ادھیڑ ہے پھر بڑھاپا ہے' ٹھیک اسی طرح خود انسان کی حالت ہے اس کے بچپن جوانی ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کو دیکھتے جایئے پھر اس کی موت اور فنا کو سامنے رکھیے' کہاں جوانی کے وقت اس کا جوش وخروش زور طاقت اور کس بل؟ اور کہاں بڑھاپے کی کمزوری جھریاں پڑا ہوا جسم خمیدہ کمر اور بے طاقت ہڈیاں؟ جیسے ارشاد باری ہے: (الروم ۵۴) ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ

قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ هُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ○ ﴾ [سورة الروم: ٥٤] ''اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا پھر اس کمزوری کے بعد قوت دی پھر اس وقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا طاری کر دیا وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے اور وہ عالم اور قادر ہے۔'' اس مثال سے دنیا کی فنا اور اس کا زوال ظاہر کر کے پھر آخرت کے دونوں منظر دکھا کر ایک سے ڈراتا ہے اور دوسرے کی رغبت دلاتا ہے' پس فرماتا ہے عنقریب آنے والی قیامت اپنے ساتھ عذاب اور سزا کو لائے گی اور مغفرت اور رضامندی رب کو لائے گی' پس تم وہ کام کرو کہ ناراضگی سے بچ جاؤ اور رضا حاصل کر لو سزاؤں سے بچ جاؤ اور بخشش کے حقدار بن جاؤ' دنیا صرف دھوکے کی ٹٹی ہے اس کی طرف جھکنے والے پر آخر وہ وقت آ جاتا ہے کہ یہ اس کے سوا کسی اور چیز کا خیال ہی نہیں کرتا اسی کی دھن میں روز و شب مشغول رہتا ہے بلکہ اس کمی والی اور زوال والی کمینی دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے لگتا ہے' شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ بسا اوقات آخرت کا منکر بن جاتا ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ایک کوڑے برابر جنت کی جگہ ساری دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ دنیا تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔ [1]



## آؤ اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے

﴿ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ○ ﴾ [سورة الحديد: ٢١]

''(آؤ) دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس کی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے یہ ان کے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

---

[1] تفسیر الطبری لابن جریر (٦٨٥/١١) وتفسیر ابن کثیر (٣٥٥/٥)

**تفہیم**

مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے تم میں سے ہر ایک سے جنت اس سے بھی زیادہ قریب ہے جتنا تمہارا جوتی کا تسمہ اور اسی طرح جہنم بھی۔ ①

پس معلوم ہوا کہ خیر و شر انسان سے بہت نزدیک ہے اور اس لیے اسے چاہیے کہ بھلائیوں کی طرف سبقت کرے اور برائیوں سے منہ پھیر کر بھاگتا رہے۔ تاکہ گناہ اور برائیاں معاف ہو جائیں اور ثواب اور درجے بلند ہو جائیں۔ اسی لیے فرمایا: ''دوڑو اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی جنس کے برابر ہے۔'' جیسے قرآن میں فرمایا: ﴿ وَ سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ [سورة آل عمران: ۱۳۳] ''اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف سبقت کرو جس کی کشادگی کل آسمان اور ساری زمینیں ہیں جو پارسا لوگوں کے لیے بنائی گی ہیں۔'' یہاں فرمایا: ''یہ اللہ رسول پر ایمان لانے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے' یہ لوگ اللہ کے اس فضل کے لائق تھے اسی لیے اس بڑے فضل و کرم والے نے اپنی نوازش کے لیے انہیں چن لیا اور ان پر اپنا پورا احسان اور اعلیٰ انعام کیا۔''

حدیث میں ہے کہ مہاجرین کے فقراء نے حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ مالدار لوگ تو جنت کے بلند درجوں کو اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کو پا گئے آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیسے؟ کہا نماز روزہ تو وہ اور ہم سب کرتے ہیں لیکن مال کی وجہ سے وہ صدقہ کرتے ہیں غلام آزاد کرتے ہیں جو مفلسی کی وجہ سے ہم سے نہیں ہو سکتا آپ ﷺ نے فرمایا: ''آؤ میں تمہیں ایک ایسی چیز بتاؤں کہ اس کے کرنے سے تم ہر شخص سے آگے بڑھ جاؤ گے مگر ان سے جو تمہاری طرح خود بھی اس کو کرنے لگیں' دیکھو تم ہر فرض نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کہو اور اتنی ہی بار اللہ اکبر اور اسی طرح الحمد اللہ۔'' کچھ دنوں بعد یہ بزرگ پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا' یا رسول اللہ ﷺ ہمارے مال دار بھائیوں کو بھی اس وظیفہ کی اطلاع مل گئی ہے اور انہوں نے بھی اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ

---

① مسند الإمام أحمد (۱/ ۳۸۷، ٤٤۲)

ﷺ نے فرمایا: ''یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔''①



## صرف قسموں پر ہی یقین نہ کرو

﴿ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُونَ ۝ ﴾ [سورة المجادلة: ۱۸]

''جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھا کھڑا کرے گا تو یہ جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اللہ تعالیٰ) کے سامنے بھی قسمیں کھانے لگیں گے اور سمجھیں گے کہ وہ بھی کسی (دلیل) پر ہیں یقین مانو کہ بیشک وہی جھوٹے ہیں۔''

**تفہیم**

یعنی ان کی بدبختی اور سنگ دلی کی انتہا ہے کہ قیامت والے دن، جہاں کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہے گی، وہاں بھی اللہ کے سامنے جھوٹی قسمیں کھانے کی شوخ چشمانہ جسارت کریں گے۔



## دنیا اور آخرت کے عذاب کی مثال

﴿ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ ﴾

[سورة الحشر: ۱۵]

''ان لوگوں کی طرح جو ان سے کچھ ہی پہلے گزرے ہیں جنہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا اور جن کے لیے المناک عذاب (تیار ہے)۔''

**تفہیم**

① اس سے بعض نے مشرکین مکہ مراد لیے ہیں جنہیں غزوہ بنی نضیر سے کچھ عرصہ قبل جنگ بدر میں عبرت ناک شکست ہوئی تھی یعنی یہ بھی مغلوبیت اور ذلت میں مشرکین

---

① صحيح البخاري، الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، (۸۴۳) وصحيح مسلم (۵۹۵، ۱٤۲)

ہی کی طرح ہیں جن کا زمانہ قریب ہی ہے بعض نے یہود کے دوسرے قبیلے بنوقینقاع کو مراد لیا ہے جنہیں بنونضیر سے قبل جلاوطن کیا جا چکا تھا جو زمان ومکان دونوں لحاظ سے ان کے قریب تھے۔ ①

② یعنی یہ وبال جوانہوں نے چکھا' یہ تو دنیا کی سزا ہے' آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے جو نہایت دردناک ہوگی۔



## شیطان کی مثال

﴿ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۝ ﴾ [سورة الحشر: ١٦]

''شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کفر کر' جب کفر کر چکا تو کہنے لگا میں تجھ سے بری ہوں میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔''

**تفہیم**

① شیطان اپنے اس قول میں سچا نہیں ہے' مقصد صرف اس کفر سے علیحدگی اور چھٹکارا حاصل کرتا ہے جو انسان شیطان کے گمراہ کرنے سے کرتا ہے۔

② یہ یہود اور منافقین کی ایک اور مثال بیان فرمائی کہ منافقین نے یہودیوں کو اسی طرح بے یار ومددگا چھوڑ دیا جس طرح شیطان انسان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے پہلے وہ انسان کو گمراہ کرتا ہے اور جب انسان شیطان کے پیچھے لگ کر کفر کا ارتکاب کر لیتا ہے تو شیطان اس سے براءت کا اظہار کر دیتا ہے۔



## اللہ کے احکام کو بھلا دینے والے مت بنو

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝﴾

[سورة الحشر: ١٩]

① تفسیر ابن کثیر (٥/٤٠٠)

''اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے اللہ (کے احکام) کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں اپنی جانوں سے غافل کر دیا اور ایسے ہی لوگ نافرمان (فاسق) ہوتے ہیں۔''

**تفہیم**

یعنی جنہوں نے اللہ کے حقوق بھلا دیئے' اس کی یاد سے غفلت اور بے پروائی برتی۔ اللہ نے خود کی جانوں سے ان کو غافل اور بے خبر کر دیا کہ آنے والی آفات سے اپنے بچاؤ کی کچھ فکر نہ کی۔ اور نافرمانیوں میں غرق ہو کر دائمی خسارے اور ابدی ہلاکت میں پڑ گئے۔



## مثالوں کے بیان کرنے کا مقصد

﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ [سورة الحشر: ۲۱]

''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تو دیکھتا کہ خوف الٰہی سے وہ پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔''

**تفہیم**

① اس مقام میں قرآن کریم کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ فی الواقع یہ پاک کتاب اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ دل اس کے سامنے جھک جائیں' رونگٹے کھڑے ہو جائیں' کلیجے کپکپائیں' اس کے سچے وعدے اور اس کی حقانی ڈانٹ ڈپٹ ہر سننے والے کو بید کی طرح تھرا دے' اور دربار الٰہی میں سر بہ سجود کرا دے' اگر یہ قرآن جناب باری تعالیٰ کسی سخت بلند اور اونچے پہاڑ پر بھی نازل فرماتا اور اسے غور و فکر اور فہم و فراست کی حس بھی دیتا تو وہ بھی اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتا' پھر انسانوں کے دلوں پر جو نسبتاً بہت نرم اور چھوٹے ہیں۔ جنہیں پوری سمجھ بوجھ ہے' اس کا بہت بڑا اثر پڑنا چاہیے' ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے ان کے غور و فکر کے لیے اللہ تعالیٰ نے بیان فرما

دیا‘ مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو بھی ڈر اور عاجزی چاہیے‘ متواتر حدیث میں ہے کہ منبر تیار ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ ایک کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر بن گیا‘ بچھ گیا اور حضور ﷺ اس پر خطبہ پڑھنے کو کھڑے ہوئے اور وہ تنا دور ہو گیا‘ تو اس میں سے رونے کی آواز آنے لگی اور اس طرح سسکیاں لے لے کر وہ رونے لگا جیسے کوئی بچہ بلک بلک کر روتا ہو اور اسے چپ کرایا جا رہا ہو کیونکہ وہ ذکر وحی کے سننے سے کچھ دور ہو گیا تھا۔[1]

امام بصری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو بیان کر کے فرماتے تھے کہ: ”لوگو ایک کھجور کا تنا اس قدر اللہ کے رسول ﷺ کا شائق ہو تو تمہیں چاہیے کہ اس سے بہت زیادہ شوق اور چاہت تم رکھو۔“[2]

اسی طرح کی یہ آیت ہے کہ ”جب ایک پہاڑ کا یہ حال ہو تو تمہیں چاہیے کہ تم تو اس حالت میں اس سے آگے رہو“ نیز فرمان الٰہی ہے: یعنی ”اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے باعث پہاڑ چلا دیئے جائیں یا زمین کاٹ دی جائے یا مردے بول پڑیں (تو اس کے قابل یہی قرآن تھا۔ مگر پھر بھی ان کفار کو ایمان نصیب نہ ہوتا۔)“ [سورة الرعد: ۳۱] دوسری جگہ فرمان عالی شان ہے یعنی ”بعض پتھر ایسے ہیں جن میں سے نہریں بہ نکلتی ہیں بعض وہ ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلتا ہے بعض اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔“ [سورة البقرة: ٧٤][3]

۲ یعنی قرآن کریم میں ہم نے بلاغت وفصاحت‘ قوت واستدلال اور وعظ تذکرہ کے ایسے پہلو بیان کیے ہیں کہ انہیں سن کر پہاڑ بھی باوجود اتنی سختی اور وسعت وبلندی کے خوف الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ یہ انسان کو سمجھایا اور ڈرایا جا رہا ہے کہ تجھے عقل و فہم کی صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ لیکن قرآن سن کر تیرا دل کوئی اثر قبول نہیں کرتا تو تیرا انجام اچھا نہیں ہوگا۔

---

[1] صحیح البخاری، المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام (۳۵۸۳) والترمذی (۵۰۵)

[2] سنن الدارمی (۱/ ۳۴، ۳۵)

[3] تفسیر ابن کثیر (٤٠٥/٥)

# کچھ لین دین کرلو

﴿ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴾

[سورة الممتحنة: ١١]

''اور اگر تمہاری کوئی بیوی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور کافروں کے پاس چلی جائے پھر تم اس کے بدلے کا وقت مل جائے تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں انہیں ان کے اخراجات کے برابر ادا کر دو' اور اس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔''

**تفہیم**

ایک مفہوم تو یہ ہے کہ مسلمان ہو کر آنے والی عورتوں کے حق مہر' جو تمہیں ان کے کافر شوہروں کو ادا کرنے تھے' وہ تم ان مسلمانوں کو دے دو' جن کی عورتیں کافر ہونے کی وجہ سے کافروں کے پاس چلی گئی ہیں اور انہوں مسلمانوں کو مہر ادا نہیں کیا (یعنی یہ بھی سزا کی ایک صورت ہے) دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تم کافروں سے جہاد کرو اور جو مال غنیمت حاصل ہو اس میں تقسیم سے پہلے ان مسلمانوں کو' جن کی بیویاں دارالکفر چلی گئی ہیں' ان کے خرچ کے بقدر ادا کر دو' گویا مال غنیمت سے مسلمانوں کے نقصان کا (ازالہ) یہ بھی سزا ہے (اگر مال غنیمت سے بھی ازالہ کی صورت نہ ہو تو بیت المال سے تعاون کیا جائے)[1]



# راہ جہاد میں صف بندی کی فضیلت

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴾ [سورة الصف: ٤]

''بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔''

[1] تفسیر ابن کثیر (٤١٨)

**تفہیم**

روایات میں ہے کہ ایک جگہ مسلمان جمع تھے، کہنے لگے ہم کو اگر معلوم ہو جائے کہ کون سا کام اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے تو وہ ہی اختیار کریں۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ کہ اللہ کو سب سے زیادہ ان لوگوں سے محبت ہے جو اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں کے مقابلہ پر ایک آہنی دیوار کی طرح ڈٹ جاتے ہیں اور میدان جنگ میں اس شان سے صف آرائی کرتے ہیں کہ گویا وہ سب مل کر ایک مضبوط دیوار ہیں جس میں سیسہ پلا دیا گیا ہے، اور جس میں کسی جگہ کوئی رخنہ نہیں پڑ سکتا۔ اب اس معیار پر اپنے کو پرکھ لو۔ بیشک تم میں بہت ایسے ہیں جو اس معیار پر کامل واکمل اتر چکے ہیں مگر بعض مواقع ایسے بھی نکلیں گے جہاں بعضوں کے زبانی دعووں کی ان کے عمل نے تکذیب کی ہے آخر جنگ احد میں وہ بنیان مرصوص کہاں قائم رہی۔ اور جس وقت حکم قتال اترا تو یقیناً بعض نے یہ بھی کہا: ﴿رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَا ۝﴾ [سورة النساء: ٧٧] بہرحال زبان سے زیادہ دعوے مت کرو بلکہ خدا کی راہ میں قربانی پیش کرو جس سے اعلیٰ کامیابی نصیب ہو۔ موسیٰ کی قوم کو نہیں دیکھتے کہ زبان سے تعلّی وتفاخر کی باتیں بہت بڑھ چڑھ کر بناتے تھے لیکن عمل کے میدان میں صفر تھا۔ جہاں کوئی موقع کام کا آیا فوراً پھسل گئے اور نہایت تکلیف دہ باتیں کرنے لگے۔



## عیسیٰ علیہ السلام کی بات کی طرح

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝﴾ [سورة الصف: ١٤]

''اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ جس طرح حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کی راہ میں مددگار ہیں پس بنی اسرائیل

میں سے ایک جماعت تو ایمان لائی اور ایک جماعت نے کفر کیا تو ہم نے مومنوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کی پس وہ غالب آ گئے۔''

**تفہیم**

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر آن اور ہر لحظہ جان مال عزت آبرو قول فعل نقل وحرکت سے دل اور زبان سے اللہ کی اور اس کے رسول کی تمام تر باتوں کی تعمیل میں رہیں، پھر مثال دیتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابعداروں کو دیکھو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آواز پر فوراً لبیک پکار اٹھے اور ان کے اس کہنے پر کہ کوئی ہے جو اللہ کی باتوں میں میری امداد کرے انہوں نے بلا غور علی الفور کہہ دیا کہ ہم سب آپ کے ساتھی ہیں اور دین اللہ کی امداد میں آپ کے تابع ہیں، چنانچہ روح اللہ علیہ صلوات اللہ نے اسرائیلیوں اور یونانیوں میں انہیں مبلغ بنا کر شام کے شہروں میں بھیجا، حج کے دنوں میں سرور رسل صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرمایا کرتے تھے کہ کوئی ہے جو مجھے جگہ دے تاکہ میں اللہ کی رسالت کو پہنچا دوں قریش تو مجھے رب کا پیغام پہنچانے سے روک رہے ہیں۔ [1]

چنانچہ اہل مدینہ کے قبیلے اوس وخزرج کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت ابدی بخشی انہوں نے آپ سے بیعت کی آپ کی باتیں قبول کیں، اور مضبوط عہد وپیمان کیے کہ اگر آپ ہمارے ہاں آ جائیں تو پھر کسی سرخ وسیاہ کی طاقت نہیں جو آپ کو دکھ پہنچائے ہم آپ کی طرف سے جانیں لڑا دیں گے اور آپ پر کوئی آنچ نہ آنے دیں گے، پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو لے کر ہجرت کر کے ان کے ہاں گئے تو فی الواقع انہوں نے اپنے کہے کو پورا کر دکھایا اور اپنی زبان کی پاسداری کی اسی لیے انصار کے معزز لقب سے ممتاز ہوئے اور یہ لقب گویا ان کا امتیازی نام بن گیا اللہ ان سے خوش ہو اور انہیں بھی راضی کرے آمین! جبکہ حواریوں کو لے کر آپ دین اللہ کی تبلیغ کے لیے کھڑے ہوئے تو بنی اسرائیل کے کچھ لوگ تو راہ راست پر آ گئے اور کچھ لوگ نہ آئے بلکہ آپ کو اور آپ کی والدہ ماجدہ طاہرہ کو بدترین برائی کی طرف منسوب کیا ان یہودیوں پر اللہ کی پھٹکار پڑی اور ہمیشہ کے لیے راندہ درگاہ بن گئے، پھر ماننے والوں میں سے بھی ایک جماعت ماننے میں ہی حد سے گذر گئی اور انہیں

---

[1] مسند الإمام أحمد (۳/۳۲۲، ۳/۳۳۹) والبیهقی فی دائل النبوة (۲/۴۴۲)

ان کے درجہ سے بہت بڑھا دیا' پھر اس گروہ میں بھی کئی گروہ ہو گئے' بعض تو کہنے لگے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں بعض نے کہا تین میں کے تیسرے ہیں یعنی باپ بیٹا اور روح القدس اور بعض نے تو آپ کو اللہ ہی مان لیا' ان سب کا ذکر سورہ نساء میں مفصل ملاحظہ ہو' سچے ایمان والوں کی جناب باری نے اپنے آخر الزماں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تائید کی ان کے دشمن نصرانیوں پر انہیں غالب کر دیا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب اللہ کا ارادہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر چڑھا لے آپ نہا دھو کر اپنے اصحاب کے پاس آئے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے یہ بارہ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جو ایک گھر میں بیٹھے ہوئے تھے آتے ہی فرمایا: ''تم میں وہ بھی ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں لیکن پھر میرے ساتھ کفر کریں گے اور ایک دو دفعہ نہیں بلکہ بارہ بارہ مرتبہ۔'' پھر فرمایا: ''تم میں سے کون اس بات پر آمادہ ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈالی جائے اور وہ میرے بدلے قتل کیا جائے اور جنت میں میرے درجے میں میرا ساتھی بنے۔'' ایک نوجوان جوان سب میں کم عمر تھا' اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے آپ کو پیش کیا' آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''تم بیٹھ جاؤ۔'' پھر وہی بات کہی اب کی مرتبہ بھی کم عمر نوجوان صحابی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اب کی مرتبہ بھی انہیں بٹھا دیا' پھر تیسری مرتبہ یہی سوال کیا' اب کی مرتبہ بھی یہی نوجوان کھڑے ہوئے آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''بہت بہتر۔'' اسی وقت ان کی شکل وصورت بالکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہو گئی اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس گھر کے ایک روزن سے آسمان کی طرف اٹھا لیے گئے۔ اب یہودیوں کی فوج آئی اور انہوں نے اس نوجوان کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر گرفتار کر لیا اور قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا اور حضرت عیسیٰ کی پیشین گوئی کے مطابق ان باقی کے گیارہ لوگوں میں سے بعض نے بارہ بارہ مرتبہ کفر کیا' حالانکہ وہ اس سے پہلے ایماندار تھے' پھر بنی اسرائیل کے ماننے والے گروہ کے تین فرقے ہو گئے' ایک فرقے نے تو کہا کہ خود اللہ ہمارے درمیان بصورت مسیح تھا' جب تک چاہا رہا پھر آسمان پر چڑھ گیا' انہیں یعقوبیہ کہا جاتا ہے' ایک فرقے نے کہا ہم میں اللہ کا بیٹا تھا جب تک اللہ نے چاہا اسے ہم میں رکھا اور جب چاہا اپنی طرف چڑھا لیا' انہیں سطوریہ کہا جاتا ہے' تیسری جماعت حق

پر قائم رہی ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہم میں تھے‘ جب تک اللہ کا ارادہ رہا آپ ہم میں موجود رہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا‘ یہ جماعت مسلمانوں کی ہے۔ پھر ان دونوں کافر جماعتوں کی طاقت بڑھ گئی اور انہوں نے ان مسلمانوں کو مار پیٹ کر قتل و غارت کرنا شروع کیا اور یہ دبے ہوئے اور مغلوب ہی رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا‘ پس بنی اسرائیل کی وہ مسلمان جماعت آپ پر بھی ایمان لائی اور ان کافر جماعتوں نے آپ سے بھی کفر کیا‘ ان ایمان والوں کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور انہیں ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غالب آ جانا اور دین اسلام کا تمام ادیان کو مغلوب کر دینا ہی ان کا غالب آنا اور اپنے دشمنوں پر فتح پانا ہے۔ ①

پس یہ امت حق پر قائم رہ کر ہمیشہ تک غالب رہے گی یہاں تک کہ امر اللہ یعنی قیامت آ جائے اور یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو کر مسیح دجال سے لڑائی کریں گے جیسے کہ صحیح احادیث میں موجود ہے۔ ②



## اللہ کو جھٹلانے والوں کی مثال

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ [سورة الجمعة: ٥]

”جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو‘ اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں کی بڑی بری مثال ہے اور اللہ (ایسی) ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔“

① سنن النسائی فی الکبری (٦/٤٨٩)
② تفسیر ابن کثیر (٥/٤٣٧)

**تفہیم**

① اَسْفَارٌ، سِفْرٌ کی جمع ہے، معنی ہیں بڑی کتاب۔ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو انسان اس کے معنوں میں سفر کرتا ہے اس لیے کتاب کو سفر کہا جاتا ہے۔

② ان آیتوں میں یہودیوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے کہ انہیں تورات دی کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے تو اسے یہ تو معلوم ہے کہ اس پر کوئی بوجھ ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس میں کیا ہے؟ اسی طرح یہود ہیں کہ ظاہری الفاظ تو خوب رٹے ہوئے ہیں لیکن نہ تو یہ معلوم ہے کہ مطلب کیا ہے؟ نہ اس پر ان کا عمل ہے بلکہ اور تبدیل وتحریف کرتے رہتے ہیں، پس دراصل یہ اس بے سمجھ جانور سے بھی بدترین، کیونکہ اسے تو قدرت نے سمجھ ہی نہیں دی لیکن یہ سمجھ رکھتے ہوئے پھر بھی اس کا استعمال نہیں کرتے۔ اسی لیے دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے: ''یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھکے ہوئے، یہ غافل لوگ ہیں۔'' [الاعراف:۱۷۹] یہاں فرمایا: آیتوں کے جھٹلانے والوں کی کیا ہی بری مثال ہے، ایسے ظالم اللہ کی رہنمائی سے محروم رہتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے: ''جو شخص جمعہ کے دن امام کے خطبہ کی حالت میں بات کرے، وہ مثل گدھے کے ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو اور جو اسے کہے کہ چپ رہ اس کا بھی جمعہ جاتا رہا۔''[1]



## اللہ جس نے سات آسمان اور اسی کے مثل زمینیں پیدا کیں

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ۝ ﴾ [سورة الطلاق: ١٢]

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اور اسی کے مثل زمینیں بھی پیدا کیں۔ اس

[1] مسند الإمام أحمد (١/ ٢٣٠) ومجمع الزوائد (٣١٢٣) ...... اس کی سند میں مجاہد بن سعید راوی ضعیف ہے۔

کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بہ اعتبار علم گھیر رکھا ہے۔''

**تفہیم**

① اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور اپنی عظیم الشان سلطنت کا ذکر فرماتا ہے تاکہ مخلوق اس کی عظمت و عزت کا خیال کر کے اس کے فرمان کو قدر کی نگاہ سے دیکھے اور اس پر عامل بن کر اسے خوش کرے، تو فرمایا کہ ساتوں آسمانوں کا خلاق اللہ تعالیٰ ہے، جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: ''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ پاک نے ساتوں آسمانوں کو کس طرح اوپر تلے پیدا کیا ہے؟'' [سورة النوح: ١٥] دوسری جگہ ارشاد ہے: ''ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے سب اس اللہ کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں۔'' [سورة الإسراء:٤٤] پھر اللہ فرماتا ہے: ''اسی کے مثل زمینیں ہیں۔'' جیسے کہ بخاری (۳۱۹۶) و مسلم (۱۶۱۲) کی صحیح حدیث میں ہے: ''جو شخص ظلم کر کے کسی کی ایک بالشت بھر زمین لے لے گا اسے ساتوں زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔'' صحیح بخاری (۳۱۹۶) میں ہے: ''اسے ساتویں زمین تک دھنسایا جائے گا۔''

② امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ''ساتوں زمینوں میں سے ہر ایک میں نبی ہے مثل تمہارے نبی کے اور آدم ہیں مثل آدم علیہ السلام کے اور نوح ہیں مثل نوح علیہ السلام کے اور ابراہیم ہیں مثل ابراہیم علیہ السلام کے اور عیسیٰ ہیں مثل عیسیٰ علیہ السلام کے۔[1]



# نوح اور لوط علیہما السلام کی بیوی کی مثال

﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝ ﴾ [التحريم: ١٠]

[1] تفسير الطبرى (١٤٥/١٢/٥) والمستدرك للحاكم (٤٩٣/٢)

''اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے نوح اور لوط علیہما السلام کی بیوی کی مثال بیان فرمائی یہ دونوں ہمارے بندوں میں دو (شائستہ اور) نیک بندوں کے گھر میں تھیں، پھر ان کی انہوں نے خیانت کی پس دونوں (نیک بندے) ان سے اللہ کے (کسی عذاب کو) نہ روک سکے اور حکم دیا گیا (اے عورتو!) دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی چلی جاؤ۔''

**تفہیم**

اللہ تعالیٰ نے مثال دے کر سمجھایا کہ کافروں کا مسلمانوں سے ملنا جلنا خلط ملط رہنا انہیں ان کے کفر کے باوجود اللہ کے ہاں کچھ نفع نہیں دے سکتا، دیکھو دو پیغمبروں کی عورتیں حضرت نوح علیہ السلام کی اور حضرت لوط علیہ السلام کی جو ہر وقت ان نبیوں کی صحبت میں رہنے والی اور دن رات ساتھ اٹھنے بیٹھنے والی اور ساتھ ہی کھانے پینے بلکہ سونے جاگنے والی تھیں، لیکن چونکہ ایمان میں ان کی ساتھی نہ تھیں اور اپنے کفر پر قائم تھیں، پس پیغمبروں کی آٹھ پہر کی صحبت انہیں کچھ کام نہ آئی، انبیاء اللہ انہیں اُخروی نفع نہ پہنچا سکے اور نہ اُخروی نقصان سے بچا سکے، بلکہ ان عورتوں کو بھی دوزخیوں کے ساتھ جہنم میں جانے کو کہہ دیا گیا۔ یہ یاد رہے کہ خیانت کرنے سے مراد بدکاری نہیں، انبیاء علیہم السلام کی حرمت و عصمت اس سے بہت اعلیٰ اور بالا ہے کہ ان کی گھر والیاں فاحشہ ہوں، بلکہ یہاں داد خیانت فی الدین یعنی دین میں اپنے خاوندوں کی خیانت کی ان کا ساتھ نہ دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان کی خیانت زنا کاری نہیں بلکہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی تو لوگوں سے کہا کرتی تھی کہ یہ مجنوں ہیں اور لوط علیہ السلام کی بیوی جو مہمان حضرت لوط کے ہاں آتے تو کافروں کو خبر کر دیتی تھیں۔ [1] یہ دونوں بد دین تھیں نوح علیہ السلام کی راز داری اور پوشیدہ طور پر ایمان لانے والوں کے نام کافروں پر ظاہر کر دیا کرتی تھیں، اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اپنے خاوند اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت تھی اور جو لوگ آپ کے ہاں مہمان بن کر ٹھہرتے یہ جا کر اپنی کافر قوم کو خبر کر دیتی جنہیں بدعملی کی عادت تھی۔

---

[1] المستدرك للحاكم (٢/٤٩٦)

بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کسی پیغمبر کی کسی عورت نے کبھی بدکاری نہیں کی' اسی طرح حضرت عکرمہ' حضرت سعید بن جبیر' حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ سے بھی مروی ہے' اس سے استدلال کر کے بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ جو عام لوگوں میں مشہور ہے کہ حدیث میں ہے جو شخص کسی ایسے کے ساتھ کھائے جو بخشا ہوا ہے اسے بھی بخش دیا جاتا ہے' یہ حدیث بالکل ضعیف ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ حدیث محض بے اصل ہے۔ [1]



# فرعون کی بیوی کی مثال

﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [سورة التحريم: ١١]

''اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی' جبکہ اس نے دعا کی اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں مکان بنا اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے بچا اور مجھے ظالم لوگوں سے خلاصی دے۔''

**تفہیم**

شدائد میں صبر کے لیے' نیز یہ بتلانے کے لیے کہ کفر کی صولت وشوکت' ایمان والوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی' جیسے فرعون کی بیوی ہے جو اپنے وقت کے سب سے بڑے کافر کے تحت تھی۔ لیکن وہ اپنی بیوی کو ایمان سے نہیں روک سکا۔



# باغ والوں کی آزمائش

﴿ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴾

[1] تفسیر ابن کثیر (٥/٤٨٥)

[سورۃ القلم: ۱۷]

"بیشک ہم نے انہیں اسی طرح آزما لیا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا جبکہ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح ہوتے ہی اس باغ کے پھل اتار لیں گے۔"

**تفہیم**

① یہاں ان کافروں کی جو حضور ﷺ کی نبوت کو جھٹلا رہے تھے مثال بیان ہو رہی ہے کہ جس طرح یہ باغ والے تھے کہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کی اور اللہ کے عذابوں میں اپنے آپ کو ڈال دیا' یہی حالت ان کافروں کی ہے کہ اللہ کی نعمت یعنی حضور ﷺ کی پیغمبر کی ناشکری یعنی انکار نے انہیں بھی اللہ کی ناراضگی کا مستحق کر دیا ہے' تو فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں بھی آزما لیا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا جس باغ میں طرح طرح کے پھل میوے وغیرہ تھے' ان لوگوں نے آپس میں قسمیں کھائیں کہ صبح سے پہلے ہی پہلے رات کے وقت پھل اتار لیں گے تاکہ فقیروں مسکینوں اور سائلوں کو پتہ نہ چلے جو وہ آ کھڑے ہوں اور ہمیں ان کو بھی دینا پڑے بلکہ کل پھل اور میوے خود ہی لے آئیں گے' اپنی اس تدبیر کی کامیابی پر انہیں غرور تھا اور اس خوشی میں پھولے ہوئے تھے یہاں تک کہ اللہ کو بھی بھول گئے انشاء اللہ تک کسی کی زبان سے نہ نکلا اس لیے ان کی یہ قسم پوری نہ ہوئی' رات ہی رات میں ان کے پہنچنے سے پہلے آسمانی آفت نے سارے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا ایسا ہو گیا جیسے سیاہ رات اور کٹی ہوئی کھیتی' اسی لیے حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگو گناہوں سے بچو گناہوں کی شامت کی وجہ سے انسان اس روزی سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے جو اس کے لیے تیار کر دی گئی ہے پھر حضور ﷺ نے ان دو آیتوں کی تلاوت کی کہ یہ لوگ بہ سبب اپنے گناہ کے اپنے باغ کے پھل اور اس کی پیداوار سے بے نصیب ہو گئے۔[1] صبح کے وقت یہ آپس میں ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے کہ اگر پھل اتارنے کا ارادہ ہے تو اب دیر نہ لگاؤ سویرے ہی چل پڑو۔

---

[1] ابن أبی حاتم تحت الآیۃ...... لیکن یہ روایت کمزور ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ باغ انگور کا تھا' اب یہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے تاکہ کوئی سن نہ لے اور غریب غرباء کو پتہ نہ لگ جائے' چونکہ ان کی سرگوشیاں اس اللہ سے تو پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں جو دلی ارادوں سے بھی پوری طرح واقف رہتا ہے وہ بیان فرماتا ہے کہ ان کی وہ خفیہ باتیں یہ تھیں کہ دیکھو ہوشیار رہو کوئی مسکین بھنک پا کر کہیں آج آ نہ جائے ہرگز کسی فقیر کو باغ میں گھسنے ہی نہ دینا اب قوت و شدت کے ساتھ پختہ ارادے اور غریبوں پر غصے کے ساتھ اپنے باغ کو چلے' یہ جانتے تھے کہا اب ہم پھلوں پر قابض ہیں ابھی اتار کر سب لے آئیں گے' لیکن جب وہاں پہنچے تو ہکا بکا رہ گئے۔ کہ لہلہاتا ہوا ہرا بھرا باغ میووں سے لدے ہوئے درخت اور پکے ہوئے پھل سب غارت اور برباد ہو چکے ہیں سارے باغ میں آندھی پھر گئی ہے اور تمام باغ میووں سمیت جل کر کوئلہ ہو گیا ہے' کوئی پھل نصف دام کا بھی نہیں رہا' ساری تر و تازگی پژمردگی سے بدل گئی ہے' باغ سارا کا سارا جل کر راکھ ہو گیا ہے درختوں کے کالے کالے ڈراؤنے ٹنڈ کھڑے ہوئے ہیں' پہلے تو سمجھے کہ ہم راہ بھول گئے کسی اور باغ میں چلے آئے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارا طریقہ کار غلط تھا جس کا یہ نتیجہ ہے پھر بغور دیکھنے سے جب یقین ہو گیا کہ باغ تو یہ ہمارا ہی ہے تب سمجھ گئے اور کہنے لگے: ''ہے تو یہی لیکن ہم بدقسمت ہیں' ہمارے نصیب میں ہی اس کا پھل اور فائدہ نہیں تھا۔'' ان سب میں جو عدل و انصاف والا اور بھلائی اور بہتری والا تھا وہ بول پڑا کہ دیکھو میں تو پہلے ہی تم سے کہتا تھا کہ تم ان شاء اللہ کیوں نہیں کہتے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے بہتر شخص نے ان سے کہا کہ دیکھو میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم کیوں اللہ کی پاکیزگی اور اس کی حمد و ثناء نہیں کرتے؟ یہ سن کر اب وہ کہنے لگ ہمارا رب پاک ہے بیشک ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اب اطاعت بجا لائے جبکہ عذاب پہنچ چکا اب اپنی تقصیر کو مانا جب سزا دے دی گئی' اب تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ہم نے بہت ہی برا کیا کہ مسکینوں کا حق مارنا چاہا اور اللہ کی فرمانبرداری سے رک گئے' پھر سب نے کہا کہ کوئی شک نہیں ہماری سرکشی حد

سے بڑھ گئی اسی وجہ سے اللہ کا عذاب آیا۔

۲ بعض سلف کا قول ہے کہ یہ واقعہ اہل یمن کا ہے' حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ لوگ فروان کے رہنے والے تھے جو صنعاء سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے اور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اہل حبشہ تھے۔ مذہباً اہل کتاب تھے یہ باغ انہیں ان کے باپ کے ورثے میں ملا تھا اس کا یہ دستور تھا کہ باغ کی پیداوار میں سے باغ کا خرچ نکال کر اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیے سال بھر کا خرچ رکھ کر باقی نفع اللہ کے نام صدقہ کر دیتا تھا اس کے انتقال کے بعد ان بچوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ ہمارا باپ تو بیوقوف تھا جو اتنی بڑی رقم ہر سال ادھر ادھر دے دیتا تھا ہم ان فقیروں کو اگر نہ دیں اور اپنا مال باقاعدہ سنبھالیں تو بہت جلد دولت مند بن جائیں یہ ارادہ انہوں نے پختہ کر لیا تو ان پر وہ عذاب آیا جس نے اصل مال بھی تباہ کر دیا اور بالکل خالی ہاتھ رہ گئے' پھر فرماتا ہے جو شخص بھی اللہ کے حکموں کے خلاف کرے اور اللہ کی نعمتوں میں بخل کرے اور مسکینوں محتاجوں کا حق ادا نہ کرے اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرے اس پر اسی طرح کے عذاب نازل ہوتے ہیں اور یہ تو دنیوی عذاب ہیں آخرت کے عذاب تو ابھی باقی ہیں جو سخت تر اور بدتر ہیں' بیہقی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے رات کے وقت کھیتی کاٹنے اور باغ کے پھل اتارنے سے منع فرما دیا ہے۔[1]

۳ فتح القدیر میں ہے کہ یہ باغ (یمن) سے دو فرسخ کے فاصلے پر تھا اس کا مالک اس کی پیداوار غربا و مساکین پر بھی خرچ کرتا تھا' لیکن اس کے مرنے کے بعد جب اس کی اولاد اس کی وارث بنی تو انہوں نے کہا کہ ہمارے تو اپنے اخراجات بمشکل پورے ہوتے ہیں' ہم اس کی آمدنی میں سے مساکین اور سائلین کو کس طرح دیں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس باغ کو تباہ کر دیا کہتے ہیں یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تھوڑے عرصے بعد پیش آیا۔[2]

---

[1] تفسیر ابن کثیر (٥/٥٩٦) والسنن الکبری للبیھقی (٩/٢٩٨-٢٩٠)۔ یہ روایت مرسل ہے۔
[2] فتح القدیر (٢/١٠٦٣)

# مچھلی والے کی طرح نہ ہو جا

﴿ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ۝﴾ [سورة القلم: ٤٨]

''پس تو اپنے رب کے حکم کا صبر سے انتظار کر اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جا جب کہ اس نے غم کی حالت میں دعا کی۔''

**تفہیم**

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ اپنی قوم کی ایذاء پر اور ان کے جھٹلانے پر صبر وضبط کرو عنقریب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہونے والا ہے' انجام کار آپ کا اور آپ کے ماتحتوں کا ہی غلبہ ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دیکھو تم مچھلی والے نبی کی طرح نہ ہونا اس سے مراد حضرت یونس بن متی علیہ السلام ہیں جبکہ وہ اپنی قوم پر غضب ناک ہو کر نکل کھڑے ہوئے پھر جو ہوا سو ہوا' یعنی آپ کا جہاز میں سوار ہونا مچھلی کا آپ کو نگل جانا اور سمندر کی تہہ میں بیٹھ جانا اور ان تہ بہ تہ اندھیروں میں اس قدر نیچے آپ کا سمندر کو اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے سننا اور خود آپ کا بھی پکارنا: ﴿لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ پڑھنا پھر آپ کی دعا کا قبول ہونا اس غم سے نجات پانا وغیرہ اس واقعہ کا مفصل بیان پہلے سورہ انبیاء میں گزر چکا ہے۔



# وہ تو جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں

﴿ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ أَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝﴾ [سورة الحاقة: ٧]

''جسے ان پر سات رات اور آٹھ دن تک (اللہ نے) مسلط رکھا پس تم دیکھتے کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح گر گئے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں۔''

**تفهیم**

یعنی جو قوم لنگوٹ کس کر اکھاڑے میں یہ کہتی ہوئی اتری تھی۔ ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ ''ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟'' وہ ہماری ہوا کا مقابلہ نہ کر سکی۔ اور ایسے گرانڈیل پہلوان ہوا کے تھپیڑوں سے اس طرح پچھاڑ کھا کر گرے گویا کھجور کے کھوکھلے اور بے جان تنے ہیں جن کا سرا اوپر سے کٹ گیا ہو۔



## روز قیامت آسمان اور پہاڑوں کی کیفیت

﴿ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ ﴾

[سورة المعارج: ۸-۹]

''جس دن آسمان مثل تیل کی تلچھٹ کے ہو جائے گا' اور پہاڑ مثل رنگین اون کے ہو جائیں گے۔''

**تفہیم**

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس عذاب کو یہ طلب کر رہے ہیں وہ عذاب ان طلب کرنے والے کافروں پر اس دن آئے گا جس دن آسمان مثل مہل کے ہو جائے' یعنی زیتون کی تلچھٹ جیسا ہو جائے' اور پہاڑ ایسے ہو جائیں جیسے دھنی ہوئی اون' یہی فرمان دوسری جگہ ہے: ﴿ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴾ [سورة القارعة: ۵] پھر فرماتا ہے کوئی قریبی رشتہ دار کسی اپنے قریبی رشتہ دار سے پوچھ گچھ بھی نہ کرے گا حالانکہ ایک دوسرے کو بری حالت میں دیکھ رہے ہوں گے لیکن خود ایسے مشغول ہوں گے کہ دوسرے کا حال پوچھنے کا بھی ہوش نہیں سب آپا دھاپی میں پڑے ہیں۔ [1]



[1] تفسیر ابن کثیر (۵/۵۲۸)

## وہ قبروں سے اٹھ دوڑیں گے

﴿ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴾

[سورة المعارج: ٤٣]

''جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے' گویا کہ وہ کسی جگہ کی طرف تیز تیز جا رہے ہیں۔''

**تفہیم**

''جدث'' کے معنی ہیں قبر۔ جہاں بتوں کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور بتوں کے معنی میں بھی استعمال ہے۔ بتوں کے پجاری جب سورج طلوع ہوتا تھا تو نہایت تیزی سے اپنے بتوں کی طرف دوڑتے کہ کون پہلے اسے بوسہ دیتا ہے۔ اسی طرح قیامت والے دن اپنی قبروں سے برق رفتاری سے نکلیں گے۔



## اللہ اس مثال سے کیا چاہتے ہیں؟

﴿ وَمَا جَعَلْنَا اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴾

[سورة المدثر: ٣١]

''ہم نے دوزخ کے داروغے صرف فرشتے رکھے ہیں اور ہم نے ان کی تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں اور ایماندار ایمان میں اور بڑھ جائیں اور اہل کتاب اور مسلمان شک نہ کریں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ کافر کہیں کہ اس بیان سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے اس طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہتا گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا

ہے ہدایت دیتا ہے تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا یہ تو کل بنی آدم کے لیے سراسر پند و نصیحت ہے۔''

**تفہیم**

یہ مشرکین قریش کا رد ہے' جب جہنم کے دروغوں کا اللہ نے ذکر فرمایا تو ابوجہل نے جماعت قریش کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم میں سے ہر دس آدمیوں کا گروپ' ایک ایک فرشتے کے لیے کافی نہیں ہوگا' بعض کہتے ہیں کہ کالدہ نامی شخص نے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا' کہا' تم سب صرف دو فرشتے سنبھال لینا' ۱۷ فرشتوں کو تو میں اکیلا ہی کافی ہوں. کہتے ہیں اس نے رسول اللہ ﷺ کو کشتی کا بھی کئی مرتبہ چیلنج دیا اور ہر مرتبہ شکست کھائی مگر ایمان نہیں لایا' کہتے ہیں اس کے علاوہ رکانہ بن عبد یزید کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے کشتی لڑی تھی لیکن وہ شکست کھا کر مسلمان ہو گئے تھے۔ [1]

مطلب یہ کہ یہ تعداد بھی ان کے مذاق یا آزمائش کا سبب بن گئی۔ یعنی جان لیں کہ رسول ﷺ برحق ہے اور اس نے وہی بات کی ہے جو پچھلی کتابوں میں بھی درج ہے۔ کہ اہل کتاب نے ان کے پیغمبر کی بات کی تصدیق کی ہے۔



# گویا کہ وہ بھکے ہوئے گدھے ہیں

﴿ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ۝ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ۝ ﴾

[سورۃ المدثر: ۵۰]

''انہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں۔ گویا کہ وہ بھکے ہوئے گدھے ہیں۔''



# ہم چاہیں تو ان کی مثل اور لے آئیں

﴿ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ۝ ﴾

[1] تفسیر ابن کثیر (۵۶۹/۵)

[سورة الدھر : ۲۸]

''ہم نے انہیں پیدا کیا اور ہم نے ہی ان کے جوڑ اور بندھن مضبوط کیے' اور ہم جب چاہیں ان کے عوض ان جیسے اوروں کو بدل لائیں۔''

**تفہیم**

یعنی ان کی پیدائش کو مضبوط بنایا' یا ان کے جوڑوں کو' رگوں کو اور پٹھوں کے ذریعے سے' ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا' بلفظ دیگر' ان کا مانجھا کڑا کیا۔



## گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں

﴿اِنَّهَا تَرۡمِیۡ بِشَرَرٍ كَالۡقَصۡرِ ۝ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ ۝﴾ [سورۃ المرسلات: ۳۲-۳۳]

''یقیناً دوزخ چنگاریاں پھینکتی ہے جو مثل محل کے ہیں گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں۔''

**تفہیم**

یعنی اگر قصر کے ساتھ تشبیہ بلندی میں تھی تو اونٹ کے ساتھ کلانی میں ہوگی۔ اور اگر وہ تشبیہ کلانی میں ہو تو ﴿كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ﴾ کا مطلب یہ ہوگا کہ ابتداءً چنگاریاں محل کے برابر ہوں گی پھر ٹوٹ کر اور چھوٹی ہو کر اونٹ کے برابر ہو جائیں گی۔ یا اونٹ کے ساتھ رنگت میں تشبیہ ہو' لیکن اس صورت میں ''جملت صفر'' کا ترجمہ جنھوں نے ''کالے اونٹوں'' سے کیا ہے وہ زیادہ چسپاں ہوگا۔ کیونکہ روایات سے جہنم کی آگ کا سیاہ و تاریک ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اور عرب کالے اونٹ کو صفر اس لیے کہتے ہیں کہ عموماً وہ زردی مائل ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)



## ان کی مثل کوئی نہیں

﴿اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ ۝ الَّتِیۡ لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِی الۡبِلَادِ ۝﴾ [سورۃ الفجر: ۷-۸]

''ستونوں والے ارم کے ساتھ' جس کی مانند کوئی قوم ملکوں میں پیدا نہیں ہوئی۔''

**تفہیم**

① ''عاذ'' ایک شخص کا نام ہے جس کی طرف یہ قوم منسوب ہوئی' اس کے اجداد میں سے ایک شخص ''ارم'' نامی تھا۔ اس کی طرف نسبت کرنے سے شاید اس طرف اشارہ ہو کہ یہاں ''عاذ'' سے عادِ اولیٰ مراد ہے۔ ''عادِ ثانیہ'' نہیں' اور بعض نے کہا ''قوم عاذ'' میں جو شاہی خاندان تھا اسے ''ارم'' کہتے تھے۔

② یعنی ستون کھڑے کر کے بڑی بڑی اونچی عمارتیں بناتے۔ یا مطلب ہے کہ اکثر سیر وسیاحت میں رہتے اور اونچے ستونوں پر خیمے تانتے تھے۔ اور بعض کے نزدیک ''ذاتِ العماذ'' کہہ کر ان کے اونچے قد وقامت اور ڈیل ڈول کو ستونوں سے تشبیہ دی ہے۔

③ یعنی ان جیسی دراز قامت اور قوت وطاقت والی قوم کوئی اور پیدا نہیں ہوئی' یہ قوم کہا کرتی تھی: ﴿وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ [سورة حم السجدة: ١٥] ''ہم سے زیادہ کوئی طاقتور ہے؟''



# قیامت والے دن انسان کی حالت

﴿ یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴾

[سورة القارعة: ٤-٥]

''جس دن انسان بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے' اور پہاڑ دھنے ہوئے رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔''

**تفہیم**

① فراش' مچھر اور شمع کے گرد منڈلانے والے پرندے وغیرہ۔ مبثوث' منتشر اور بکھرے ہوئے۔ یعنی قیامت والے دن انسان بھی پروانوں کی طرح پراگندہ اور بکھرے ہوئے ہوں گے۔

② یعنی جیسے دھنی اون یا روئی کو دھنک کر ایک ایک پھاہا کر کے اڑا دیتا ہے۔ اسی طرح پہاڑ متفرق ہو کر اڑ جائیں گے۔ اور رنگین اون سے شاید اس لیے تشبیہ دی کہ بہت کمزور اور ہلکی ہوتی ہے۔ نیز قرآن میں دوسری جگہ پہاڑوں کے رنگ بھی کئی قسم کے بیان فرمائے ہیں:

﴿ وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴾

[سورة فاطر: ۲۷]

''اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید و سرخ اور رنگ برنگ اور بہ سخت سیاہ۔''



وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ○ القرآن

# امثال الحدیث

## تمثیلات وتشبیہات کا مجموعہ

(زیر طبع)

مرتب
قاری محمد دلاور سلفی

تفہیم وتخریج
محمد عظیم حاصل پوری

www.KitaboSunnat.com



ملنے کے پتے

مکتبہ نعمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ۔ والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ

مکرم لائبریری مین گیٹ مسجد مکرم ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ



قرآن مجید سراپا نصیحت، حکمت ودانائی کی باتوں سے لبریز اور سیدھے راستے کی رہنمائی کرنے والی کتاب ہے۔ نزول قرآن سے لے کر لحہ موجود تک مختلف زاویوں سے اس کی توضیحات و تفسیرات سامنے آرہی ہیں لیکن اس کے مصارف ہیں کہ ختم نہیں ہوتے۔ جوکوئی اس سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے وہ ہیرے، جواہرات اور موتیوں سے اپنی جھولی بھر کر سطح آب پر نمودار ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین کو سمجھانے کے لئے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مثالیں بیان کی ہیں تاکہ ان مثالوں کی روشنی میں بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا جائے۔ مثال کی صورت میں بیان کی گئی بات دلچسپی کا باعث ہوتی ہے اور مخاطب کو جلد سمجھ آجاتی ہے۔ محترم جناب قاری محمد دلاور سلفی صاحب نے قرآنی مثالوں کو ایک جگہ جمع کر کے ایک گلدستہ تیار کیا ہے۔ محترم جناب محمد عظیم حاصل پوری صاحب نے تفہیم وتخریج سے اس گلدستہ کی شان اور بڑھا دی ہے۔ امید ہے اس کی خوشبو سے ماحول معطر ہوگا اور قارئین کو روحانی آسودگی میسر آئے گی۔

اس قرآنی خدمت کو منظر عام پر لانے کی سعادت ادارہ ''صبح روشن'' حاصل کر رہا ہے۔ جو پہلے بھی بہت سی عمدہ، مفید اور دلچسپ کتابیں دیدہ زیب انداز میں زیور طباعت سے آراستہ کر کے منظر عام پر لا چکا ہے۔ یہ کتابیں اس لائق ہیں کہ انہیں اپنی لائبریری کی زینت بنایا جائے۔

ابوضیاء محمود احمد غضنفر


پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
0321-4275767, 0300-4516709
www.subheroshan.com